بنت حوا میں ولولۂ تازہ، غیرتِ ایمانی اور احساسِ ذمہ داری بھر دینے والی تقریریں

خواتین کے انقلابی بیانات

مرتبہ

ام رفعہ جویریہ قادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواتین اِسلام کی دینی وفکری تربیت، معاشرتی وسماجی ہدایات
اور تبلیغی واِصلاحی نکات پرمشتمل ایک روح پرور اور ایمان افروز مجموعہ

﴿خواتین کے ولولہ انگیز بیانات﴾

خطباتِ نسواں

-: مرتبہ :-

اُمّ رِفقہ جویریہ قادری (چریاکوٹی)

فاضلہ: كلية البنات الأمجديه، گھوسی، مئو

بِأبِي أنتَ و أمِّي صَلَّى اللّٰهُ عَلَیکَ أیُّهَا النَّبِيُّ الأمِّيُّ

تفصیلات

کتاب : خواتین کے انقلابی بیانات

موضوع : خواتین ملت کی دینی وفکری ومعاشرتی تہذیب وتربیت

تالیف : اُم رِفقہ جویریہ قادری (چریاکوٹی)

فاضلہ: کلیۃ البنات الامجدیہ،گھوسی،مئو۔

نظرثانی : علامہ محمد عبدالمبین نعمانی قادری-مدظلہ-

تصویب : اَبو رِفقہ مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی

کتابت : اُم رومان،اُم کلثوم،اُم فضل،اُم زینب.

صفحات : چار سو آٹھ (۴۰۸)

اشاعت : ۲۰۱۳ء - ۱۴۳۴ھ

قیمت : /روپے

تقسیم کار : کمال بک ڈپو،نزد جامعہ شمس العلوم،گھوسی،مئو،یوپی۔

o رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إنَّکَ أنْتَ السَّمِیْعُ العَلِیْمُ o

اپنی بیٹی رِفقہ نوال قادری کے نام!

اللہ کرے علم وفضل کی ہر شاخ پر وہ آشیاں نشیں ہو

وہ دین کی عالمہ وخادمہ بھی ہو

اور طبقہ نسواں کے لیے مثال ونمونہ بھی

وہ دنیا میں بھی نیک نام ہو

اور عقبیٰ میں بھی شادکام وفائز المرام

خدا اَپنی طاعت میں اسے درازیِ عمر بخشے

اور اپنی حفاظت میں زندگی کا طویل سفر طے کرنے کی

توفیق، رِفقہ کے رفیق حال کر دے۔

دعاگو ودعا جو

اُم رِفقہ جویریہ قادری (چڑیاکوٹی)

فہرست

مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں

نحمده ونصلي ونسلم علىٰ حبيبه الكريم وعلىٰ آله وصحبه أجمعين

یہ ایک نا قابل اِنکار حقیقت ہے کہ اِسلام نے 'عورت' کو عزت و اِحترام کا جو مقام بخشا ہے وہ نہ کسی قدیم تہذیب میں اُسے حاصل ہوا تھا نہ جدید ترقی یافتہ تہذیب کو اس کی ہوا لگی ہے۔ اسلام نے اس کے تمام حقوق دلوائے...... اسے ماں، بہن اور بیٹی کے نہایت قابل احترام اَلقاب سے سرفراز کیا...... مرد و عورت کے درمیان نہایت مقدس اِزدواجی رشتہ قائم کر کے دونوں کی زندگی کو سراپا امن وسکون بنانے کی ضمانت دی...... عورت کے تمام حقوق ونفقات کا بوجھ مرد کے ذمہ ڈالا اور اس کو گھر کی ملکہ بنا کر گھر کا سارا نظم ونسق اُس کے سپرد کر دیا...... اور اولاد کے بہترین اَتالیق کی حیثیت سے اُسے پیش کیا۔

اِسلام نے مرد و زن کے الگ الگ دائرہ ہائے کار کی حد بندی کی۔ دونوں کے لیے ایسے عادلانہ اَحکام وضع فرمائے کہ یہ رشتہ' نفسیاتی طور پر محبت وخلوص کا سرچشمہ بن جائے۔ گھر کے اِنتظامی معاملات عورت کے سپرد کر کے مرد کو گھر کی فکر سے یکسو کر دیا اور باہر کی تمام ضروریات کا بار مرد پر ڈال کر عورت کو فکرِ معاش سے آزاد کر دیا؛ تاکہ دونوں جانب سے اِحسان مندی اور قدر شناسی کے جذبات پروان چڑھیں۔

ڈاکٹر محمد اِقبال نے کیا خوب بات کہی ہے۔

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ — اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اس کی

مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن — اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں

یہ ایک بے غبار سچائی ہے کہ ہر عورت کا اَزل سے کوئی نہ کوئی رشتہ مرد کے ساتھ رہا

ہے۔ وہ ماں بنی تو بیٹے کے ساتھ...... بیوی بنی تو شوہر کے ساتھ...... بہن بنی تو بھائی کے ساتھ......اور بیٹی بنی تو باپ کے ساتھ۔

اگر باپ کی نگرانی میں ہے تو باپ اس کا محافظ اور کفالت کرنے والا ہے...... بھائی ہے تو وہ اس کی عزت وآبرو کا رکھوالا ہے......شوہر ہے تو بیوی کا محافظ، کفیل اور اس کے سر کا تاج ہے...... بیٹا ہو تو ماں کی خدمت کرنا اُس کا اوّلین فرض اور وہ ماں کے دل کا سکون قرار پائے۔

خواتینِ اسلام اور دخترانِ عزیز! آپ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو اپنے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ساتھی بناتا ہے۔ حضرت سارہ مصر سے ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو لاتی ہیں۔ پھر اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوتے ہیں، کعبہ بنتا ہے اور پھر اسی کعبے کو وہ شان حاصل ہوتی ہے جو دنیا میں کسی کو حاصل نہیں ہوئی، اور پھر کعبہ اِسلام کے ایک عظیم رکن، حج کی بنیاد بنتا ہے۔ اب اگر اللہ تعالیٰ حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہما کو اپنے نبی ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شریک حیات نہ بناتا تو دنیا والوں کو تحریکِ اسلامی کا مرکز ہرگز نہیں مل سکتا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات سے ایک اسرائیلی خاتون (مادرِ موسیٰ) ایک اسرائیل لڑکی (ہمشیرۂ موسیٰ) اور فرعون کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کو الگ کردیا جاتا تو تحریک اسلامی کی وہ تاریخ ہمیں کہاں سے ہاتھ آتی جو بڑی تفصیل کے ساتھ قرآن میں ملتی ہے۔

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم ☆ حکمتِ اُو لایزال است وقدیم

اسی طرح قرآن کریم کی سورۂ یوسف کا مطالعہ فرمائیے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ 'زلیخا' سے ٹکرانے کے لیے ایک نبی کو کوسوں دور سے مصر لایا گیا اور زلیخا کی شکست پر تحریک اسلامی کو نقطہ عروج ملا۔ زُلیخا کا کردار منفی ہی سہی، اگر یہی منفی کردار سورۂ یوسف کے واقعات میں نہ جوڑا جاتا تو یہ قصہ 'احسن القصص' ہرگز نہ بنتا۔ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے۔ ہر تخریب میں تعمیر کے پہلو کی بہترین مثال یہ واقعہ ہے۔

یوں ہی تاریخ اسلام میں بھی ایسی عورتیں گزریں کہ جن کے عادات واَطوار حد درجہ پاکیزہ اور جن کے اَخلاق وکردار نہایت بلند تھے، اور وہ اُمہات المومنین تھیں، جو حقیقت میں رہتی دنیا تک پیار کرنے اور نمونۂ عمل بنائے جانے کے قابل ہیں۔

وہ عورت ہی تھی کہ جس کی نسبت حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تھی......وہ عورت ہی تھی کہ جس کو سب سے پہلے وحی الٰہی سننے کا شرف حاصل ہوا......وہ عورت ہی تھی کہ جس کی نسبت سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ 'ذوالنورین' کہلائے......وہ عورت ہی تھی کہ جس کی اچھی تعلیم وتربیت پر جنت کا مژدہ سنایا گیا......وہ عورت ہی تھی کہ جس پر بہتان تراشی کی گئی تو اللہ رب العزت نے خود اپنے کلام میں اس کی صفائی پیش کی......وہ عورت ہی تھی کہ جسے آدم علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کی گھبراہٹ اور تنہائی دور کرنے کے لیے پیدا گیا......وہ عورت ہی تھی کہ جس کی خدمت کرنے کو پیارے آقا رحمت سراپا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاد سے افضل قرار دیا......اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ عورت ہی ہے کہ جس کے قدموں کے نیچے جنت رکھ دی گئی ہے۔

مشہور شاعر نور احمد نوؔر نے اس کا نقشہ خوب کھینچا ہے۔

تو فقط خاتونِ خانہ ہی نہیں طوفان ہے | تو حیا کا دیس ہے تو شرم کی پہچان ہے
تو بہک جائے تو کائنات کا درہم نظام | تو سدھر جائے تو روشن کیوں نہ ہو ملت کا نام
گاہ تو ہے آمنہ، حوا، کبھی ہے فاطمہ | تو کبھی ہے ہاجرہ، مریم، کبھی ہے آسیہ
آج پھر تیری ضرورت ہے خدا کے دین کو | داستانیں پھر تڑپتی ہیں نئی تدوین کو
عزم وہمت، جذبہ وایثار ہو زادِ سفر | عفت وعصمت تری پہچان ہو ہر گام پر
آج پھر اے نوؔر ہے اسلام پر نازک مقام | آؤ بن جائیں دل وجاں سے محمد کے غلام

حقوقِ نسواں، مسائل نسواں، تعلیم نسواں اور مقام وعظمت نسواں کے عنوانات سے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے؛ مگر اب بھی خواتین سے متعلق بہت سے ایسے گوشے ہیں جو ہم پر قرض ہیں۔ یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ بچوں کی سیرت وکردار کی تعمیر میں مردوں کے

مقابلے میں عورتوں کی ذمہ داریاں زیادہ اور بہت زیادہ ہیں۔اس سچائی کے باوجود گوشہ خواتین جس کس مپرسی کا شکار ہے اس سے کوئی نباضِ وقت انکار نہیں کرسکتا۔وقت کا جبری تقاضہ ہے کہ ہمارا قلم کاردستہ اس جانب بھی اپنی عنانِ توجہ مبذول فرمائے اور وقت کی ایک اہم ضرورت کی تکمیل کرکے جماعت کے کاندھے کا بوجھ ہلکا کرے۔آج ضرورت اس امر کی ہے کہ عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہم خواتین اسلام کو صالح اور تعمیری لٹریچر فراہم کریں تاکہ ایک پائیدار معاشرہ کی تشکیل میں وہ اُن سے مدد لے سکیں،اور اپنی اولاد کی اس نہج پر تربیت کرسکیں جس سے وہ قوم وملت کا گراں قدر سرمایہ بن سکیں۔

مدتوں سے میری دیرینہ خواہش تھی کہ دیگر مجموعہ ہائے خطبات کی مانند خواتین اِسلام کے لیے بھی بطورِ خاص وعظ وبیان کا کوئی مجموعہ ہونا چاہیے؛ کیوں کہ بنتِ حوا کا ذوق ومزاج نسبتاً لطیف اور جداگانہ واقع ہوا ہے؛ اس لیے اس کی نفسیات وضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے'خطباتِ نسواں' کی کمی بہرحال محسوس کی جارہی تھی؛مگر جب اس سلسلے میں کہیں سے کوئی آہٹ محسوس نہیں ہوئی تو اپنی ہزار کم علمی اور بے بضاعتی کے باوجود میں خود ہی اس ضرورت کی تکمیل میں جٹ گئی۔کام گرچہ قدرے مشکل تھا؛مگر اللہ تعالیٰ کی نوازشیں اور اس کا کرمِ خاص ہر موڑ پر دست گیری کرتا رہا،اس طرح میری موٹی گاڑھی محنت کے بعد یہ مجموعہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا—**فالحمد للہ علیٰ ذالک**— اب اس خلا کو پُر کرنے میں میں کس حد تک کامیاب ہوئی ہوں اس کا فیصلہ تو آپ خود کریں گی۔ہاں!اس سلسلہ میں ملنے والی ہر کامیابی محض میرے پروردگار کی عطاونوال ہے،جب کہ لغزشیں اور خامیاں میری اپنی علمی کم مائیگی کا شاخسانہ ہیں۔

اس بات کی بھرپور کوشش کی گئی ہے کہ مختلف عناوین کے تحت گوشہ ہائے نسواں اور ان کے بیشتر مسائل پر روشنی ڈالی جاسکے۔اور اُن کے اندر مزاجِ اسلامی،شعورِ تربیت،جذبہ قربانی اور دین کے نام پر مر مٹنے کا اِحساس پیدا کیا جاسکے؛ کیوں کہ جب تک خواتین اسلام

کے اندر یہ جذبہ واِحساس بیدار نہیں ہوگا، یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ ملت کی آنکھیں اِنقلابی بچوں اور عظیم سپوتوں کو دیکھنے کے لیے ہمیشہ ترستی رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ خوابِ غفلت سے بیدار فرما کر ہمیں اپنی ذمہ داریوں کے تئیں حساس بنا دے؛ تا کہ کل قیامت کے دن ہم نورِ چشم مصطفیٰ حضرت فاطمہ زہرا اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کو منہ دکھانے کے لائق ہوسکیں۔ آمین یارب العالمین۔

اس کتاب کی ترتیب وتبویب میں جن اَفراد کا علمی وفکری تعاون شامل ہے، میں صمیم قلب سے اُن کی مشکور ہوں اور ان کے لیے دعا گو بھی۔ اس موقعے پر اگر میں پیرطریقت حضرت علامہ محمد عبدالمبین نعمانی قادری -دامت برکاتہم القدسیہ- اور اپنے سرتاج اُبورفقہ مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی کا شکریہ اَدا نہ کروں تو یقیناً عظیم ناسپاسی کی مرتکب ٹھہروں گی؛ کیوں کہ انھیں کی پرخلوص دعاؤں، تحریک اور پیہم کاوشوں کے باعث یہ مجموعہ آپ کے ہاتھوں پہنچنے کے قابل ہوسکا ہے۔

ان تمام باتوں کے ساتھ اتنی ضخیم کتاب میں ممکن بلکہ اَغلب ہے کہ مجھ ہیچمداں سے تحریر وحوالہ میں فروگزاشتیں ہوگئی ہوں؛ تاہم مجھ جیسی بے بضاعت اور نا کارہ اس سے زیادہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ اس سلسلے میں ملنے والی کامیابیاں میرے مولا کا محض فضل وکرم ہیں۔ اور جہاں کہیں خامیاں ہوں گی وہ میرے اپنے نفس کی بدی کا نتیجہ ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ جل مجدہٗ اپنی اس اَدنیٰ سی کنیز کی اس حقیر سی خدمت کو شرفِ قبول بخشے، اسے میرے گناہوں کا کفارہ بنائے، خاتمہ بالخیر اور حسن مآل میرا نصیب کرے، اور دارین کی سعادتوں والے کام کرنے کی توفیق میرے رفیق حال کردے۔ آمین یارب العالمین۔

-اللہ بس باقی ہوس-

اُم رفقہ جویریہ قادری (چریاکوٹی) عفی عنہا	یکے از کنیزانِ فاطمہ وعائشہ رضی اللہ عنہما :
کاشانۂ قادری، چریاکوٹ، مئو، یوپی۔	۱۶؍رجب ۱۴۳۱ھ۔ یکم جولائی ۲۰۱۰ء

اَربابِ تقریر وخطابت سے دو باتیں

عمل کی سوکھتی رگ میں ذرا سا خون شامل کر
مرے ہمدم فقط باتیں بنا کر کچھ نہیں ملتا

تقریر وخطابت اور دعوت وتبلیغ کا طریقہ کار خواہ کتنا عمدہ اور دلکش ہو اُس وقت تک بے کار اور غیر مؤثر ہے جب تک اس کو مبلغ و داعی کی بلند کرداری، عالی ظرفی اور اخلاقی قوت کا تحفظ حاصل نہ ہو۔ انسانی فطرت ہے کہ مدعو پہلے داعی کا کردار اور اس کی شخصیت کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اگر داعی کی شخصیت غیر معتبر اور کردار داغ دار ہے تو دعوت وتبلیغ میں اَثر پیدا ہی نہیں ہوسکتا، اور اگر داعی کی شخصیت اَوصافِ حمیدہ کی حامل ہو اور کردار کی پاکیزگی کا پیکر ہو تو دعوت میں خود بخود تاثیر اور مقناطیسی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

مخاطَب کی تعمیرِ سیرت اور تشکیل ذات کے لیے سب سے اعلیٰ نمونہ خود مبلغ وخطیب کا ذاتی کردار اور اخلاق ہے کہ جس چیز کی وہ دعوت دے رہا ہے کیا وہ خود بھی اس پر عمل پیرا ہے؟ کہیں اس کے قول وفعل میں تضاد تو نہیں ہے؟ کیا وہ خود بھی اس دعوت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے؟۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کو مخاطب اور مدعو سب سے پہلے دیکھتا ہے؛ اس لیے ضروری ہے کہ داعی کی سیرت ایسی پاکیزہ اور جاذب نظر ہو کہ لوگ خود بخود اُس کی طرف کھنچے چلے آئیں۔

دراصل مقرر وخطیب اور داعی ومبلغ کا ذاتی کردار ہی مدعو کے ذہنی رویوں کو تبدیل کرنے میں اہم کردار اَدا کرتا ہے۔ صحابہ وصحابیات کی کامیاب دعوتی زندگی کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کی دعوتی کامیابیوں کے پیچھے ان کی عظیم شخصیات، بلند کردار، حکمت

بالغہ اور اخلاق کریمانہ کی مضبوط و مستحکم فصیل کھڑی تھی۔ ان کی زندگیاں سب لوگوں کے لیے کھلی کتاب کی طرح تھیں جس کا ہر ہر حرف پاکیزہ، روشن اور نمایاں تھا۔ ہر شخص صحابہ و صحابیات کے بے داغ اخلاق و کردار، امانت و دیانت اور عالی ظرفی کا معترف تھا؛ گویا صحابۂ کرام اور تابعین عظام انسانی کردار کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔ انھوں نے جس دعوت کی طرف لوگوں کو بلایا پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ایک بار حضرت صفوان بن اُمیہ رضی اللہ عنہ ایک بڑے برتن میں کھانا لائے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ دیا۔ انھوں نے فقیروں اور غلاموں کو بلایا اور سب کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے کے بعد فرمایا :

لحا اللّٰہ قوما یرغبون عن ارقائھم ان یاکلوا معھم .(۱)

یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے میں عار محسوس ہوتی ہے۔

ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کسی نے دو چادریں پیش کیں۔ انھوں نے ایک کا اِزار بنالیا اور دوسری اپنے غلام کو دے دی۔ گھر سے نکلے تو لوگوں نے کہا کہ اگر آپ دونوں چادریں خود استعمال کر لیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ فرمایا: سچ ہے؛ لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اَقدس سے سنا ہے :

أطعموھم مما تأکلون و ألبسوھم مما تلبسون . (۲)

یعنی جو تم خود کھاتے اور پہنتے ہو وہی اپنے غلاموں کو بھی کھلاؤ اور پہناؤ۔

ایک مرتبہ حضرت عبادہ بن ولید، حضرت ابوالیسر کعب بن عمرو سے حدیث سننے کے لیے آئے۔ دیکھا کہ خود ایک چادر اور معافری بنی ہوئی لنگی پہنے ہوئے ہیں اور غلام کا بھی یہی لباس ہے۔ عبادہ نے عرض کی: عم محترم! بہتر ہو کہ ایک جوڑا مکمل کر لیجیے۔ یا تو آپ ان کی معافری لے لیں اور اپنی چادر ان کو دے دیں یا اپنی معافری دے دیں اور ان سے

چادر لے لیں۔

حضرت ابوالیسر نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔ پھر فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے کہ جو تم پہنو، غلاموں کو پہناؤ اور جو تم کھاؤ، ان کو کھلاؤ۔(۳)

اندازہ فرمائیں کہ عرب معاشرے میں غلاموں کے بارے میں جو نفرت پائی جاتی تھی، صحابہ کرام نے اپنے عمل سے اس کی کتنی سختی سے بیخ کنی کی اور غلاموں کو معاشرے میں کیسا باعزت مقام دلوایا۔ صحابہ کرام اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ ان کا کردار دوسرے لوگوں کے لیے حجت اور دلیل ہے، اس لیے وہ غیر شرعی اُمور کے قریب بھی نہیں بھٹکتے تھے؛ بلکہ بعض صحابہ تو ان امور میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنا ضروری خیال کرتے تھے جن میں ان کو مکلّف نہیں بنایا گیا تھا۔

یہ دیکھیں حضرت عبد اللہ بن قیس بن مخرمہ ہیں، ایک دفعہ مسجد بنی عمرو بن عوف میں نوافل کی ادائیگی کے بعد اپنے خچر پر سوار ہو کر واپس لوٹ رہے تھے کہ راستے میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوگئی جو پیدل اسی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔

انھیں پیدل دیکھ کر وہ خچر سے نیچے اُتر آئے اور کہنے لگے: چچا جان! آپ سوار ہو جائیں۔ تو انھوں نے جواب دیا: اے بھتیجے! اگر مجھے سوار ہونا ہوتا تو میرے پاس بھی سواری موجود تھی؛ لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس مسجد کی طرف نماز کے لیے پیدل ہی جاتے دیکھا، تو مجھے اسی طرح پیدل جانا پسند ہے جیسا کہ میں نے آقا علیہ السلام کو پیدل جاتے دیکھا ہے؛ چنانچہ پھر وہ پیدل ہی مسجد کی سمت روانہ ہوگئے۔(۴)

صحابہ کرام کے اس جذبہ اطاعت ومحبت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شرعی اُمور میں ان کی فرماں برداری کا عالم کیا رہا ہوگا!۔ حضرت جثامہ بن مساحق کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قاصد بنا کر ہرقل کے دربار میں بھیجا۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں وہاں جا کر ایک چیز پر بیٹھ گیا۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میرے نیچے کیا چیز ہے؟ یکایک مجھے معلوم ہوا

کہ میرے نیچے سونے کی ایک کرسی ہے؛ چنانچہ جب میں نے اسے دیکھا تو میں فوراً اس سے اُتر پڑا۔

ہرقل مسکرایا اور اس نے کہا: تم اس کرسی سے کیوں اُتر پڑے؟ یہ تو محض تمہاری عظمت کے لیے بچھائی گئی تھی۔ میں نے کہا: آپ کی بات بجا؛ مگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ اس قسم کی چیز پر بیٹھنے سے منع فرماتے تھے۔(۵)

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوہر کے علاوہ دوسرے عزیزوں کی وفات پر سوگ کے لیے صرف تین دن مقرر فرمائے ہیں۔ صحابیات نے اس حکم رسول پر کس شدت سے عمل کیا اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بھائی کا انتقال ہوا تو چوتھے دن کچھ عورتیں ملنے آئیں۔ انھوں نے ان کے سامنے خوشبو لگائی اور فرمایا :

واللّٰہ ما لی بالطیب من حاجة غیر انی سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول: لا یحل لامرأة تومن باللّٰہ و الیوم الآخر ان تحد علی میت فوق ثلاث لیال الا علی زوج اربعة اشھر و عشرا. (٦)

یعنی مجھے خوشبو کی ضرورت نہ تھی لیکن میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی عورت کے لیے- جو اللہ اور روزِ قیامت پر یقین رکھتی ہے- جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ سوگ منائے، سوائے شوہر کے کہ اس پر چار ماہ اور دس دن کا سوگ ہے۔

بالکل اسی طرح کا ایک قول حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے بھی منقول ہے جو انھوں نے اپنے والد ابوسفیان کے انتقال پر ارشاد فرمایا تھا۔

ہر مقدمہ میں گواہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن صحابہ کرام کو ان کی دیانت داری اور راست گوئی نے اس مقام پر پہنچا دیا تھا کہ ایک مرتبہ کسی عورت نے حضرت سعید بن زید

رضی اللہ عنہ پر غصب کا دعویٰ کیا۔ انھوں نے کہا: میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ جو شخص بلا استحقاق کسی کی ایک بالشت بھر زمین لے گا اللہ زمین کے ساتوں طبق اس کے گلے کا طوق بنا دے گا۔ میں نے اس کی زمین کا کوئی حصہ نہیں لیا ہے۔ مقدمہ مروان کی عدالت میں تھا، اس نے کہا: آپ کا اتنا کہہ دینا کافی ہے اب میں آپ سے کوئی گواہ نہیں مانگتا!۔(۷)

یہ ایک جھلک اور شان تھی ان خطیبوں اور داعیانِ دین کی جن کی باتیں دل کے نہاں خانوں میں اس لیے اُتر جایا کرتی تھیں کہ وہ خود بھی اپنے کہے پر عمل پیرا رہا کرتے تھے۔ آج اگر مقررین وخطبا کی باتیں سن کر لوگوں کے دل نہیں پسیجتے، ان کے اندر عمل کا داعیہ پیدا نہیں ہوتا اور ان کی طبیعتیں انقلاب آشنا نہیں ہوتیں تو اس کی ایک وجہ قول وفعل کا تضاد بھی ہے کہ مقررین وہ باتیں کرتے ہیں جن پر خود عمل پیرا نہیں ہوتے؛ حالاں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات سختی سے ناپسند ہے؛ اس لیے مقررین وخطبا اور داعیانِ دین کو چاہیے کہ وہ بے غبار کردار کے حامل بنیں اور اپنے قول وفعل میں جوڑ پیدا کریں۔

وہ عالم وواعظ جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتا بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی چراغ جو خود تو جلتا رہتا ہے اور دوسرے اس کی روشنی سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ ابوالعتاہیہ کہتے ہیں :

وبخت غیرک بالعمی فأفدته　　بصرا و أنت محسن لعماک

وفتیلة المصباح تحرق نفسها　　و تضیئُ للأعشی وأنت کذاک

یعنی دوسرے کو اندھا دیکھ کر تو نے اس کی خبر لینی شروع کر دی اور اس کی مدد کے لیے دوڑ پڑے حالاں کہ خود تمہاری اپنی باطنی آنکھیں اندھی پڑی ہیں ان کی تمھیں کوئی فکر نہیں۔

چراغ کی پتی کو دیکھو کہ خود تو جلتی رہتی ہے۔ اور اندھیروں میں چلنے والوں کو روشنی بانٹتی رہتی ہے، تو تمہاری مثال اس سے کچھ الگ تو نہ ہوئی!۔

کسی صحیفہ آسمانی میں مذکور ہے کہ جب تم لوگوں کو وعظ ونصیحت کرنا چاہو تو اس سے پہلے اپنے آپ کو نصیحت کرو، اگر تمہارا نفس نصیحت قبول کرلے پھر تو دوسروں کو نصیحت کرو؛ ورنہ اللہ تعالیٰ سے حیا کی اوٹ میں آجاؤ۔

کسی شاعر نے کتنی پیاری اور دل لگتی بات کہی ہے۔

وغـير تقي يأمر الناس بالتـقي	طبيب يداوي الناس وهوسقيم
يـا أيهـا الـرجل المعلم غيره	هلا لنفسک کان ذا التعليم
فابدأ بنفسک فانهها عن غيها	فـإن انتهت عنه فأنت حکيم
فهناک يقبل ما تقول ويقتدى	بالقول منک و ينفع التعليم
لا تنـه عن خلـق و تأتي مثله	عار عليک إذا فعلت عظيم

یعنی حیرت کی بات ہے کہ جسے تقویٰ وطہارت کی خود ہوا نہیں لگی وہ دوسروں کو پرہیزگاری سکھا رہا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہوا جیسے کوئی بیمار ڈاکٹر لوگوں کا علاج کرے۔

اے وہ شخص! جو دوسروں کو پڑھانے میں مست ہے، کیا کبھی تو نے اپنے نفس کو بھی تعلیم وتربیت سے سنوارا، اور کیا تعلیم میں اس کا حصہ نہ تھا!۔

اصول تو یہ ہے کہ پہلے اپنے نفس سے اس کا آغاز کرو اور اس کی گمرہی وبے راہ روی پر قدغن لگاؤ۔ اگر تم اسے گمراہیوں سے روکنے میں کامیاب ہوگئے پھر تم صحیح معنوں میں صاحب حکمت وبصیرت ہو۔

جب اس اصول پر عمل پیرا ہوجاؤ گے تب جاکر تمہاری باتیں قبول ہوں گی اور ان پر عمل کیا جائے گا اور تمہاری تعلیم پھل لائے گی۔

یہ بات زیب نہیں دیتی کہ لوگوں کو اس چیز سے منع کرو جس سے تمہارا دامن خود آلودہ ہے، اگر تم نے ایسا کیا تو یقیناً یہ ایک عار کی بات ہوگی۔

حضرت یحییٰ بن معاذ اپنی مجلسوں میں یہ اشعار پڑھا کرتے :

مواعظ الواعظ لن تقبلا　　حتیٰ یعیها قلبه أولا

یاقوم من أظلم من واعظ　　قد خالف ما قاله في الملا

أظهر بین الناس إحسانه　　و بارز الرحمن لما خلا

یعنی واعظ وخطیب کی باتیں اس وقت تک قبولیت کے کانوں نہیں سنی جاتیں جب تک کہ اس کا دل پہلے خود ان پر عمل پیرا نہیں ہوتا۔

لوگو! وہ واعظ کتنا گیا گزرا ہے جو محفل میں کہتا تو کچھ ہے؛ لیکن خود کرتا کچھ اور ہے۔

جب لوگوں کے بیچ ہو تو احسان و مروّت کو فروغ دو اور جب خلوت میں ہو تو اللہ کا خوف دل میں جاگزیں رکھو۔

اہل تقویٰ جب اپنا محاسبہ کرتے ہیں تو وعظ و تذکیر کا اَنجام سوچ کر ڈر جاتے ہیں۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ میری خواہش ہے کہ میں لوگوں کو اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کروں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اگر تمہیں اس بات کا خوف نہ ہو کہ ذیل کی یہ تین آیتیں سرِمحشر تمہاری رسوائی کا باعث بن جائیں گی پھر جاؤ تبلیغ کرو؛ ورنہ پہلے خود کو نصیحت کرو۔ پھر یہ آیات پڑھیں :

أَ تَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ o (سورۂ بقرہ:۲/۴۴)

کیا تم دوسرے لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ o كَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لاَ تَفْعَلُونَ o (سورۂ صف:۶۱/۲ تا ۳)

تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے نزدیک بہت سخت

ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا :

وَ مَا أُرِيْدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلٰى مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ o (سورۂ ہود:۱۱/۸۸)

اور میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہارے پیچھے لگ کر (حق کے خلاف) خود وہی کچھ کرنے لگوں جس سے میں تمہیں منع کر رہا ہوں۔

حضرت مطرف سے پوچھا گیا کہ آپ لوگوں کو وعظ کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا: مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں لوگوں سے وہ بات کہوں جس پر میں خود کار بند نہیں۔

کسی تابعی کو نماز پڑھانے کے لیے آگے مصلّٰی پر بڑھایا گیا۔صفوں کی درستگی کا حکم دینے کے لیے جب انھوں نے مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: صفیں سیدھی کرلو۔ اتنا کہتے ہی وہ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔

جب بعد میں ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو کہنے لگے: جب میں نے ان سے کہا کہ صفیں سیدھی کر کے برابر کھڑے ہوجاؤ تو میں نے خود اپنے من کے اندر جھانک کر کہا کہ کیا کبھی تو ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ سیدھا ہوا ہے اور تم نے کبھی اس کے حکم کے ساتھ انصاف کیا ہے!۔

ما كل من وصف الـدوا يستعمله — ولا كل من وصف التقى ذو تقي

وصفت التقى حتى كأني ذو تقي — و ريح الخـطايا مـن ثيـابي تعـبق

یعنی یہ کوئی ضروری نہیں کہ جو دوا کی تعریف وتوصیف کرے وہ خود اسے زیرِ استعمال بھی رکھے۔یوں ہی یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ ہر تقوی وبزرگی کی بات کرنے والا خود بھی متقی وپرہیز گار ہو۔

میں نے تقویٰ وطہارت کے اوصاف وکمالات اتنی کثرت سے بیان کیے کہ

مجھے اپنے اوپر متقی ہونے کا گمان ہونے لگا؛ حالاں کہ گناہوں کی بد بو میرے
کپڑوں سے پھوٹ رہی ہے۔

کسی کا قول ہے کہ وعظ ونصیحت اس وقت تک اپنا اثر نہیں دکھاتی جب تک کہ تہِ دل سے نہ نکلے؛ کیوں کہ دل سے نکلی ہوئی بات ہی دوسرے دل میں اپنی جگہ بناتی ہے۔صرف زبان سے نکلا ہوا وعظ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیا جاتا ہے۔

حضرت مالک بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے توریت کے اندر لکھا دیکھا ہے کہ ایک عالم وخطیب جب خود اپنے علم پر عمل پیرا نہیں ہوتا تو اس کا وعظ و بیان لوگوں پر بالکل ہی بے اثر ہوتا ہے اور ان کے دلوں سے ایسے پھسل جاتا ہے جیسے بارش کے قطرے چکنی چٹان سے بلا تکلف ڈھلک آتے ہیں۔(۸)

لیکن اب اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ جو اپنی باتوں پر عمل پیرا نہیں وہ لوگوں کو وعظ و بیان کرنا ہی چھوڑ دے؛ کیوں کہ یہ بہر حال ایک عمل خیر اور پیغمبرانہ سعی ہے؛ لہٰذا ان سب کے باوجود ایک انسان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ وعظ و بیان سے کام لے اور لوگوں کو اچھائیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے۔ کیوں کہ اگر وعظ کہنے کا معیار یہ ہو کہ صرف گناہوں سے معصوم شخص ہی وعظ کہہ سکتا ہے پھر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ دنیا میں کسی کو وعظ کہنے کا حق نہیں پہنچتا؛ کیوں کہ آپ کے بعد بھری دنیا میں کوئی معصوم نہ رہا۔

لئن لم يعظ العاصين من هو مذنب

فـمن يعـظ العاصين بعـد محمد

یعنی اگر ایک گنہ گار شخص کو خطا کار وزیاں کار لوگوں کو وعظ وتبلیغ کہنے کا حق نہیں
پہنچتا پھر یہ بتائیں کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد گناہوں میں ڈوبے
ہوئے لوگوں کو وعظ ونصیحت کون کرے گا!۔

ابن ابی الدنیا نے ایک ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

مـروا بـالـمعروف و إن لم تعملوا به كله وانهوا عن المنكر و إن لم تتناهوا عنه كله .

یعنی لوگوں کو اچھائیوں کا حکم دیتے رہو گرچہ تم خود ان پر پورے طور پر عمل پیرا نہیں ہو۔ یوں ہی انھیں برائیوں سے روکو اگر چہ تم خود صحیح معنوں میں ان سے نہیں بچ پاتے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص وعظ نہیں کہتا اور عذر یہ کرتا ہے کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں کہوں کچھ، اور خود میرا عمل اس سے مختلف ہو۔ حضرت حسن نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ ہم میں کون ہے جو اپنے کہے پر خود پورا پورا عمل کرتا ہے۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ شیطان اس طریقے سے لوگوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، اور اس طرح ایک شخص جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا رہا اور برائیوں سے روکتا رہا، دامِ شیطان میں آکر اس کارِخیر سے رُک جاتا ہے۔

حضرت مالک، ربیعہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا: اگر ایک انسان صرف اس بنیاد پر خیر و بھلائی کا حکم نہ دے اور شر و بدی سے نہ روکے کہ میں خود اس میں گرفتار ہوں پھر تو اس نے کوئی نیک کام کیا ہی نہیں اور کسی برائی سے بچا ہی نہیں۔ حضرت مالک کہتے ہیں کہ انھوں نے بالکل سچی بات فرمائی ہے؛ اس لیے کہ ایسا کون ہے جس پر انگلی رکھنے کی گنجائش نہ ہو۔

من ذا الذي ما ساء قط ☆ و من له الحسنى فقط

یعنی ایسا کون ہے جس نے کبھی کوئی برا عمل کیا ہی نہیں اور جس کے دامن محض نیکیوں کے پھول سے بھرے ہوئے ہیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے ایک دن خطبہ کے دوران اپنے وعظ میں فرمایا:

لوگو! یہ باتیں میں آپ سے کہہ تو رہا ہوں؛ مگر میں نہیں سمجھتا کہ مجھ سے زیادہ گنہ گار بھی کوئی شخص ہے؛ لہٰذا میں اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع لاتا ہوں۔

یوں ہی آپ نے کسی شہر میں اپنے مقرر کردہ حاکم کو ایک خط لکھا جس میں اسے نصیحت کرتے ہوئے اخیر میں فرماتے ہیں: میں تمھیں یہ نصیحت کر تو رہا ہوں لیکن میں خود بڑا زیاں کار ہوں اور بہت سی باتوں پر کاربند نہیں ہوں؛ تاہم ایک شخص اگر اپنا خیال کر کے اپنے دوسرے بھائی کو نصیحت نہ کرے پھر تو خیر و صلاح کے دروازے بند ہو جائیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کاروبار بالکل ٹھنڈا پڑ جائے، حرام کو حلال ٹھہرا لیا جائے، واعظین وخطبا اور زمین کے چپے چپے پر پہنچ کر دین کا پیغام پہنچنے والوں کی تعداد گھٹ جائے۔ اور شیطان اور اس کے چیلوں کی تو ہمیشہ سے یہی خواہش رہی ہے کہ جس طرح بھی ہو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام معطل ہو جائے۔

کسی مشہور عالم دین کی ایک خصوصی مجلس ہوا کرتی تھی، ایک دن بیٹھ کر آپ وعظ کہہ رہے تھے، اپنے اردگرد کا جب جائزہ لیا تو لوگوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا مجمع تھا اور آپ کے وعظ سے متاثر ہو کر ہر کسی کا دل نرم پڑ گیا تھا اور آنکھوں سے اشکوں کی برسات ہو رہی تھی۔

یہ منظر دیکھ کر انھوں نے اپنے نفس سے کہا: ذرا سوچو اس وقت تمہارا کیا بنے گا اگر یہ لوگ بخشے گئے اور تم ہلاک ہو گئے۔ پھر جی ہی جی میں یہ دعا کی: اے اللہ! اگر تو نے کل میرے تعلق سے عذاب کا فیصلہ کر لیا ہے تو میرے گناہوں کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اپنے فضل وکرم سے ان لوگوں کو میرے عذاب پر باخبر نہ ہونے دینا ورنہ کہیں یہ نہ کہیں: جو دنیا میں خیر کی باتیں کرتا رہا وہ آخرت میں خود مارا گیا۔

مولا! تیرے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ ابن ابی منافق کو قتل کیوں نہیں کر دیتے تو آپ نے فرمایا: ڈر ہے کہ کہیں لوگ یہ نہ کہنا شروع کر دیں کہ

محمد اپنے دوستوں کو قتل کر دیتے ہیں؛ تو آپ اسے سزا دینے سے رک گئے؛ کیوں کہ بظاہر یک گونہ اس کا تعلق آقا علیہ السلام کے ساتھ تھا۔اور میں نے تو ہر حال میں تیرے ساتھ اپنا رابطہ و تعلق استوار رکھا ہے۔

ایک شخص کسی معاملے کا اِستغاثہ لے کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا، بادشاہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو اسے بلوایا اور اس کی حاجت معلوم کی،اس نے حالات بتائے اور آخر کار اسے اپنے معاملے میں کامیابی مل گئی۔اب اس شخص سے کہا گیا: جو ہم سے امیدیں لگا کر آئے ہم اسے نامراد نہیں لوٹاتے بلکہ اسے پورا پورا فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

پروردگار! تو تو کریموں کا کریم اور سب سے بڑا مہربان ہے لہٰذا جس نے تیرے ساتھ اپنی امیدوں کا رشتہ جوڑ رکھا ہے، تجھی سے خیر کا طلب گار ہے، خود کو تجھی سے منسوب کرتا ہے، اور تیرے بندوں کو پکڑ پکڑ کر تیری بارگاہ میں لاتا ہے اسے نامراد نہ فرمانا، اگر چہ وہ تیرے کرم واحسان کو نہیں سمجھ پاتا اور تیرے اور تیرے بندوں کے درمیان وکالت کرنے کا اہل نہیں لیکن تیری بے انتہا جود وعطا اور فضل وکرم کا وہ جویاں وخواہاں ہے،اصل سخی وکریم تو تو ہی ہے، اور کریموں کی یہ شان نہیں ہوتی کہ بچوں کی طرح رو رو کر مانگنے والوں کو اپنے درِجود سے ٹھکرا دیں۔

إن كنت لا أصلح للقرب ☆ فشأنكم صفح عن الذنب

یعنی اگر چہ میں اس لائق نہیں کہ تیرے قرب کی دولت پا سکوں تاہم گناہوں سے چشم پوشی کر لینا اور بندوں کو بخش دینا یہ تیرا شیوہ ہے۔

کسی بزرگ نے تمثیل دیتے ہوئے فرمایا کہ پند ونصیحت کی مثال کوڑے کی سی ہے کہ جس طرح کوڑے کی مار بدن پر اپنا اَثر دکھاتی ہے اسی طرح ذِکر کی مار بھی دل پر اپنا اثر چھوڑتی ہے۔اور پھر دل اس سے ایسے ہی متاثر ہوتا ہے جیسے کوڑے کی مار سے بدن متاثر

ہوتا ہے؛ لیکن جب مارنے کا سلسلہ موقوف ہوجائے تو پھر اس کا وہ اَثر جاتا رہتا ہے جو کہ مار لگاتے وقت تھا؛ ہاں تکلیف و اَذیت کا احساس اس کے برداشت کی کمی بیشی کے اعتبار سے ضرور باقی رہتا ہے۔ تو مار جیسی سخت ہوگی مدتِ تکلیف بھی اتنی ہی دیر پا ہوگی۔

کسی روز حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۷۷ھ) نے اپنے اہل مجلس کو وعظ کیا تو ایک شخص چیخ کر کہنے لگا: اے ابوعبیدہ! بس کریں کیوں کہ آپ کے اندازِ موعظت نے میرے دل کے بخیے اُدھیڑ دیے ہیں، حضرت عبدالواحد نے اس کی بات کی پروا کیے بغیر اپنا وعظ جاری رکھا، جب مجلس ختم ہوئی تو دیکھا گیا کہ وہ شخص مردہ پڑا ہوا ہے۔

قضى الله في القتلىٰ قصاص دمائهم

و لكن دماء العاشقين جبار

یعنی اللہ تعالیٰ مقتولوں کے خون کا قصاص لے گا؛ لیکن عاشقوں کے خون کا کوئی بدلہ نہیں لے گا۔

یوں ہی حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں وعظ کے دوران کسی شخص کی چیخ نکلی اور وہیں مر گیا۔ چنانچہ اس کے اہل خانہ نے خلیفہ وقت کے دربار میں شیخ شبلی کے خلاف مقدمہ کر دیا۔ شیخ شبلی نے فرمایا: وعظ سن کر اس کا دل پگھل گیا اور شوقِ ملاقات میں سسکیاں بھرنے لگا پھر جب غیب سے اسے بلایا گیا تو اس نے اس پکار پر لبیک کہہ دیا تو اب اس میں شبلی کا کیا قصور ہے؟۔

حضرت حسن بصری جب لوگوں کے اجتماع سے خطاب کر رہے ہوتے تو ایسا لگتا جیسے آپ اپنے سر کی آنکھوں سے مناظر آخرت کا مشاہدہ کر رہے ہیں، اور جب لوگ ان کی بارگاہ سے جاتے تو (آخرت کے نشے میں ایسے چور ہوجاتے کہ) پھر دنیا سے ان کا کوئی سروکار نہیں رہتا تھا۔

حضرت سفیان ثوری اپنے اہل مجلس کو دنیا کے جھمیلوں سے دور رہنے کی تاکید

فرمایا کرتے تھے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اپنی مجلس میں نہ خود دنیا کا ذکر چھیڑتے تھے اور نہ کسی کو ان کے سامنے اس کی اِجازت تھی۔

یہ شانیں تھیں اَرباب وعظ و بیان کی اور یہ اَسرار و رموز تھے تبلیغ و خطابت کے؛ لہٰذا ایک داعی و مبلغ اور مقرر و خطیب کو چاہیے کہ وہ اپنی دعوت و خطاب کے دوران ان مذکورہ باتوں کی رعایت کرے، حکمت سے کام لے اور موقع محل کی مناسبت سے اپنی دعوت و وعظ کو مؤثر بنائے۔ پوری کوشش کرے کہ قول و فعل کا تضاد ختم ہو جائے۔ اپنے اندر بلند اخلاقی، امانت و دیانت اور عالی ظرفی پیدا کرے۔ اپنی شخصیت کو اوصافِ حمیدہ اور کردار کی پاکیزگی کا حامل بنائے تاکہ اس کے وعظ و بیان میں خود بخود تاثیر اور مقناطیسی قوت پیدا ہو جائے۔ اور اس کی سیرت ایسی پاکیزہ اور جاذب نظر دکھائی دے کہ لوگ خود بخود اُس کی طرف کھنچے چلے آئیں۔

اللہ پاک کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح معنوں میں دین کا مبلغ و داعی بنائے اور دارین کی سعادتوں والے کام کرنے کی توفیق ہمارے رفیق حال کردے۔ آمین۔

---

(۱) الادب المفرد: ۱/۸۰ حدیث: ۲۰۱۔

(۲) صحیح مسلم: ۳/۱۲۸۲ حدیث: ۳۸...... مصنف عبد الرزاق: ۹/۴۴۸ حدیث: ۱۷۹۶۶...... مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۴/۲۷۵ حدیث: ۷۲۲۳...... معجم کبیر طبرانی: ۷/۳۳۵ حدیث: ۸۰۲۹...... طبقاتِ ابن سعد: تذکرہ ابوذر: ۴/۲۳۷۔

(۳) صحیح مسلم: ۴/۲۳۰۲ حدیث: ۳۰۰۷۔

(۴) مسند احمد بن حنبل: ۲/۲۶۸ حدیث: ۵۹۶۳۔

(۵) اسد الغابہ: تذکرہ جثامہ بن مساحق: ۱/۲۷۳۔

(۶) صحیح البخاری: ۳/۹۵ حدیث: ۵۳۳۵۔

(۷) صحیح مسلم: ۴/۷۰ حدیث: ۴۱۳۴۔

(۸) شعب الایمان بیہقی: ۴/۳۵۷ حدیث: ۱۷۹۲...... حلیۃ الاولیاء: ۳/۹۴۔

عورت

اِسلام کی نگاہ میں

الحَمدُ لِلّٰہِ الکَرِیمِ الوَھّابِ، الرَّحِیمِ التَّوَّابِ، غَافِرِ الذَّنبِ وَقَابِلِ التَّوبِ شَدِیدِ العِقَابِ، یُحِبُّ التَّوَّابِینَ وَ الْمُتَطَھِّرِینَ، وَ یَغفِرُ لِلمُنِیبِینَ وَالمُستَغفِرِینَ، وَیُقِیلُ عَثَرَاتِ الْعَاثِرِینَ، وَیَقْبَلُ اعْتِذَارَ الْمُعْتَذِرِینَ، وَ أشْھَدُ أن لَّا إلٰہَ إلَّا اللّٰہُ وَلِیُّ الصَّالِحِینَ، وَ أشْھَدُ أنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہُ وَ رَسُولُہُ، وَ صَفِیُّہُ مِنْ خَلْقِہٖ وَخَلِیْلُہُ، خَاتَمُ الأنْبِیَاءِ وَسَیِّدُ الأصْفِیَاءِ، وَ عَلیٰ آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ الأتْقِیَاءِ. أما بعد !

فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم ، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

یا أیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ o(سورۂ نساء:۱/۴)

محترم المقام خواتین اِسلام، میری پیاری اسلامی ماؤں اور بہنو! کچھ عرض ومعروض سے قبل آیئے ہم اور آپ مل کر حضور رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین ،راحتِ قلب و جاں، تاجدارِ دو جہاں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں ایک مرتبہ عقیدت ومحبت کے ساتھ درودوسلام کا نذرانہ باندازِ کنیزانہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرلیں :

صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الأمِّیِّ وَ آلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ

صَلوٰۃً وَّ سَلَاماً عَلَیْکَ یَا رَسُولَ اللّٰہ .

خواتین ملت اسلامیہ! اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین، ہمارا معبودِ حقیقی اور خالق و مالک ہے۔ یہ کائنات ارضی وسماوی اور جو کچھ اس میں ہے' اسی کا بنایا ہوا ہے۔ وہ رحمٰن ورحیم' اپنے بندوں کو کیسے کیسے نوازتا ہے اور اُن پر کس قدر مہربان ہے اس کا پورا بیان کسی سے کہاں ہوسکتا ہے!۔ اس کی کمالِ معرفت کسے نصیب!!۔ کتنے اچھے ہیں وہ جو اُس کی حمد کرتے رہتے ہیں اور اُس کی شکر گزاری میں لگے رہتے ہیں۔

اُس مالک ومولا کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے ایمان جیسی بیش بہا نعمت ہمیں اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ عطا کی۔ ہمیں رب العزت جل مجدہ کی پہچان بھی رسولِ گرامی وقار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے سب سے آخری اور سب سے پیارے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مقصودِ دوعالم اور وجہ تخلیقِ کائنات ہیں۔ وہ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ تمام نعمتیں ہمیں انہی کے طفیل ملی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا بے پایاں شکر واحسان ہے کہ اس نے اپنے سب سے افضل واعلیٰ اور خیر الخلائق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمیں امتی اور غلام بنایا، اسی نسبت کو ہم اپنا بہت بڑا اعزاز سمجھتے ہیں۔ دین ودنیا کی ہر بھلائی اور دنیوی واُخروی ہر کامیابی ہمارے لیے اسی نسبت کی پابندی اور پختگی میں ممکن ہے، اور اسی نسبت کی قدر میں ہماری نجات کی ضمانت ہے۔

نبی آخر الزماں، فخر کون ومکاں حضور شفیع عاصیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے مقدس ومطہر اہل بیت، معزز ومکرم اصحاب اور ان کی امت کے برگزیدہ اولیا وعلمائے حق کی محبت وعقیدت اور تعظیم وتکریم ہمارا اِیمانی اور روحانی سرمایہ ہے یہی وابستگیاں ہمیں صراطِ مستقیم پر گامزن رکھے ہوئے ہیں۔

خواتین ملت اسلامیہ! اللہ رب العزت کا شکر ہے جس کی توفیق سے آج ہم اس مجلس میں اکٹھا ہوئیں۔ میں چاہتی ہوں کہ آج کی اس نشست میں آپ کو اسلام نے عورتوں پر جو احسانات فرمائے ہیں اس کی ہلکی سی جھلک دکھاؤں تا کہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ اسلام کتنا اعلیٰ، مقدس اور فطری مذہب ہے۔ تو میں اپنی بات اس تمہید سے شروع کرتی

ہوں کہ مرد جب مردانیت میں اپنی حدود پھلانگتا چلا جائے اور عورت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اسے ظلم وتعدی کا شکار بنا دے، اسے اس کے حقوق سے محروم کرتے ہوئے اس کے ساتھ ناجائز رویہ روا رکھے، اس کے ساتھ وہ سلوک کرے کہ جس کی اِجازت اسے کسی نے نہ دی ہو۔ مذہب، معاشرت، قانون اور اخلاقیات سب کی دھجیاں بکھیر دی جائیں اور عورت کو اپنی دست درازیوں کا نشانہ بنایا جانے لگے، اور پھر کوئی اس مرد کا ہاتھ روکنے والا بھی نہ ہو اور نہ ہی کوئی چوکھٹ عورت کی آہ و بکا کی شنوائی کے لیے مہیا ہو تو ایسے میں عورت کی حیثیت اور جانور کی حیثیت میں بھلا کیا فرق رہ جائے گا؟۔

آپ غور فرمائیں کہ قدرت نے عورت و مرد دونوں کے درمیان کتنا خوبصورت توازن برقرار رکھا ہے۔ طاقت ایک کو دی ہے تو حسن وکشش دوسرے کو دے دی ہے...... ایک کی گود میں اولاد رکھی ہے تو دوسرے کے ہاتھ میں رزق کی باگ دوڑ تھما دی ہے...... ایک کو چاہنے کی خواہش دی ہے تو دوسرے کو چاہت کی مرکزیت عطا کر دی ہے اور دونوں کے درمیان ایسی کشش رکھی ہے کہ جدا ہوتے ہوئے بھی باہم ایک ہی ہوتے ہیں؛ اگرچہ ان کے درمیان کوسوں دور کے فاصلے ہی کیوں نہ حائل ہو جائیں۔ قدرت کا یہ عطا کردہ توازن جب تک معاشرے میں حقوق وفرائض کی ادائیگی کی صورت میں موجود رہتا ہے انسانی معاشرہ بگاڑ سے محفوظ رہتا ہے مگر جہاں اس توازن کو چھیڑ دیا جائے وہاں انسانی معاشرہ بھی عدم استحکام کا شکار ہو جاتا ہے۔

دنیا کے کتنے ہی معاشرے ایسے ہیں جہاں عورت کو اس کے اصل مقام سے ہی نہیں بلکہ اسے مقام انسانیت سے بھی نیچے گرا دیا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جانور کی زیادہ قدر کی جاتی ہے بلکہ بعض مذاہب میں تو جانوروں کی پوجا تک کی جاتی ہے جبکہ عورت کو جنس بازار سے بھی کم تر اہمیت دی جاتی ہے۔ ہندو معاشرہ اس کی سب سے بہترین مثال ہے جہاں عورت کو جہیز کے پیمانے میں تولا جاتا ہے۔

کتنے دکھ کی بات ہے کہ سیرت وصورت، عفت وعصمت، تعلیم وتربیت، سلیقہ و طریقہ اور اخلاق وکردار جونسوانیت کے تاریخی وحقیقی جوہر ہیں جن کا وزن عورت کی نسوانیت میں بڑھوتری کا باعث ہوتا ہے ان سب کی بجائے ہندومت میں عورت کو اس کے لائے ہوئے جہیز میں تولا جاتا ہے، اگر جہیز زیادہ ہو تو عورت قیمتی ہے بصورت دیگر عورت کی قبولیت کے اِمکانات کم سے کم تر ہیں۔

ہندوؤں کے ساتھ صدیوں سے رہتے رہتے مسلمانوں کے ہاں بھی ہندوؤں کے کچھ رسم ورواج جاری ہونے لگے؛ حالاں کہ دوقومی نظریہ اسی تاثر سے اِرتقاپذیر ہوا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ اقوام ہیں؛ لیکن اس کے باوجود بہت سی چیزیں مسلمانوں کے اندر در آئیں ان میں ایک جہیز بھی ہے؛ چنانچہ آج مسلمانوں کے ہاں بھی جہیز ضروری سمجھا جانے لگا اور شادی کی بے پناہ رسومات اور کثرت سے تحائف کے لین دین نے شادی کو جہاں مشکل تر بنا دیا وہاں لڑکیوں کو بھی ایک بوجھ سمجھا جانے لگا جو یقیناً ہندومت کے رسوم کا منطقی نتیجہ تھا۔

ان بے جا رسومات کے بہت برے اَثرات معاشرے پر پڑتے گئے اور بیٹی کو بوجھ سمجھنے والوں نے بیٹی کی پیدائش پر کھل کر ناپسندیدگی کا اِظہار شروع کیا اور آنے والے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے لڑکی کی چھوٹی سی عمر سے ہی اس کا جہیز بنانا شروع کر دیا تاکہ اسے عزت کے ساتھ رخصت کیا جا سکے؛ گویا پہلے دن سے ہی بیٹی والدین کے بجٹ پر ایک اِضافی ذمہ داری بن گئی۔اس ذمہ داری کو ناروا سمجھنے والے باپ اور بھائی کا رویہ بھی بیٹی اور بہن کے لیے ناقابل برداشت ہوتا گیا اور جیسے جیسے شادی کا وقت قریب آتا گیا ذمہ داران کے ذہنی تناؤ میں اضافہ ہوتا گیا اور ایسا رشتہ تلاش کیا جانے لگا جہاں کم سے کم جہیز دینا پڑے اور ظاہر ہے ان پڑھ، جاہل، معذور، رنڈوا، پسماندہ یا اسی قبیل کا ہی کوئی مرد کم جہیز پر راضی ہوسکتا ہے جس کے ساتھ عورت کو ساری عمر کے لیے باندھ کر اسے جیتے جی یوں دوزخ میں ڈال دیا کہ وہ ذہنی اور نفسیاتی طور پر بھی ہمیشہ غیر مطمئن رہے، اس

کے خواب چکنا چور ہو جائیں اور شوہر بھی ساری عمر اسے کم جہیز لانے کی پاداش میں جوتے کی نوک پر رکھے۔

بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ اس کی اُولاد جسے وہ اپنے سینے کے چشموں سے سیراب کرتی ہے، اس کی گیلی کی ہوئی جگہ پر خود سوتی ہے اور اپنے گرم بستر پر اسے سلاتی ہے، اس کی خاطر اپنی جوانی تج دیتی ہے۔ وہی اُولاد بڑی ہو کر اسے جوئے میں ہار جاتی ہے اور گھر بیٹھی ماں کسی دوسری کی ملک ہو جاتی ہے اور اگر ایسا نہ بھی ہو تو شادی کے بعد ساس بہو کے جھگڑوں میں کتنے فیصد نوجوان ماں کی ماتا کو اس کے حقیقی روپ میں دیکھتے ہیں اور کتنے ہی ہیں جو اپنی جورو کو لیے کسی نئے گھروندے میں حوا کی بیٹی پر ظلم وستم کی ایک نئی داستان رقم کرنے کے لیے چل نکلتے ہیں۔ شوہر فوت ہو جائے تو عورت کا حق زندگی ہی باقی نہیں رہتا اور ہندو مذہب کہتا ہے کہ اسے شوہر کی چتا کے ساتھ نذر آتش کر دو۔ باپ فوت ہو جائے یا بیٹا ہمیشہ کے لیے داغِ مفارقت دے جائے یا شوہر جیسا جیون ساتھی چل بسے عورت کو کسی کے ترکے میں سے کچھ نہیں ملنے والا، وہ ہمیشہ سے محروم رہی اور اب بھی محروم ہی رہے گی۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ نسوانیت کے بغیر اِنسانیت کی تکمیل ممکن ہی نہیں۔ انسان ایک عورت کے پیٹ میں ہی اپنے وجود کی اِبتدا کرتا ہے، اس کی گود میں پرورش پاتا ہے اس کے سینے سے سیراب ہوتا ہے اور اسی ماں کی لوریاں اس کی تعلیم کا پہلا سبق ہوتی ہیں، وہی اس کی پہلی استاد ہوتی ہے اور نہ جانے قدرت والے نے اور کتنے ہی کردار اس ماں کی ذات میں جمع کر رکھے ہیں۔

ذرا غور فرمائیں کہ نسوانیت سے مستعار ماں کا یہ مقام اتنا بڑا منصب ہے کہ جنت جیسی جگہ بھی اس کے قدموں تلے آن ٹھہرتی ہے۔ اللہ تعالی نے اپنے اقتدار کے لیے، اپنے خزانوں کے لیے، اپنی طاقت کے لیے یا اپنے غضب کے لیے کوئی مثال پیش نہیں کی ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالی نے اپنی رحمت کے لیے ماں کی محبت کو مستعار لیا کہ وہ ماں

سے ستر گنا زیادہ محبت کرنے والا ہے۔

جنت سے بڑھ کر کوئی خوبصورت اور دلنشین مقام نہیں ہے، اللہ تعالی نے جب حضرت بابا آدم علیہ السلام کواُس مقام پر پیدا کیا تو انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں تنہائی کی شکایت کی جس کے بعد انہیں ایک خاتون، اماں حوا کی معیت عطا کی گئی۔ گویا جنت جیسی جگہ پر بھی بغیر عورت کے اِنسان کا دل نہ لگا۔ یہ نظام قدرت ہے کہ مرد عورت کے بغیر اور عورت مرد کے بغیر نامکمل ہے۔ دونوں کے اختلاط سے ہی جہاں نسل انسانی کی بقا ممکن ہے وہاں تہذیب و تمدن کے اِرتقا کے لیے بھی دونوں کا اِشتراکِ کار بے حد ضروری ہے جس کی ایک خوبصورت تعبیر یوں بھی کی گئی ہے کہ مرد اور عورت ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں۔

عورت کی محرومیاں ہمیشہ سے سنجیدہ انسانوں کا موضوع رہی ہیں اور ہر مفکر و فلسفی اور موسس اخلاق نے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ قدیم یونان میں صدیوں یہ بحث چلتی رہی کہ عورت انسان بھی ہے کہ نہیں اور اس دور کی کتنی ہی کتب آج بھی اس بحث کو پیش کرتی ہیں۔ قدیم عرب معاشرے میں عورت کی حیثیت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے اور ماضی قریب تک میں عورت کے دو ہی روپ سامنے آتے ہیں یا تو وہ ظلم کی چکی میں پستا ہوا ایک بے حقیقت دانہ ہے یا پھر اس بازار کی زینت ہے جہاں صبح و شام گاہگ اس کی طلب میں ہوسِ نفس کی آسودگی کے لیے آتے ہیں اور وہ انہیں ناچ کر دکھاتی ہے اور گا کر سناتی ہے یا پھر راتوں کو روزانہ ایک نئے مرد کا بستر گرم کر کے اپنے پیٹ کے لیے دو وقت کے ایندھن کا اِنتظام کرتی ہے۔ لکھنو کے نواب ہوں یا دہلی کا دربار، کلیسا و دیر ہوں یا اسمبلی و پارلیمنٹ یا دنیا بھر کے مشرق و مغرب کے مہذب و غیر مہذب معاشرے ہوں عورت کی کہانی ہر جگہ یکساں ہی رہی ہے۔

ہمیشہ کی طرح آج کی یورپی تہذیب کے انسانی عالی دماغوں نے بھی عورت کے مسائل کا حل تلاش کیا اور پیش بھی کیا۔ کم و بیش تین سو سالوں سے یورپی تہذیب نے عورت کو حقوق نسواں کے نام سے ایک آزادی دے رکھی ہے تاکہ اس کے مسائل حل ہو

جائیں؛ لیکن یہ آزادی بھی چونکہ مردوں نے ہی دی ہے اس لیے اس کی حقیقت بھی اس سے زیادہ نہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو ایک بار پھر دہرا رہی ہے۔ عورت کو سرمیدان لا کر اس کی ذمہ داریوں میں کمی تو نہیں کی گئی لیکن معاشرے کا ایک اور بوجھ بھی اس کے کندھے پر ضرور ڈال دیا گیا ہے۔

پہلے وہ صرف شوہر کی دست نگر تھی تو اب اسے شوہر کے ساتھ ساتھ اپنے Boss اور اپنے رفقائے کار کا دل بھی لبھانا پڑتا ہے۔ اس نام نہاد جدید لیکن غیر فطری تہذیب نے عورت کی فطری ذمہ داریاں جو اس کی گود، اس کی اولاد، اس کا خاندان اور اس کے گھر سے عبارت تھیں ان کی بجائے عورت کو سیاست، دفاع، معاش اور انتظامی اُمور کی طرف ڈھکیلنے کی بھونڈی کوشش کی ہے، جس کے نتیجے میں خاندانی نظام اور اخلاقی معیارات اپنے تنزل کی انتہا کو چھو رہے ہیں۔

اس غیر فطری سلوک کا نتیجہ ہے کہ عورت سے اس کا نسوانی حسن چھن گیا ہے، لفظ عورت جس کا مطلب ہی چھپی ہوئی چیز ہے اس کو عریاں سے عریاں تر کیا جا رہا ہے۔ عورت کی اس غیر فطری آزادی سے نسلیں مشکوک ہوتی چلی جا رہی ہیں اور یورپ کے مفکرین اس بات پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کے معاشرے سے آہستہ آہستہ باپ آشنا بچے اور باپ نا آشنا بچوں کا فرق مٹتا چلا جا رہا ہے۔

عورت کی آزادی کا منطقی نتیجہ معاشرے کی وہ آشنائیاں ہیں جو صدیوں کے قائم کیے ہوئے تاریخی انسانی اخلاقی اقدار کو داغدار کرتی چلی جا رہی ہیں اور پھر کیا یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی ہے کہ اس غیر فطری آزادی نے - جو یورپ نے عورت کو تھوک (Bulk) کے حساب سے فراہم کر دی ہے - تقدیس کا دامن بھی کس طرح تار تار کر دیا ہے؟ مقدس رشتوں کے درمیان بھی ہوسِ نفس کس طرح در آئی ہے۔ کیا اس طرح اس معاشرے کو آسودگی حاصل ہوگئی ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم جنسیت اور جانوروں تک سے تعلقات استوار کرنے والے اب اس دلدل میں اندر سے اندر دھنستے چلے جا رہے ہیں۔

عورت کی اس آزادی کے خلاف اگرچہ ہمیشہ سے ایک دبی دبی آواز اُٹھتی رہی ہے لیکن اب تو عورتوں ہی کی کتنی نجی تنظیمیں دنیا کے بہت سے خطوں میں خصوصاً یورپ کے اندر قائم ہوچکیں ہیں جن کے مطالبات میں سے سرفہرست یہی ہے کہ انہیں ان کی فطری ذمہ داریاں لوٹا دی جائیں اور دنیا کے کاروبار معیشت وسیاست وغیرہ سے انہیں سبکدوش کردیا جائے۔

اللہ تعالی خالق نسوانیت ہے اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محسن نسوانیت ہیں اور اللہ تعالی کے بھیجے ہوئے دین سے بڑھ کر کوئی نظام انسانوں کا خیر خواہ نہیں ہوسکتا۔ اسلام نے فرائض کے مقام پر معاشرے کے سب طبقوں کو جمع کیا۔ یورپی تہذیب نے حقوق کے نام پر سب طبقوں کو باہم لڑادیا ہے۔ ایشیا کے پرامن مشرقی روایات کے حامل معاشرے میں عورتوں کے حقوق کے نام پر جنس متضاد کے درمیان ایک غیر اعلانیہ جنگ اس معاشرے کو تباہ کرنے کی ایک دانستہ کوشش ہے۔

عورتوں کے مسائل سمیت کل انسانوں کے کل مسائل کا حل صرف دین اخروی کے اندر ہی پنہاں ہے اور خطبہ حج الوداع سے بڑھ کر اور کوئی دستاویز انسانوں کے حقوق کا علمبردار نہیں ہوسکتا۔ عالم انسانیت کو آسودگی، راحت، امن وآشتی، پیار ومحبت اور حقوق و فرائض کے درمیان توازن کے لیے بالآخر اسی چشمہ فیض کی طرف پلٹنا ہوگا جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کا خلاصہ اور اللہ تعالی کا اس دنیا میں آخری پیغام ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اپنی قدر جاننے، اپنی ذمہ داریوں سے آبرومندانہ طریقے پر عہدہ برآ ہونے اور آئندہ نسلوں کو اسلام کی صحیح تعلیمات وہدایات سے آراستہ و پیراستہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

o و ما علینا الا البلاغُ المبین o

بنتِ حوا، تقدیرِ ملت

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علیک یا رحمۃ للعالمین، وعلیٰ آلک وأصحابک المخلصین المنتجبین وعلینا معھم یا أرحم الراحمین. أما بعد !

خواتین ملت اسلامیہ! جس طرح کا جمود آج ہمارے معاشرے میں چھایا ہوا ہے اسے توڑنے کے لیے ہمیں کتنی کوشش کرنی چاہیے، یہ آپ کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب تک ہم اِنقلابی انداز میں کام کرنے کا آغاز نہیں کریں گی، اس وقت تک شاید بیداریِ ملت کی ہر مہم ہمارے لیے محض خواب وسراب ثابت ہوگی۔

آپ ذرا غور فرمائیں کہ اعلیٰ اِنسانی اَقدار کو بحال کرنے والی وہ کامیاب اور فیض بخش تحریک جس کا آغاز محسن انسانیت تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوتِ نور رساں سے کیا مرد اور عورت ہر دو کی مخلصانہ کوششوں سے مزین دکھائی دیتی ہے۔ تحریک حق کو پہلے مرحلے پر ہی شدائد وکرائب کی آندھیوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے جس طرح مالی اور جانی مدد فراہم کی وہ تاریخ کی طالبہ سے پوشیدہ نہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ اسلامی تحریک کا وہ پہلا 'قوام' جو خوش حال مستقبل کی مضبوط اَساس ثابت ہوا، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاکیزہ شباب، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متین تجربات، علیٰ مرتضیٰ کا معصوم بچپن، اور حضرت خدیجہ کی عفت آرا نسوانیت بہترین عنصر ہے۔

اس وقت ایک بار پھر انسانوں کو یہ بنیادی ضرورت محسوس ہونے لگی ہے کہ عورت ام المومنین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان اصولوں اور تعلیمات کی شمع خود روشن کرے، جس کی

تابانی میں اسلام اپنے بھرپور اور جامع نظام سے انسانیت کی تقدیر بدلنے میں کامیاب ثابت ہو سکے۔ یہ بات بغیر کسی تردد کے کہی جاسکتی ہے کہ عورت جب تک غلبہ اسلام کے لیے اپنی ذمہ داریوں کا اِحساس نہیں کرے گی انقلابِ حق کے راستے ہموار نہیں ہو سکیں گے۔

موجودہ حالات میں فکری اور عملی نقطہ نظر سے مسلمان جس بے حسی، جمود اور نظریاتی بے راہ روی کا شکار ہیں شاید مسلمانوں کی تاریخ میں ایسا موقع کبھی نہیں آیا تھا۔ مغرب زدہ کلمہ گو اور مادہ پرست مفکرین کی ہمیشہ سے یہی کوشش رہی ہے کہ اسلام پر دل و جان سے فدا ہونے والے سادہ دل مسلمانوں کے افکار و عقائد کو برباد کیا جائے۔

اس ضمن میں سب سے زیادہ غلیظ پروپیگنڈہ عورتوں میں کیا جارہا ہے کہ اسلام نے وراثت میں عورت کا حصہ مرد کی نسبت کم رکھا ہے، کبھی یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ شریعت میں عورت اور مرد کی گواہی برابر قرار نہیں دی گئی، اور کبھی یہ کہ عورت اور مرد کی دیت میں فرق کیوں ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اِن حالات میں اپنی گرتی ہوئی اور دم توڑتی ہوئی قوم کا آخری سہارا نئی نسل کے نوجوان اور خواتین ہیں اور اگر ہم غلطی نہیں کھاتے تو اسلامی تحریک کا ثمر بار انقلاب بھی دو رخ رکھتا ہے، ایک گھر کے اندر جہاں انقلاب کی ضمانت عورت دے سکتی ہے اور دوسرا گھر سے باہر جہاں انقلاب کی گھنٹی نوجوان بجا سکتا ہے۔

اِسلام نے 'انقلاب' کے لیے عورت کو جتنی اہمیت دی اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والوں کو اُمت سے تعبیر کیا اور اُمت 'اُم' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ماں ہوتا ہے۔ کیا اس کا صاف یہ معنی نہیں کہ حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام اس وقت تک انقلابی سطح پر موثر نہیں بنایا جاسکتا، جب تک کہ قوم کی عورتوں کو پاکیزہ، تقدیر بدل اور ملی سوچ کا حامل نہیں بنا دیتے۔ یہاں پہنچ کر مسلم خواتین کو بھی سوچنا ہوگا کہ انھیں کتنے بڑے اِعزاز سے نوازا گیا ہے۔ جتنی بڑی نعمت کسی کو ملے اتنا ہی اس پر شکر واجب ہوتا ہے۔ لیکن افسوس کے

ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اس وقت مسلم خاتون بھی مردوں کی طرح عجیب سی صورتحال کا شکار ہے۔ دراصل غیر مسلم مفکرین نے عورت کو بنیادی ذمہ داریوں سے بے گانہ بنا دیا ہے۔ عریانیت، فحاشی، آزادخیالی اور بےفکری ایک عذاب بن کر خواتین کو چمٹ گئی ہے۔

کسی نے بڑی پیاری بات کہی ہے کہ ماں جتنی بڑی ہوتی ہے بیٹا بھی اتنا عظیم پیدا ہوتا ہے۔فاطمہ رضی اللہ عنہا نہ ہوں تو شبیر کیسے پیدا ہوں۔ ماں عظیم نہ ہوتی تو محمد بن قاسم کیسے بنتے۔ طارق بن زیاد تاریخ کیسے رقم کرتے۔ انقلاب کی خشتِ اول گھر ہوتا ہے، اور گھر کی تقدیر عورت کے ہاتھ میں ہوتی ہے، چاہے تو وہ ماحول کو پیرس کی گلی بنادے اور چاہے تو مدینہ کا ماحول گھر کھینچ لائے۔

قوم کی بیٹیوں اور ملت کی ماؤں سے ہمارا سوال ہے، ہماری التجا ہے، درخواست ہے اور دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ سوچیں اور خوب سوچیں کیا انھیں اللہ تعالیٰ نے بے مقصد پیدا کیا ہے یا ان کی تخلیق کا بھی کوئی مقصود ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ قیام دین کے لیے منزل محبت کی طرف رواں دواں کارواں 'خواتین' کی سنجیدہ اور متین جدوجہد کے بغیر عافیت کے ساتھ گوہرِ مقصود حاصل نہیں کرسکتا۔

قوم کی بیٹیو! تم سے ملت کا مستقبل وابستہ ہے......تمہاری آغوش سے فلاحِ اُمت کی صبحیں پھوٹ سکتی ہیں......تمہاری غیرت' ارتقا و بقا کی تاریخ رقم کرسکتی ہے......تمہاری شرافت وحیا زندگی کے سمندر میں پاکیزگی کا تلاطم پیدا کرسکتی ہے......تمہاری شبوں کے رت جگے قوم کا مقدر جگا سکتے ہیں......تمہاری مصیبتیں، تمہاری تکلیفیں رنگ لاسکتی ہیں...... تم سمٹ جاؤ تو قوم پھیل سکتی ہے......تم گھر میں ذمہ داری سنبھالو تو قوم اَرض وسما پر غلبہ پاسکتی ہے۔

اے میری بہن! تو مغرب کی بیٹی نہیں، مشرق کی عزت ہے...... تیرے سر پر فرنگ کا سایہ نہیں، گنبدِ خضرا کی چھاؤں ہے...... تیرے دماغ کے فطری خطوط سے دنیا پرستی نہیں خدا پرستی کی جھلک سامنے آنی چاہیے۔الغرض! قوم کے حسین خوابوں کی تعبیر تو ہے......

تیرے پاس کیا نہیں، اے بنت حوا! کیا یہ کافی نہیں کہ تیرے شجرۂ تربیت میں خدیجۃ الکبریٰ کا نام آتا ہے...... عائشہ صدیقہ کی تاریخ آتی ہے...... فاطمہ زہرا کا حوالہ ملتا ہے...... زینب کی شجاعت اُبھرتی ہے۔

ذرا سوچ تو سہی! حوا تو ہے...... مریم تیرا نام ہے...... تقدیس تو تھی اور تربیت تیرے دم سے تھی۔ لیکن ہائے! کہاں گئی وہ عفت، کہاں گئی وہ عصمت، کہاں گیا وہ ولولہ تعمیر اور کہاں چھوڑا احسن حیا!!! معذرت صد معذرت، مجھے تلاش ہے اپنی تاریخ کی اور میری تاریخ تیرے ہاتھ میں ہے۔

اے میری بہن! گھروں کی اونچی اونچی دیواریں تیری قید کی علامت نہیں، تیری عظمت کی دلیل ہیں...... حیا کی چادر قدامت نہیں، پاکیزگی کی برہان ہے...... تیری دبی دبی آواز بزدلی نہیں، عصمتوں کا وقار ہے...... تیری جھکی جھکی پاک نگاہی تہذیبی سرقہ نہیں، تمدن کی اصلاح ہے...... بچوں میں رہنا تیرا بچپنا نہیں، ملت کی رگِ تقدیر میں خونِ حیات ہے۔

اے فاطمہ کی بیٹی اور عائشہ کی لختِ جگر! جب تک سورج نہ ہو دن نہیں چڑھتا، یوں ہی جب تک عورت نہ سلجھے رونق ہستی ماند رہتی ہے۔ تو سلجھے تو دنیا جنت بداماں، اور تو الجھے تو عقبیٰ نار بداماں۔

اسلام کی تاریخ میں بلاشبہہ عورتوں کے نیک جذبوں، پاکیزہ امنگوں، ستھری سیرتوں اور عفت مآب کرداروں نے انقلاب بپا کیا ہے۔ وہ بھی عورت تھی جس نے فرعون کے گھر صداقت وحریت کا نعرۂ آتشیں لگایا اور قرآن حکیم نے قابل رشک انداز میں اس کا ذکر کیا :

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ....

وہ بھی عورت تھی جس نے اپنے سوزِ قراءتِ قرآن سے عمر فاروق کی تقدیر کو دگرگوں کر دیا تھا۔ کربلا کی تاریخِ جور وستم میں حوصلوں کے جو چراغ بی بی زینب نے روشن کیے ان کا نور وسرور الفاظ میں بیان کر بہت مشکل ہے۔

میری بہنو! آپ میں سے بہت سی خوش بخت خواتین ایسی ہیں جن کے نام ان کے

والدین نے بڑی عقیدتوں سے عائشہ وفاطمہ رکھے ہیں؛ مگر ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم ان مقدس ناموں کا کیا حق اُدا کر رہی ہیں۔

ہمیں تلاش ہے ان ماؤں کی جن کے لہجوں میں قرآن کا غنا ہو...... جن کے ماتھوں میں سجدے تڑپ رہے ہوں...... جن کی آوازوں میں حق وحقیقت کی بجلیاں ہوں...... جن کے ہاتھوں پر ملت سازی کے لیے دعاؤں کا تحفہ ہو...... جن کی راتیں سوزِ عبادت میں گزرتی ہوں...... اور جن کے دن گھر کو تشکیل ملت کا گہوارہ بنانے میں بسر ہوتے ہوں۔

اے میرے پروردگار! اُس ماں پر نسل فدا ہوجائے جو ہمیں پھر سے ایک صلاح الدین ایوب دے...... طارق بن زیاد دے...... محمد بن قاسم دے...... ہاں! اور پھر ہمیں ہماری تاریخ دوبارہ مل جائے...... ہماری عزت بحال ہوجائے...... ملت اسلامیہ کا بول بالا ہوجائے اور کفر کا منہ کالا ہوجائے۔

اے میری ماؤں اور بہنو! آج ہمیں اپنی شناخت اور پہچان چاہیے۔ یہ سڑک پر کون جارہاہے...... حیا کی چادر پھاڑ کر...... غیرت کا جنازہ نکال کر...... نازِ عفت کا آبگینہ توڑ کر...... شرم کا جامہ اُتار کر...... خاوند سے بگڑ کر...... بھائی سے الجھ کر...... باپ سے ٹھن کر...... ماں کو سادگی کا طعنہ دے کر...... خالق کو بھول کر...... سیرتِ مصطفیٰ کو چھوڑ کر!!!۔

میرے اللہ! آگ لگ جائے ایسے قانون کو جس نے مؤنث کو مذکر بنادیا اور مذکر کو مؤنث بنادیا، دانش کدے بدتمیزی کے طوفان اُٹھانے لگے...... خیر' شر بن گیا اور شر کا نام خیر پڑ گیا...... عورت اور مرد مخلوط ہوئے تو زبانِ شیطان نے کلچرڈ ہونے کا لقب گھڑا۔

اے میری ماؤں اور بہنو! پرانی ہوجاؤ، اور اتنی پرانی کہ دورِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پھر لوٹ آئے۔ تمہاری بچیاں، بیٹیاں اور بہوئیں اور بہنیں باحیا ہوجائیں اور باخدا! میں کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اللہ کریم نے اپنے محبوب کو 'ایہا المزمل' اے چادر اوڑھنے والے نبی کہہ کر اس لیے پکارا ہو کہ کسی کی بیٹی کہیں اِتباع کی آڑ میں چادر نہ اُتار

پھینکے۔ اگر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن بھی 'مزمل' میں پنہاں ہے تو یاد رکھیں خواتین ملت کا حسن بھی چادر، چہار دیواری، اور پردہ وحجاب ہی میں مضمر ہے۔

آج عورتوں کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ وہ متاعِ خام نہیں، انبیا ومرسلین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں...... ملت پرور ہیں، اور قوم ساز بھی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ عورت حکمران نہیں ہوتی، ملی اَقدار کی پاسبان ہوتی ہے......عورت دہلیز نہیں ہوتی، چرخِ ملت کا رخشندہ ستارہ ہوتی ہے......عورت جیبی گھڑی نہیں ہوتی، ملی ترقی وعروج کا معیار ہوتی ہے......عورت دستی چھڑی نہیں ہوتی، بدی کو ختم کرنے کا زبردست اسلحہ ہوتی ہے......عورت روزن سے نکلنے والی روشنی نہیں ہوتی، آفتاب وماہتاب کو لوری دینے والا آسمان ہوتی ہے......عورت ملت سوز بھی ہوسکتی ہے اور ملت ساز بھی......عورت نور آفریں بھی ہوسکتی ہے اور نار آگیں بھی......عورت رحمت پرور بھی ہوسکتی ہے اور زحمت بداماں بھی......عورت لطافتِ گل بھی بن سکتی ہے اور خلش خار بھی۔

بناتِ ملت! آؤ آج ہم سب مل کر عہد کریں کہ ہماری زندگی میں حب مصطفیٰ کی شمع فروزاں رہے گی......راہِ حق میں ہماری آرزومندیوں کے نغمے بے سُر نہیں ہوں گے...... تب وتابِ جاودانی ہماری حیاتِ مستعار کا منشور رہے گا......ہم اپنے سچے جذبوں سے عفت وعصمت کے آبگینے ٹوٹنے نہیں دیں گی......طہارت اور پاکیزگی ہماری میراث ہے، اسے ہم ہر صورت میں قائم رکھیں گی...... ہماری منزل ہمارا رب العالمین ہوگا، اور ہمارے رہبر رحمۃ للعالمین ہوں گے...... ہماری سانسیں......ہمارے دلوں کی دھڑکنیں ...... ہمارا سوز وسازِ آرزومندی...... ہمارا جینا، ہمارا مرنا...... ہماری محنت، اور ہماری کوشش بس اسی لیے ہوگی کہ دین صرف اللہ ہی کے لیے ہوجائے۔ اللہ ہر حال میں ہمارا حامی وناصر ہو۔ **و ما علینا إلا البلاغ المبین .**

آغازِ اسلام میں خواتین کا کردار

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَانَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَو لاَ أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدُ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِداً وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اَلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ وَ نَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ وَ سَلَّمَ وَ بَارَكَ عَلَيْهِ وَ عَلىٰ كُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوبٌ وَّمَرْضِيٌّ لَدِيْهِ صَلوٰةً تَبْقىٰ وَ تَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِكِ الْحَيِّ الْقَيُّومِ . أَمَّا بعدُ فأعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم ، بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم .

وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثىٰ وَ هُوَ مُؤمِنٌ
فَأولٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَ لاَ يُظْلَمُونَ نَقِيْراً ٥ (سورۂ نساء:۴/۱۲۴)

خواتین اسلام، معزز ماؤں، بچیو اور دختران عزیز!۔آج کی اس مجلس کے لیے میں نے اپنا موضوع یہ منتخب کیا ہے کہ آغازِ اسلام میں خواتین کا کردار کیا تھا؟۔تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں پر پوشیدہ نہ ہوگا کہ اسلام کی آمد سے پہلے ایک عورت کی کیا حیثیت تھی،اور اسے معاشرے میں کس نگاہ سے دیکھا جاتا تھا؟۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے پہلے یہ پوری روے زمین وحشت و بربریت،ظلم وستم اور فتنہ وسفاد کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔

انسانیت تڑپ رہی تھی، بشریت خون رو رہی تھی، آدمیت کا جنازہ نکل چکا تھا، ہرسو، ہر سمت حیوانیت اور شیطانیت کا ننگا ناچ ناچا جا رہا تھا۔ دنیا میں خصوصاً ملک عرب میں امن و چین، اطمینان وسکون اور راحت وسرور سے لوگ محروم ہو چکے تھے، اور اس کے لئے ترس رہے تھے بلک رہے تھے اور پھر انسانوں میں عورت! اس کی ذلت ورسوائی اور مظلومیت کی داستان الم آج بھی پتھر دل انسانوں کو موم کر دیتی ہے۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا ظلم تھا جس کے پہاڑ اس پر نہ توڑے گئے ہوں۔ ہر بلا ومصیبت کو عورت پر آزمایا گیا اور اس کا استحصال کیا گیا۔ عورت پر سب سے بڑا ظلم تو یہی تھا کہ دنیا میں اس کے آنکھ کھولتے ہی اس کے جنم داتا ماں باپ بجائے اس کے کہ وہ ممتا وشفقت کے ملے جلے پیار ومحبت سے اس کی پرورش کریں، اس کو زندہ درگور کر دیتے اور جو عورت بچ جاتی تو اس کو ظلم وستم اور وحشت ودرندگی کے دو پاٹوں کے مابین اپنی زندگی کو گھٹ گھٹ کر گزارنے پر مجبور ہونا پڑتا اس کے لئے حسن وجمال بھی رحمت کی جگہ مشقت تھا؛ کیونکہ حسین وجمیل عورتوں کو طوائفہ اور رقاصہ بنا کر اس سے عصمت فروشی کا بزنس چمکایا جاتا۔

قبل اسلام شادی شدہ عورت اپنے شوہر کی بے دام کنیز ولونڈی بن کر خدمت وغلامی کرنے پر مجبور رہتی اور شوہر کے مرنے کے بعد اس کو منحوس قرار دے کر سیاہ کوٹھری میں مقید ومحبوس کر دیا جاتا، اس میں وہ اپنے خورد ونوش، نشست و برخاست اور بول و براز کرتی اور گھٹ گھٹ کر دم توڑ دیتی، یا اگر بچ جاتی تو اس ہڈیوں کے ڈھانچہ کا پورے شہر میں گشت لگوایا جاتا جو اس بات کی علامت ہوتا کہ اس نے اپنی عدت پوری کر لی ہے شوہر، اولاد، والدین یا کسی بھی مورث کے مرنے کے بعد اس کا وراثت میں کوئی حق نہیں تھا۔

دور نہ جایئے خود ہمارے وطن عزیز ہندوستان میں بیوہ عورتوں کے ساتھ ایسا نازیبا اور ناجائز سلوک کیا جاتا جن کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہندو دھرم میں بیوہ عورت کو اس کے مرد شوہر کے ساتھ زندہ جلا دیا جاتا، جین دھرم کے رہنما و پیشوا سری

مہاویر سوامی تو ببانگ دہل کہا کرتے تھے کہ عورت تو برائیوں کی جڑ ہے اس سے دنیا میں فساد و برائیاں برپا ہوتی ہیں مرد کو اس کے ساتھ کسی قسم کا لگا نہیں رکھنا چاہیے اس کو چاہیے کہ وہ نہ اس کی طرف نظر کرے نہ اس سے بات چیت کرے اور نہ ہی اس سے الفت و محبت کا برتا کرے، رومۃ الکبری میں سب سے زیادہ عورت کو حقیر و ذلیل گردانا جاتا ہر شخص یہ اعتقاد لئے ہوئے تھا کہ عورت کو سکون و آرام کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس کا مقصد حیات محض مردوں کی خدمت و چاکری کرنا ہے۔

غرض یہ کہ اس وقت عورتوں کی مجبوری اور لاچاری کا عالم یہ تھا کہ نہ کوئی ان کو دلاسا دے کر خوش کرنے والا تھا اور نہ کوئی ان کے آنسو پونچھنے والا۔ کئی سو سال تک ظلم رسیدہ پریشان حال عورتیں آنسو بہاتی رہیں بلکتی رہیں سسکتی اور کڑھتی رہیں اور اپنی قسمت کا رونا روتی رہیں اور اس کے ماسوا ان کے پاس کوئی چارہ کار بھی نہ تھا۔

مگر جب آفتاب اسلام ظہور پذیر ہوا تو اس نے روتی، سسکتی، بلکتی، راندہ، بدنام، اچھوت، حقیر، بیکس اور لاچار و مجبور عورت کو اپنے دامن رحمت میں ڈھانپ لیا اور اس کو اس قدر محبت و شفقت اور اہمیت دی کہ اس پر جتنے عیب اور خرابیوں کے بدنما داغ دھبے تھے سب معدوم ہو گئے اور اسلام نے ان کو وہ عظمت و فضیلت اور رفعت و بلندی عطا کی کہ اس کی شخصیت پر مردوں کو بھی رشک آنے لگا۔

عہد جاہلیت میں جب کسی کے یہاں بچی پیدا ہوتی تو صف ماتم بچھ جاتی باپ کا چہرہ فرط غم سے سیاہ پڑ جاتا ارشاد باری تعالی ہے :

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُم بِالاُنثٰی ظَلَّ وَجهُهُ مُسوَدًّا وَ هُوَ کَظِیمٌ o

(سورۂ نحل:۱۶/۵۸)

اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی تو دن بھر اس کا منہ کالا رہتا اور وہ غصہ کھاتا ہے۔

اور پھر وہ غصہ میں اس بچی کو زندہ دفن کر دیتا اس پر قرآن شریف کی للکار نے لوگوں کو جھنجھوڑ ڈالا: وَ اِذَا الْمَوْؤُدَةُ سُئِلَتْ بِاَىِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ o زندہ گاڑی ہوئی پوچھی جائے گی کس گناہ کے بدلے اس کو مار ڈالا گیا۔ اسلام نے عورت کے قاتل کی بھی سزا قتل قرار دی اور بیٹیوں کی نگہبانی اور پرورش کرنے والوں کو جنت کا مژدہ سنایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کی بیٹی ہوئی اور اس نے نہ اس کو زندہ دفن کیا نہ اسے بیوقعت سمجھا، نہ اپنے بیٹے کو اس پر ترجیح دی تو اللہ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ (مشکوٰۃ:۴۲۲)

شادی کے بعد بھی اسلام نے عورت کی شخصیت کو برقرار رکھا ہے۔ اس کی ہستی شوہر میں بالکل مدغم نہیں ہو جاتی کہ وہ خاوند کی نوکر یا غلام بن جائے ہاں اس پر شوہر کے بہت زیادہ حقوق ہیں ان کے بارے میں اسلام نے اس کو حکم دیا کہ ان کو دل جمعی سے اَدا کر کے جنت کی حقدار بن جائے تو معاً اس کے بھی شوہر پر حقوق ہیں۔ ارشاد باری ہے: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِى عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ o عورتوں کے مردوں کے اوپر کچھ اسی طرح کے حقوق ہیں جس طرح مردوں کے عورتوں پر۔

یعنی جس طرح عورت پر مرد کے حقوق اَدا کرنا ضروری ہے اسی طرح مرد کو بھی عورت کے حقوق کو ملحوظ رکھنا لازمی ہے اور فرمایا: هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ o اے مردوں عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم عورتوں کا لباس ہو۔ تو ایک دوسرے کی معاونت کرو اور زندگی گزارو۔

ایک صحابی نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا بیوی کا اس کے شوہر پر کیا حق ہے؟ حضور نے ارشاد فرمایا اس کا حق یہ ہے کہ جب تو کھائے تو اسے کھلائے اور جب تو پہنے تو اسے پہنائے اور اس کے چہرہ پر نہ مارے اور اس کو بددعا نہ دے اگر اس سے ترک تعلق کرے تو صرف گھر میں کرے۔

مذہب اسلام سے پہلے جہاں بیوہ عورت کو منحوس، ڈائن سمجھا جاتا تھا اور اس کو مصیبت کی قید میں ڈال دیا جاتا یا جلا دیا جاتا تھا لیکن اسلام نے بیوہ عورت کے بارے میں اس کے گھر والوں کو حکم دیا کہ وہ اسے دوسرے شادی کرنے سے نہ روکیں اسے شادی کرنے دیں اور دوسری طرف مردوں کو بیواں کی طرف راغب کرنے کے لئے بڑے انعام واکرام کا اعلان فرمایا۔

اس قدرے تفصیلی تمہید کے بعد اب میں براہِ راست اپنے موضوع کی طرف آتی ہوں۔آپ اَدیانِ عالم کی ابتدائی تاریخ پر نظر ڈالیں اور ان کی ارتقائی منازل کی تاریخ کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس میں عورت کا کردار بالکل 'نہ' کے برابر ہے۔ یہ تو گزشتہ ایک دو صدیوں کی بات ہے کہ حوا کی بیٹی کو عزت واحترام کے قابل تسلیم کیا گیا اور عورت کو بھی مرد کے برابر قرار دیا گیا؛ لیکن اسلام کی ابتدائی تاریخ میں مسلم خواتین کا جو کردار رہا وہ آج کل دنیا کے لیے ایک واضح سبق بھی ہے، قابل تحسین کارنامہ بھی اور قابل فخر تاریخ بھی بلکہ میں تو یہ کہوں گی کہ اسلام کی تاریخ کی تو ابتدا ہی عورت کے شاندار اور بے غبار کردار سے ہوتی ہے۔

یہ بات الگ ہے کہ آج ترقی یافتہ ہونے کا دعوی کرنے والی دنیا حقوقِ نسواں کی علمبردار بنی ہوئی ہے اور چار پانچ صدیوں سے مغرب کی معاندانہ یلغار اور مسلسل لوٹ مار کے ستائے ہوئے مسلمان معاشروں میں جہالت و پسماندگی کے باعث مسلمان عورت سے اس کا تاریخ ساز کردار بھی چھین لیا گیا ہے اور وہ اس کردار سے بھی محروم کر دی گئی ہے جو اسے دین اسلام نے سونپا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی تاریخ تو شروع ہی عورت کے تعمیری و تاریخی کردار سے ہوتی ہے۔ ہماری تاریخ تو عورت کی ہمت، دانائی، حوصلہ مندی اور دوراندیشی کے شاندار اور قابل فخر کردار سے معمور ہے۔ ہمارا نقطہ آغاز تو حضرت سیدہ خدیجۃ الکبری رضی اللہ

عنہا سے ہوتا ہے جب ضعیف و ناتواں سمجھی جانے والی صنف نازک ہمت وعظمت کا ایک پہاڑ اور حوصلہ افزائی کا ایک سر چشمہ بن کر تاجدارِ کائنات علیہ السلام کے حضور کھڑی ہو جاتی ہے اور ایک غیر متزلزل ستون کی طرح سہارا بن جاتی ہے۔

غار حرا سے اُتر کر اور ایک نسخہ کیمیا ساتھ لے کر جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لائے تو گھبراہٹ اور پریشانی کے سائے آپ کا پیچھا کر رہے تھے؛ مگر اپنے شوہر کی پاکبازی، بلند اخلاق اور انسان دوست کردار کی گواہ بن کر نبوتِ محمدی پر وہ سب سے پہلے ایمان لے آئیں اور فرمایا کہ اے مجسمہ صدق وامانت! اللہ تعالی آپ جیسے بلند کردار کو کبھی پریشانی اور گھبراہٹ کے سایوں کے سپرد نہیں کرے گا۔ آپ انسانی معاشرہ کے لیے اتنے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیتے ہیں تو کیا جس انسان کا یہ مرتبہ وکردار ہو اللہ تعالی اسے بھلا تنہا چھوڑ سکتا ہے!۔

آپ یقیناً اللہ تعالی کے مبعوث کردہ نبی ہیں اور یہ جو پیغام آپ کو ملا ہے اس کا لانے والا وہی جبریل امین، وہی ناموس حق اور وہی فرشتہ ہے جو ابراہیم خلیل اللہ اور موسی کلیم اللہ علیہما السلام جیسے اولوالعزم نبیوں کے پاس اللہ تعالی کا پیغام حق لے کر آتا رہا ہے۔ آیئے میں اس کی تصدیق آپ کو اپنے بھائی ورقہ بن نوفل سے کرائے دیتی ہوں جو مقدس صحیفوں کے عالم ہیں اور نبیوں کے احوال سے بخوبی آگاہ ہیں۔

غار حرا کی تنہائیوں میں ایک فردِ بشر کا سامنا عالم ملکوت کے سرخیل حضرت جبریل امین علیہ السلام سے ہوا، یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا بلکہ یہ سمجھیں کہ عرش سے فرش کے اِرتباط کی بنیاد پڑی تھی۔ اس کے وقوع پذیر ہونے پر تاجدارِ بنی نوعِ انساں حضرت سیدنا محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پریشانی اور گھبراہٹ ایک فطرتی بات تھی بلکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ غیر فطری بات ہوتی۔

مگر اللہ تعالی نے یہ چاہا کہ حوا کی بیٹی کی عظمت کو انسان بھول گئے ہیں اس کی عظمت

رفتہ کو اجاگر کرنے اور عورت کا مرتبہ ہمیشہ کے لیے منوانے کی غرض سے ایک خدیجۃ الکبری کے کردار کی ضرورت ہے۔ ایسا کردار جس کے سامنے انسانیت ہمیشہ جھکتی رہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے حج اور عمرہ مکمل کرنے کے لیے سیدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سنت یعنی صفا و مروہ کے درمیان سعی کو لازم ٹھہرا دیا گیا ہے اسی طرح سیدہ خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عظیم الشان کردار سے عورت کی عظمت و رفعت کو ہمیشہ کے لیے تسلیم کروالیا جائے۔

محترم خواتین اسلام! آپ کو معلوم ہوگا کہ دعوتِ اسلام کی راہ میں سب سے زیادہ اذیت بھی خواتین نے اٹھائی؛ بلکہ دعوت اِلی اللہ کی خاطر سب سے پہلی شہادت بھی عورت کے حصہ میں آئی، جب حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا نے شہادت قبول کر کے ظلم کو ٹھکرا دیا۔ سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں میں بھی خواتین پیش پیش رہیں۔ مصطفیٰ جانِ رحمت علیہ السلام اور حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کی لختِ جگر حضرت رقیہ نے اپنے شوہر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ہجرت کی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے اہل وعیال کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ اللہ کی راہ میں پہلے ہجرت کرنے والے ہیں۔ پھر ہجرت کے بعد قیام حبشہ کے دوران مسلم خواتین کا کردار بھی تاریخ ساز ہے۔

ابتدائے اسلام یا دوسرے لفظوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں مسلم خواتین نے زندگی کے ہر شعبہ میں بھرپور کردار اَدا کیا اور بڑی آزادی اور خوشی کے ساتھ اَدا کیا۔ علم سیکھنے سکھلانے کا میدان ہو یا معاشرتی خدمات کا میدان، اللہ کی راہ میں جہاد کا موقع ہو یا سیاست وحکومت کے معاملات ہوں، سب میں خواتین کا واضح، روشن اور اہم کردار ہوتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس سے جس طرح صحابہ کرام مستفیض ہوتے تھے اسی طرح صحابیات کو بھی فیض واستفادہ اور دین کی باتیں پوچھنے اور سمجھنے کا پورا پورا موقع دیا جاتا تھا۔

صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہنَّ نے شکایت کی کہ خواتین سے متعلق کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہم اپنے باپ دادا اور بھائیوں کی موجودگی میں نہیں کرسکتیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواتین کے لیے ایک دن الگ سے مخصوص کردیا جس میں مرد شریک نہیں ہوتے تھے۔ اس طرح خواتین چھ دن مردوں کے ساتھ اور ایک دن الگ سے حاضر ہوکر اپنے مسائل کا حل پوچھتی تھیں۔ اس سے ایک اِشارہ یہ بھی ملتا ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک خواتین کی تعلیم وتربیت مردوں سے بھی زیادہ اَہمیت کی حامل تھی، اور پھر کیوں نہ ہو بچوں کا پہلا مدرسہ' آغوشِ مادر ہی تو ہے۔

قابل احترام خواتین اسلام! آپ دیکھیں کہ مسلم خواتین' میدان جنگ میں مجاہدین کو پانی پلاتی تھیں۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور اس کار خیر میں کسی بڑے یا چھوٹے کی تفریق وتمیز نہیں تھی حتی کہ غزوۂ احد میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی اس کار خیر میں اپنا کردار اَدا کرنے کے لیے موجود تھیں۔ غزوہ خندق کے موقع پر بھی مسلم خواتین نے اپنے ایسے ہی کارہائے خیر میں بھرپور کردار اَدا کیا۔

ایک صحابیہ جو طب کا علم کامل رکھتی تھیں ان کا خیمہ ایک ڈسپنسری اور ہسپتال کا کام دیتا رہا۔ اس ابتدائی عہد اسلام میں مسلم خواتین نے مشاورت میں بھی اپنا تعمیری کردار اَدا کیا۔ بعض اوقات تو ایسا بھی ہوا کہ جہاں کوئی حیلہ کارگر ثابت نہیں ہورہا تھا وہاں ایک مسلم خاتون کی صائب اور درست رائے نے مسئلہ کا کامیاب حل پیش کرکے حالات کا رخ ہی بدل دیا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ مکرمہ کے قرب وجوار سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو کئی سال بعد آئے تھے مگر عمرہ وزیارتِ بیت اللہ کے بغیر واپس ہونے پر مجبور ہونا پڑا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِحرام کھول کر واپس جانے کا اعلان فرمادیا تھا مگر زیارتِ بیت اللہ کے لیے تڑپنے والی نیک روحیں جیسے بے جان ہوکر بیٹھ گئی ہوں، آپ فکرمند تھے

کہ یہ غمزدہ صحابہ ٹس سے مس نہیں ہورہے انہیں اِحرام کھولنے پر کیسے آمادہ کیا جائے؟۔

آپ اسی حال میں اپنے خیمہ کے اندر تشریف لے گئے اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ لیا، اہل ایمان کی روحانی ماں اپنے فرزندوں کی نفسیات سے خوب آگاہ تھیں۔ انہوں نے مشورہ دیتے ہوئے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ آپ کے جانثار تو آپ کے نقش قدم پر چلنے کے منتظر رہتے ہیں، اگر آپ اِحرام کھول دیں اور وضو کر کے نفل سے فارغ ہو کر تیار ہو جائیں تو یہ لوگ بھی دوڑ کر آپ کے نقش قدم پر چل پڑیں گے؛ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ جب آپ احرام کھول کر تیار ہوئے تو تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی آپ کی پیروی کی اور چند لمحوں میں غمزدہ قافلہ مدینہ منورہ کی طرف رواں دواں تھا۔

وصال نبوی کے بعد امہات المومنین رضی اللہ عنہن نے تعلیم قرآن کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں اور بچیوں کو دینی مسائل کی تعلیم بھی دینا شروع کر دی حتی کہ اُم المومنین رضی اللہ عنہا کا اپنا حجرہ ایک درسگاہ نظر آنے لگا۔ امہات المومنین کی پیروی میں دیگر خواتین اسلام نے بھی اشاعت علم اور فہم دین کو اپنے لیے لازم ٹھہرالیا۔

اس طرح علم کی تدریس، تعلیم کے فروغ اور حدیث کی روایت میں ابتدائی دور کی مسلم خواتین نے سرگرم کردار اَدا کیا۔ یہ سب باتیں ایک حقیقت کو آشکار کرتی ہیں کہ ابتدائے اسلام میں مسلم خواتین نے اپنا بھرپور تعمیری اور مثبت کردار ادا کر کے آنے والے وقتوں کے لیے ایک اعلی نمونہ اور قابل تقلید مثالیں قائم کردی ہیں جو آج بھی مسلمان عورت کے لیے مشعل راہ ہیں اور صبح قیامت تک رہیں گی۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چل کر دین کی داعیہ بننے اور اسلام کے فروغ کے لیے جدوجہد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین.

وَ مَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلاَغُ الْمُبِیْنُ o

قرآن اور احترامِ عورت

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِيْنُهُ وَ نَسْتَهْدِيْهِ وَ نَسْتَغْفِرُهُ وَ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلاَ هَادِىَ لَهُ وَ أَشْهَدُ أَن لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ، وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ وَصَفِيُّهُ وَخَلِيْلُهُ بَلَّغَ الرِّسَالَةَ وَأَدَّى الأَمَانَةَ وَنَصَحَ الأُمَّةَ وَجَاهَدَ فِى سَبِيْلِ رَبِّهٖ حَقَّ الْجِهَادِ وَ هَدَى النَّاسَ مِنَ الضَّلاَلَةِ وَ نَجَاهُمْ مِنَ الْجَهَالَةِ وَ أَخْرَجَهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَهَدَاهُمْ بِإِذْنِ رَبِّهٖ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ، اللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى عَبْدِكَ وَ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِينَ .

میری پیاری اسلامی ماؤں اور بہنو! اسلام نے عورت کے حوالے سے ان پاکیزہ افکار کا مظاہرہ اس وقت کیا ہے جب باپ اپنی بیٹی کو زندہ دفن کر دیتا تھا اور اس جلا دیت کو اپنے لیے باعث عزت وشرافت تصور کرتا تھا۔عورت دنیا کے ہر سماج میں انتہائی بے قیمت مخلوق تھی۔اولاد ماں کو باپ سے ترکہ میں حاصل کیا کرتے تھے۔لوگ نہایت آزادی سے عورت کالین دین کیا کرتے تھے،اوراس کے رائے کی کوئی قیمت نہیں تھی؛ حد یہ ہے کہ یونان کے فلاسفہ اس نکتہ پر بحث کررہے تھے کہ اسے انسانوں کی ایک قسم قرار دیا جائے یا یہ ایک ایسی انسان نما مخلوق ہے جسے اس شکل وصورت میں انسان کے انس والفت کے لیے پیدا کیا گیا ہے تا کہ وہ اس سے ہر قسم کا استفادہ کر سکے؛ ورنہ اس کا انسانیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

دورِ حاضر میں آزادیِ نسواں اور تساوی حقوق کا نعرہ لگانے والے اور اسلام پر طرح طرح کے الزامات عائد کرنے والے اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ عورتوں کے بارے میں اس طرح کی باعزت فکر اور اس کے سلسلہ میں حقوق کا تصور بھی اسلام ہی کا دیا ہوا ہے؛ ورنہ اس نے ذلت کی انتہائی گہرائی سے نکال کر عزت کے اوج پر نہ پہنچا دیا ہوتا تو آج بھی کوئی اس کے بارے میں اس انداز سے سوچنے والا نہ ہوتا۔

یہودیت اور عیسائیت تو اسلام سے پہلے بھی ان موضوعات پر بحث کیا کرتے تھے۔ انھیں اس وقت اس آزادی کا خیال کیوں نہیں آیا اور انھوں نے اس دور میں مساوی حقوق کا نعرہ کیوں نہیں لگایا۔ یہ آج عورت کی عظمت کا خیال کہاں سے آ گیا اور اس کی ہمدردی کا اس قدر جذبہ کہاں سے ابھر آیا؟۔

درحقیقت یہ اِسلام کے بارے میں احسان فراموشی کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ جس نے تیراندازی سیکھائی، اسی کو نشانہ بنادیا اور جس نے آزادی اور حقوق کا نعرہ دیا اسی پر الزامات عائد کر دیے۔ بات صرف یہ ہے کہ جب دنیا کو آزادی کا خیال پیدا ہوا تو اس نے یہ غور کرنا شروع کیا کہ آزاد کا یہ مفہوم تو ہمارے دیرینہ مقاصد کے خلاف ہے۔ آزادی کا یہ تصور تو اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ ہر مسئلہ میں اس کی مرضی کا خیال رکھا جاے اور اس پر کسی طرح کا دباؤ نہ ڈالا جائے اور اس کے حقوق کا تقاضا یہ ہے کہ اسے میراث میں حصہ دیا جائے، اسے جاگیردار اور سرمایہ کا شریک تصور کیا جائے، اور یہ ہمارے تمام رکیک، ذلیل اور فرسودہ مقاصد کے منافی ہے۔

لہٰذا انھوں نے اس آزادی اور حق کے لفظ کو باقی رکھتے ہوئے مطلب برآری کی نئی راہ نکالی اور یہ اِعلان کرنا شروع کر دیا کہ عورت کی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ وہ جس کے ساتھ چاہے چلی جائے۔ اور اس کے مساوی حقوق کا مفہوم یہ ہے کہ وہ جتنے افراد سے چاہے رابطہ رکھے۔ اس سے زیادہ دورحاضر کے مردوں کو عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

یہ عورت کو کرسیِ اقتدار پر بٹھاتے ہیں تو اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے اور اس کے برسر اقتدار لانے میں کسی نہ کسی صاحب قوت و جذبات کا ہاتھ ہوتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ وہ قوموں کی سربراہ ہونے کے بعد بھی کسی نہ کسی سربراہ کی ہاں میں ہاں ملاتی رہتی ہے اور اندر سے کسی نہ کسی احساس کمتری میں مبتلا رہتی ہے۔

اسلام مردوں سے بھی یہ مطالبہ کرتا ہے کہ جنس تسکین کے لیے قانون کا دامن نہ چھوڑیں اور کوئی قدم ایسا نہ اٹھائیں جو ان کی عزت وشرافت کے خلاف ہو چنانچہ ان تمام عورتوں کی نشاندہی کردی گئی جن سے جنسی تعلقات کا جواز نہیں ہے۔ ان تمام صورتوں کی طرف اشارہ کردیا گیا جن سے سابقہ رشتہ مجروح ہوتا ہے اور ان تمام تعلقات کو بھی واضح کردیا جن کے بعد پھر دوسرا جنسی تعلق ممکن نہیں رہ جاتا۔ ایسے مکمل اور مرتب نظام زندگی کے بارے میں یہ سوچنا کہ اس نے یکطرفہ فیصلہ کیا ہے اور عورتوں کے حق میں ناانصافی سے کام لیا ہے خود اس کے حق میں ناانصافی بلکہ احسان فراموشی ہے؛ ورنہ اس سے پہلے اس کے سابقہ قوانین کے علاوہ کوئی اس صنف نازک کا پرسانِ حال نہیں تھا اور دنیا کی ہر قوم میں اسے نشانۂ ظلم بنالیا گیا تھا۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد میں اسلام کے چند امتیازی نکات کی طرف اشارہ کرنا چاہتی ہوں جہاں اس نے عورت کی مکمل شخصیت کا تعارف کرایا ہے اور اسے اس کا واقعی مقام دلوایا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے :

وَمِنْ آيَاتِهِ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَ رَحْمَةً o (سورۂ روم:۳۰/۲۱)

اور یہ (بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کیے تا کہ تم ان کی طرف سکون پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی۔

اس آیت کریمہ میں دو اہم باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے :

عورت عالم انسانیت کا ایک حصہ ہے اور اسے مرد کا جوڑا بنا گیا ہے۔ اس کی حیثیت مرد سے کمتر نہیں ہے۔

عورت کا مقصد وجود مرد کی خدمت نہیں ہے، مرد کا سکون زندگی ہے اور مرد و عورت کے درمیان طرفین سے محبت اور رحمت ضروری ہے یہ یکطرفہ معاملہ نہیں ہے۔

وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ o (سورۂ بقرہ:۲۲۸)

اور دستور کے مطابق عورتوں کے بھی مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر، البتہ مردوں کو ان پر فضیلت ہے، اور اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔

یہ درجہ حاکمیت مطلقہ کا نہیں ہے بلکہ ذمہ داری کا ہے کہ مردوں کی ساخت میں یہ صلاحیت رکھی گئی ہے کہ وہ عورتوں کی ذمہ داری سنبھال سکیں اور اسی بنا پر انھیں نان ونفقہ اور اخراجات کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّی لاَ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْکُمْ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُکُمْ مِنْ بَعْضٍ o (سورۂ آل عمران:۱۹۵/۳)

پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمالی (اور فرمایا:) یقیناً میں تم میں سے کسی محنت والے کی مزدوری ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے میں سے (ہی) ہو۔

یہاں پر دونوں کے عمل کو برابر کی حیثیت دی گئی ہے اور ایک کو دوسرے سے قرار دیا گیا ہے۔

وَ لاَ تَتَمَنَّوا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِیبٌ مِمَّا اکْتَسَبُوا وَ لِلنِّسَاءِ نَصِیبٌ مِمَّا اکْتَسَبْنَ o (سورۂ نساء:۳۲/۴)

اور تم اس چیز کی تمنا نہ کیا کرو جس میں اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، مردوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا، اور عورتوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا۔

یہاں بھی دونوں کو ایک طرح کی حیثیت دی گئی ہے اور ہر ایک کو دوسرے کی فضیلت پر نظر لگانے سے روک دیا گیا ہے۔

وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا کَمَا رَبَّیَانِی صَغِیْرًا o (سورۂ اسراء:۲۴/۱۷)

اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے رہو: اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے (رحمت وشفقت سے) پالا تھا۔

اس آیت کریمہ میں ماں باپ کو برابر کی حیثیت دی گئی ہے اور دونوں کے ساتھ احسان بھی لازم قرار دیا گیا ہے اور دونوں کے حق میں دعائے رحمت کی بھی تاکید کی گئی ہے۔

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُواْ لاَ یَحِلُّ لَکُمْ أَن تَرِثُواْ النِّسَاء کَرْهاً وَلاَ تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُواْ بِبَعْضِ مَا آتَیْتُمُوهُنَّ إِلاَّ أَن یَأْتِینَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن کَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَی أَن تَکْرَهُواْ شَیْئاً وَیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْراً کَثِیْراً o (سورۂ نساء:۱۹/۴)

اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ، اور انہیں اس غرض سے نہ روک رکھو کہ جو مال تم نے انہیں دیا تھا اس میں سے کچھ (واپس) لے جاؤ، سوائے اس کے کہ وہ کھلی بدکاری کی مرتکب ہوں، اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے برتاؤ کرو، پھر اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی بھلائی رکھ دے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاء فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلاَ تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَاراً لَّتَعْتَدُواْ وَمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ o (سورۂ بقرہ:۲/۳۱۲)

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت (پوری ہونے) کو آ پہنچیں تو انہیں اچھے طریقے سے (اپنی زوجیت میں) روک لو یا انہیں اچھے طریقے سے چھوڑ دو، اور انہیں محض تکلیف دینے کے لئے نہ روکے رکھو کہ (ان پر) زیادتی کرتے رہو، اور جو کوئی ایسا کرے پس اس نے اپنی ہی جان پر ظلم کیا۔

مذکورہ دونوں آیات میں مکمل آزادی کا اعلان کیا گیا ہے۔ جہاں آزادی کا مقصد شرف اور شرافت کا تحفظ ہے اور جان و مال دونوں کے اعتبار سے صاحب اختیار ہونا ہے اور پھر یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ ان پر ظلم درحقیقت ان پر ظلم نہیں ہے بلکہ اپنے ہی نفس پر ظلم ہے کہ ان کے لئے فقط دنیا خراب ہوتی ہے اور انسان اس سے اپنی عاقبت خراب کر لیتا ہے جو خرابی دنیا سے کہیں زیادہ بدتر بربادی ہے۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَ بِمَا اَنْفَقُوا مِنْ اَمْوَالِهِمْ o (النسا)

مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر اللہ تعالی نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال میں سے خرچ کرتے ہیں۔

آیت کریمہ سے بالکل صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کا مقصد مرد کو حاکم مطلق بنا دینا نہیں ہے اور عورت سے اس کی آزادی حیات کا سلب کر لینا نہیں ہے بلکہ اس نے مرد کو بعض خصوصیات کی بنا پر گھر کا نگراں اور ذمہ دار بنا دیا ہے اور اسے عورت کے جان مال اور آبرو کا محافظ قرار دے دیا ہے، اس کے علاوہ اس مختصر حاکمیت یا ذمہ دار کو بھی مفت نہیں قرار دیا ہے بلکہ اس کے مقابلہ میں اسے عورت کے تمام اخراجات و مصارف کا ذمہ

دار بنادیا ہے۔

یہ ایک بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ جب دفتر کا افسر یا کارخانہ کا مالک صرف تنخواہ دینے کی بنا پر حاکمیت کے بیشمار اختیارات حاصل کرلیتا ہے اور اسے کوئی عالم انسانیت توہین نہیں قرار دیتا ہے اور دنیا کا ہر ملک اس پالیسی پر عمل کرلیتا ہے تو مرد زندگی کی تمام ذمہ داریاں قبول کرنے کے بعد اگر عورت پر پابندی عائد کردے کہ اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے اور کیلئے ایسے وسائل سکون فراہم کردے کہ اسے باہر نہ جانا پڑے اور دوسرے کی طرف ہوس آمیز نگاہ سے نہ دیکھنا پڑے تو کونسی حیرت انگیز بات ہے یہ تو ایک طرح کا بالکل صاف اور سادہ سا انسانی معاملہ ہے جو ازدواج کی شکل میں منظر عام پر آتا ہے کہ مرد کا کمایا ہوا مال عورت کا ہوجاتا ہے اور عورت کی زندگی کا سرمایہ مرد کا ہوجاتا ہے۔ مرد عورت کی ضروریات پورا کرنے کے لئے گھنٹوں محنت کرتا ہے اور باہر سے سرمایہ فراہم کرتا ہے اور عورت مرد کی تسکین کے لیے کوئی زحمت نہیں کرتی ہے بلکہ اس کا سرمایہ حیات اس کے وجود کے ساتھ ہے۔

انصاف کیا جائے کہ اس قدر فطری سرمایہ سے اس قدر محنت سرمایہ کا تبادلہ کیا عورت کے حق میں ظلم اور ناانصافی کہا جاسکتا ہے جب کہ مرد کی تسکین میں بھی عورت برابر کی حصہ دار ہوتی ہے اور یہ جذبہ یک طرفہ نہیں ہوتا ہے اور عورت کے مال صرف کرنے میں مرد کو کوئی حصہ نہیں ملتا ہے مرد پر یہ ذمہ داری اس کے مردانہ خصوصیات اور اس کی فطری صلاحیت کی بنا پر رکھی گئی ہے ؛ورنہ یہ تبادلہ مردوں کے حق میں ظلم ہوجاتا اور انھیں یہ شکایت ہوتی کہ عورت نے ہمیں کیا سکون دیا ہے اور اس کے مقابلہ میں ہم پر ذمہ داریوں کا کس قدر بوجھ لاد دیا گیا ہے۔

یہ خود اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ جنس اور مال کا سودا نہیں ہے بلکہ صلاحیتوں کی بنیاد پر تقسیم کار ہے عورت جس قدر خدمت مرد کے حق میں کرسکتی ہے اس کا ذمہ دار عورت

کو بنادیا گیا ہے اور مرد جس قدر خدمت عورت کی کرسکتا ہے اس کا اسے ذمہ دار بنادیا گیا ہے اور یہ کوئی حاکمیت یا جلادیت نہیں ہے کہ اسلام پر ناانصافی کا الزام لگادیا جائے اور اسے حقوق نسواں کا ضائع کرنے والا قرار دے دیا جائے۔

یہ ضروری ہے کہ عالم اسلام میں ایسے مرد بہرحال پائے جاتے ہیں جو مزاجی طور پر ظالم، بے رحم اور جلاد ہیں اور انھیں جلادی کے لیے کوئی موقع نہیں ملتا ہے تو اس کی تسکین کا سامان گھر کے اندر فراہم کرتے ہیں، اور اپنے ظلم کا نشانہ عورت کو بناتے ہیں کہ وہ صنف نازک ہونے کی بنا پر مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہے اور اس پر ظلم کرنے میں ان خطرات کا اندیشہ نہیں ہے جو کسی دوسرے مرد پر ظلم کرنے میں پیدا ہوتے ہیں اور اس کے بعد اپنے ظلم کا جواز قرآن مجید کے اس اعلان میں تلاش کرتے ہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ قوامیت نگرانی اور ذمہ داری نہیں ہے بلکہ حاکمیت مطلقہ اور جلادیت ہے۔

حالانکہ قرآن مجید نے صاف صاف دو وجوہات کی طرف اشارہ کردیا ہے ایک مرد کی ذاتی خصوصیت ہے اور امتیازی کیفیت ہے اور اس کی طرف سے عورت کے اخراجات کی ذمہ داری ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ دونوں اسباب میں نہ کسی طرح کی حاکمیت پائی جاتی ہے اور نہ جلادیت؛ بلکہ شاید بات اس کے برعکس نظر آئے کہ مرد میں فطری امتیاز تھا تو اسے اس امتیاز سے فائدہ اٹھانے کے بعد ایک ذمہ داری کا مرکز بنادیا گیا اور اس طرح اس نے چار پیسے حاصل کیے تو انھیں تنہا کھانے کے بجائے اس میں عورت کا حصہ قرار دیا ہے اور اب عورت وہ مالکہ ہے جو گھر کے اندر چین سے بیٹھ رہے اور مرد وہ خادم قوم ملت ہے جو صبح سے شام تلک اہل خانہ کے آذوقہ کی تلاش میں حیران و سرگرداں رہے، یہ درحقیقت عورت کی نسوانیت کی قیمت ہے جس کے مقابلہ میں کسی دولت، شہرت، محنت اور حیثیت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

خواتین ملت اسلامیہ! ازدواجی زندگی انسانی زندگی کا اہم ترین موڑ ہوتا ہے جب

دو انسان مختلف الصنف ہونے کے باوجود ایک دوسرے کی زندگی میں مکمل طور سے دخیل ہو جاتے ہیں اور ہر ایک کو دوسرے کی ذمہ داری اور اس کے جذبات کا پورے طور پر لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ اختلاف کی بنا پر حالات اور فطرت کے تقاضے جداگانہ ہوتے ہیں لیکن ہر انسان کو دوسرے کے جذبات کے پیش نظر اپنے جذبات اور احساسات کی مکمل قربانی دینی پڑتی ہے۔

قرآن مجید نے انسان کو اطمینان دلایا ہے کہ یہ کوئی خارجی رابطہ نہیں ہے جس کی وجہ سے اسے مسائل اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے بلکہ یہ ایک فطری معاملہ ہے جس کا انتظام خالق فطرت نے فطرت کے اندر ودیعت کر دیا ہے اور انسان کو اس کی طرف متوجہ بھی کر دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :

وَمِنْ آيَاتِهِ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَ رَحْمَةً o (سورۂ روم:۲۱/۳۰)

اور یہ (بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان کی طرف سکون پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔

بے شک اختلاف صنف، اختلاف تربیت، اختلاف حالات کے بعد مودت اور رحمت کا پیدا ہو جانا ایک علامت قدرت و رحمتِ پروردگار ہے جس کے بے شمار شعبہ ہیں اور ہر شعبہ میں متعدد نشانیاں پائی جاتی ہیں۔ آیت کریمہ میں یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ جوڑا اللہ نے پیدا کیا ہے یعنی یہ مکمل خارجی مسئلہ نہیں ہے بلکہ داخلی طور پر ہر مرد میں عورت کے لئے اور ہر عورت میں مرد کے لئے صلاحیت رکھ دی گئی ہے تاکہ ایک دوسرے کو اپنا جوڑا سمجھ کر برداشت کر سکے اور اس سے نفرت اور بیزاری کا شکار نہ ہو۔ اور اس کے بعد رشتہ کے زیر اثر مودت اور رحمت کا بھی قانون بنا دیا تاکہ فطری جذبات اور تقاضے

پامال نہ ہونے پائیں۔

یہ قدرت کا حکیمانہ نظام ہے جس سے علیحدگی انسان کے لئے بے شمار مشکلات پیدا کر سکتی ہے؛ چاہے انسان سیاسی اعتبار سے اس علیحدگی پر مجبور ہو یا جذباتی اعتبار سے قصداً مخالفت کرے۔ اولیاء اللہ بھی اپنے ازدواجی رشتوں سے پریشان رہے ہیں تو اس کا راز یہی تھا کہ ان پر سیاسی اور تبلیغی اعتبار سے یہ فرض تھا کہ ایسی خواتین سے عقد کریں اور ان مشکلات کا سامنا کریں تاکہ دین خدا فروغ حاصل کر سکے اور کارِ تبلیغ انجام پا سکے فطرت اپنا کام بہرحال کر رہی تھی یہ اور بات ہے کہ وہ شرعاً ایسے ازدواج پر مجبور اور مامور تھے کہ ان کا ایک مستقل فرض ہوتا ہے کہ تبلیغ دین کی راہ میں زحمتیں برداشت کریں کہ یہ راستہ پھولوں کی سیج سے نہیں گذرتا ہے بلکہ پرخار وادیوں سے ہو کر گذرتا ہے۔

اس کے بعد قرآن حکیم نے ازدواجی تعلقات کو مزید استوار کرنے کے لئے فریقین کی نئی ذمہ داریوں کا اعلان کیا اور یہ بات واضح کر دی کہ صرف مودّت اور رحمت سے بات تمام نہیں ہو جاتی؛ بلکہ کچھ اس کے خارجی تقاضے بھی ہیں جنھیں پورا کرنا ضروری ہے ورنہ قلبی مودّت و رحمت بے اثر ہو کر رہ جائے گی اور اس کا کوئی نتیجہ حاصل نہ ہوگا ارشاد ہوتا ہے :

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ٥ (سورۂ بقرہ:۲/۱۸۷)

عورتیں تمہارے لیے لباس (کا درجہ رکھتی) ہیں اور تم ان کے لیے لباس (کا درجہ رکھتے) ہو۔

یعنی تمہارا خارجی اور معاشرتی فرض یہ ہے کہ ان کے معاملات کی پردہ پوشی کرو اور اوران کے حالات کو اسی طرح طشت ازبام نہ ہونے دو جس طرح لباس انسان کے عیوب کو واضح نہیں ہونے دیتا ہے اس کے علاوہ تمہارا ایک فرض یہ بھی ہے کہ انھیں سرد و گرم زمانے سے بچاتے رہو اور وہ تمہیں زمانے کی سرد و گرم ہواؤں سے محفوظ رکھیں

کہ یہ مختلف ہوائیں اور فضائیں کسی بھی انسان کی زندگی کو خطرہ میں ڈال سکتی ہیں اور اس کے جان اور آبرو کو تباہ کرسکتی ہیں۔

دوسری طرف ارشاد ہوتا ہے :

نِسَاءُ کُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَاْتُوا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ o (سورۂ بقرہ:۲/۲۲۳)

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں پس تم اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ۔ (شرط یہ ہے کہ کھیت برباد نہ ہونے پائے)۔

اس بلیغ فقرہ سے مختلف مسائل کا حل تلاش کیا گیا ہے۔ اولاً بات کو یک طرفہ رکھا گیا ہے اور لباس کی طرح فریقین کو ذمہ دار نہیں بنایا گیا بلکہ مرد کو مخاطب کیا گیا ہے کہ اس رخ سے ساری ذمہ داری مرد پر عائد ہوتی ہے اور کھیتی کی بقا کا مکمل انتظام کاشتکار کے ذمہ ہے۔ زراعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے جب کہ پردہ پوشی اور سرد وگرم زمانے سے تحفظ دونوں کی ذمہ داریوں میں شامل تھا۔

دوسری طرف اس نکتہ کی بھی وضاحت کردی گئی ہے کہ عورت کے رابطہ اور تعلق میں اس کی اس حیثیت کا لحاظ بہرحال ضروری ہے کہ وہ زراعت کی حیثیت رکھتی ہے اور زراعت کے بارے میں کاشتکار کو یہ اختیار تو دیا جاسکتا ہے کہ فصل کے تقاضوں کو دیکھ کر کھیت کو افتادہ چھوڑ دے، اور زراعت نہ کرے؛ لیکن یہ اختیار نہیں دیا جاسکتا ہے کہ اسے تباہ وبرباد کردے، اور قبل از وقت یا بے وقت زراعت شروع کردے کہ اسے زراعت نہیں کہتے ہیں بلکہ ہلاکت کہتے ہیں اور ہلاکت کسی قیمت پر جائز نہیں قرار دی جاسکتی ہے۔

مختصر یہ ہے کہ اسلام نے رشتہ ازدواج کو پہلی منزل پر فطرت کا تقاضا قرار دیا۔ پھر داخلی طور پر اس میں محبت اور رحمت کا اضافہ کیا اور ظاہری طور پر حفاظت اور پردہ پوشی کو اس کا شرعی نتیجہ قرار دیا اور آخر میں استعمال کے تمام شرائط وقوانین کی طرف اشارہ

کردیا تا کہ کوئی بدعنوانی ، بے ربطی اور بے لطفی نہ پیدا ہونے پائے اور زندگی خوشگوار انداز سے گذر جائے۔

خواتین اسلام اور دختران عزیز! ازدواجی رشتہ کے تحفظ کے لئے اسلام نے دوطرح کے انتظامات کیے ہیں: ایک طرف اس رشتہ کی ضرورت ، اہمیت اور اس کی ثانوی شکل کی طرف اشارہ کیا اور دوسری طرف ان تمام راستوں پر پابندی عائد کردی جس کی بنا پر یہ رشتہ غیر ضروری یا غیر اہم ہو جاتا ہے اور مرد کو عورت یا عورت کو مرد کی ضرورت نہیں رہ جاتی ہے۔ارشاد ہوتا ہے :

وَ لاَ تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ سَاءَ سَبِيْلاً o (سورۂ اسراء:۱۷/۳۲)

تم زنا (بدکاری) کے قریب بھی مت جانا بیشک یہ بے حیائی کا کام ہے، اور بہت ہی بری راہ ہے۔

اس ارشاد گرامی میں زنا کے دونوں مفاسد کی وضاحت کی گئی ہے کہ ازدواج کے ممکن ہوتے ہوے اور اس کے قانون کے رہتے ہوئے زنا اور بدکاری ایک کھلی ہوئی بے حیائی ہے کہ یہ تعلق انھیں عورتوں سے قائم کیا جائے جن سے عقد ہوسکتا ہے تو بھی قانون سے انحراف اور عفت سے کھیلنا ایک بے غیرتی ہے اور اگر ان عورتوں سے قائم کیا جائے جن سے عقد ممکن نہیں ہے اور ان کا کوئی مقدس رشتہ پہلے سے موجود ہے تو یہ مزید بے حیائی ہے کہ اس طرح اس رشتہ کی بھی توہین ہوتی ہے اور اس کا تقدس بھی پامال ہو جاتا ہے۔

پھر مزید وضاحت کے لئے ارشاد ہوتا ہے :

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ o (سورۂ نور:۲۴/۱۹)

بیشک جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلے ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام اس قسم کے جرائم کی عمومیت اوران کا اشتہار دونوں کو ناپسند کرتا ہے کہ اس طرح ایک انسان کی عزت بھی خطرہ میں پڑ جاتی ہے اوردوسری طرف غیر متعلق افراد میں ایسے جذبات بیدار ہوجاتے ہیں اوران میں جرائم کوآزمانے اوران کا تجربہ کرنے کا شوق پیدا ہونے لگتا ہے جس کا واضح نتیجہ آج ہر نگاہ کے سامنے ہے کہ جب سے فلموں اورٹی وی کے اسکرین کے ذریعہ جنسی مسائل کی اشاعت شروع ہوگئی ہے ہرقوم کے اندر بے حیائی میں اضافہ ہوگیا ہےاور ہرطرف اس کا دوردورہ ہے۔

ساتھ ہی ہر شخص میں ان تمام حرکات کا ذوق اورشوق بیدار ہوگیا ہے جن کا مظاہرہ صبح وشام قوم کے سامنے کیا جاتا ہےاوراس کا بدترین نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مغربی معاشرہ میں شاہراہِ عام پر وہ حرکتیں ظہور پذیر ہورہی ہیں جنھیں نصف شب کے بعد فلموں کے ذریعہ پیش کیا جاتا ہے اوراپنی دانست میں اخلاقیات کا مکمل لحاظ رکھا جاتا ہے اورحالات اس امر کی نشاندہی کررہے ہیں کہ مستقبل اس سے بھی زیادہ بدترین اور بھیانک حالات ساتھ لے کرآرہاہےاورانسانیت مزید ذلت کے کس گڑھے میں گرنے والی ہے۔

قرآن مجید نے انھیں خطرات کے پیش نظر صاحبانِ ایمان کے درمیان اس طرح کی اشاعت کوممنوع اورحرام قرار دیدیا تھا کہ ایک دوافراد کا انحراف سارے سماج پراثرانداز نہ ہواور معاشرہ تباہی اور بربادی کا شکار نہ ہو۔ رب کریم ہر صاحب ایمان کواس بلا سے محفوظ رکھے۔آمین یارب العالمین۔

و ما علینا الا البلاغ المبین

عورتوں کے ساتھ اَچھا برتاؤ

(اَحادیث مبارکہ کی روشنی میں)

الحمد للّٰہ رب العالمین ، و العاقبة للمتقین ، و الصلوٰة والسلام علی أشرف الأنبیاء و المرسلین وعلیٰ آله وصحبه أجعمین. قال النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم : الدنیا کلها متاع، وخیر متاع الدنیا المرأة الصالحة .

خواتین ملت اسلامیہ! حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے انسانوں کو باہم ہمدردی کا درس دیا، طاقتوروں کو کمزوروں پر مہربانی کی تعلیم دی، امیروں کو غریبوں کی امداد کرنے کی تلقین فرمائی، ظالموں کے ظلم سے مظلوموں کو نجات دلائی، یتیموں اور لاوارثوں کی سرپرستی کا حکم دیا، عورت' جس پر ہر دور میں ظلم ہوتا رہا جس کی ہر زمانہ میں حق تلفی کی گئی، جس کو ہمیشہ مرد نے اپنی ہوس کا شکار بنایا، جس کی حیثیت کبھی مرد کے لئے ایک کھلونے سے زیادہ نہ رہی، یہ مظلوم ترین مخلوق میرے آقا صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی توجہ اور عنایات کا سب سے زیادہ مرکز بنی۔

آپ نے اس کو قعرِ مذلت سے نکال کر باہم عروج پر پہنچایا، معاشرے میں اس کو اعلی مقام دلایا، نسل انسان کی بقا کے لئے اس کی اہمیت کو واضح کیا، مرد کو اس کی عزت وعصمت کا محافظ بنایا، اس کے حقوق کا تعین فرمایا، اور اس کی حق تلفی کو قابل سزا جرم قرار دیا، اس کو ماں کی حیثیت سے انسان کی دین ودنیا میں کامیابی کا ضامن ٹھہرایا، یہ بیوی کی حیثیت سے مرد کے سکون وراحت کا ذریعہ قرار دی گئی، بیٹی، اور بہن کی حیثیت سے گھر کی رونق اور

فراخی رزق کا وسیلہ بنی، غرضیکہ اس مظلوم وکمزور مخلوق کو میرے آ قا صلی اللہ تعالی علیہ وآ لہ وسلم کے خزانۂ رحمت سے جو کچھ ملا اس پر عورت جتنا بھی ناز کرے وہ کم ہے؛ لیکن آ ہ! عورت پر تو ماڈرن ازم کا بھوت سوار ہے، وہ فیشن کی دلدادہ ہے، اپنی عزت وآ برو کو خود ہی پامال کر رہی ہے، وہ مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کی ہوس میں، ایک مرتبہ پھر مردوں کی ہوس کا شکار ہو رہی ہے۔ کاش! عورت سوچے وہ کہاں جا رہی ہے، کس فریب میں مبتلا ہو رہی ہے اسے ایسا دیوانہ کر دیا گیا ہے کہ عیش وآ رام کی چہار دیواری اور عزت کی چادر تو درکنار اسے اپنے جسم کا لباس تک پسند نہیں۔

خواتین اسلام! آ یئے آ ج میں آ پ بتاؤں کہ میرے آ قا صلی اللہ تعالی علیہ وآ لہ وسلم نے عورت کو کیا دیا اور اس کی عزت وآ برو کی کس طرح حفاظت کا اہتمام فرمایا۔

حضور نے عورت کو پسند فرمایا : اس میں عورتوں کے لئے یہ خوشخبری بھی ہے اور دعوتِ اسلام بھی کہ دو جہاں کے آ قا صلی اللہ تعالی علیہ وآ لہ وسلم نے ان سے اظہار پسندیدگی کرتے ہوئے فرمایا :

عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعجبه من الدنيا ثلثة : الطعام و النساء و الطيب، فأصاب اثنين ولم يصب واحدا، أصاب النساء والطيب ولم يصب الطعام .(۱)

یعنی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور علیہ السلام دنیا کی تین چیزوں کو پسند فرماتے تھے: کھانا، عورتیں اور خوشبو پس آ پ کو دو میسر آ ئیں اور ایک میسر نہ آ ئی، عورتیں اور خوشبو تو ملی لیکن کھانا نہ ملا۔

عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حبب اليَّ من الدنيا الطيب والنساء وجعلت قرة عيني في الصلوة .(۲)

یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مجھے

دنیا سے خوشبو اور عورتوں کی محبت دی گئی، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

کیا عورتوں کے لئے یہ باعث فخر نہیں کہ دو جہاں کے آقا صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پسندیدگی کا اظہار فرمایا، بلاشبہ یہ ان کے لئے بڑا اعزاز ہے اور کاش وہ یہ اعزاز بخشنے والے آقا صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی پسندیدہ، دوسری چیزوں یعنی خوشبو اور نماز کو پسند کرنے لگیں، تو قیامت میں بھی وہ آقائے رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے سایۂ عاطفت میں ہوں گی، کہ آپ کی پسند بلاشبہ سند نجات ہے، لیکن موقوف ہے دین کی پابندی، اعمال صالحہ اور نیکیوں پر۔

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ میں نے جہنم میں زیادہ عورتیں دیکھیں۔ نیز ایک مرتبہ خاندان بنو مخزوم کی کسی عورت نے چوری کی، اس پر حد جاری کی گئی، یعنی اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر ہوا۔ صحابہ کرام کو اس پر تشویش ہوئی، سرکار کے دربار میں سفارش بھیجی کہ اس عورت کی سزا معاف کر دی جائے یا تبدیل کر دی جائے۔ آپ نے فرمایا: قسم خدا کی اگر فاطمہ بنت محمد بھی یہ جرم کرے، تو اس پر بھی حد جاری ہو گی، کہ اللہ کے قانون میں کسی بڑے، چھوٹے کا امتیاز نہیں۔

غور فرمایئے! حضور علیہ السلام کو عورتیں پسند ہیں اور بلاشبہ عورتوں میں سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ ہیں۔ انہی سے ایک مرتبہ آپ نے فرمایا اے فاطمہ! نیکیاں کرو میری بیٹی اور لاڈلی ہونے پر ناز نہ کرو، پس جب لاڈلی بیٹی عمل سے دین کی پابندی سے آزاد نہیں کی گئی، تو امت کی عورتیں کیسے آزاد ہو سکتی ہیں؛ لہٰذا ہر عورت کو چاہیے کہ جب سرکار نے اسے پسند فرمانے کا مژدہ دیا ہے، تو وہ بھی آپ کو پسند کرے یعنی آپ کے عطا کردہ نظام حیات پر زندگی بسر کرے جو بلاشبہ عورت کی عزت وآبرو کا محافظ اور سکون وآرام کا ضامن ہے۔

دنیا کا بہترین سامان :

عن عبد اللّٰہ بن عمر و قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : الدنیا کلھا متاع وخیر متاع الدنیا المراۃ الصالحۃ .(۳)

یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ساری دنیا سامان ہے، اور دنیا کا بہترین سامان نیک عورت ہے۔

اللہ اکبر، میری پیاری ماؤں اور بہنو! ذرا دیکھو کہ عورتوں کا مقدر کتنا قابل رشک ہے، اور وہ کس قدر منظور نظر ہیں آقائے رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کہ دنیا کی بیشمار نعمتوں میں انہیں سب سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ کیا اب بھی کوئی عورت کہہ سکتی ہے کہ اسلام نے اس کی حقارت کی ہے، اس سے بڑا عورتوں کے لئے کیا اعزاز ہوسکتا ہے؛ لیکن 'صالحہ' کی صفت نہ بھولیے کہ عورت دنیا کا بہترین سامان ہے، جبکہ وہ نیک ہو، دین کی پابندی کرتی ہو، اعزاز بخشنے والے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کو دل و جان سے قبول کرتی ہو اور ان پر عمل پیرا ہو؛ ورنہ اس اعزاز سے محروم ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا :

عن اسامۃ بن زید قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما ترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء . (۴)

یعنی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا میں نے اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ نہ چھوڑا، جو مردوں کے لئے عورتوں سے زیادہ نقصان پہنچانے والا ہو۔

یعنی عورت جب دین سے دور، اور آزادی کا شکار ہو جائے، اسے برقعہ تو در کنار دوپٹہ بھی اوڑھنے میں شرم آنے لگے، نماز کی پابندی، قرآن کی تلاوت کو وہ پرانے وقتوں کی بات سمجھنے لگے، غیر مردوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اس کا معمول بن جائے، گھر کی چہار

دیواری سے زیادہ اسے ہوٹلوں اور کلبوں کی روشنیاں پسند آنے لگیں، تو وہی عورت جو دنیا کا بہترین سامان قرار دی گئی تھی، مردوں کے لئے بدترین فتنہ بن جاتی ہے۔

اس کی وجہ سے گھروں میں جھگڑے ہونے لگتے ہیں۔ عیاش مرد، اپنی بیوی، بیٹی، بہن حتی کہ ماں تک سے لاپرواہو کر اپنی دولت' عیاش عورت پر لٹانے لگتا ہے۔ اسی کی وجہ سے شراب کے جام چھلکنے لگتے ہیں۔ اسی کی وجہ سے جوئے کے اُڈے چلتے، اور نوبت قتل و غارت تک آ جاتی ہے۔ یہ عورت' بڑی فتنہ بن جاتی ہے۔ ایسی ہی عورت کو قرآن کریم نے سزا دینے اور مارنے تک کا حکم دیا، اور ایسی ہی عورت سے بچنے کا اہتمام فرماتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ نیک عورت سے نکاح کرو صرف مال و جمال وحسب نسب پر نظر نہ رکھو کہ مال بھی عارضی ہے جمال ونسب بھی عارضی، صرف صالحیت اور نیکی باقی رہنے والی خوبی ہے، اور ایسی عورت دنیا کی بہترین نعمت قرار پاتی ہے۔ ایسی ہی عورت ایک کامیاب بیوی، ایک اچھی ماں، ایک اچھی بیٹی اور ایک اچھی بہن بن سکتی ہے۔

عورتوں کی خدمت : میرے آقا صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے مردوں کو عورتوں سے محبت، ان کی خدمت اور ان کے حقائق کی ادائیگی کی جس انداز سے تعلیم دی ہے اس کی نظیر کسی قائد ور ہبر کی تعلیمات میں نہیں ملتی۔

عورتوں میں سے افضل واعلی مرتبہ ومقام ماں کا ہے جس کے قدموں کے نیچے آپ نے جنت کا پتہ دیا۔ ماں کی خدمت واطاعت کو اسلام نے جس قدر اہمیت دی ہے وہ سب جانتے ہیں کہ اس کو فرض عبادات کے بعد سب سے افضل قرار دیا گیا؛ بلکہ جن عبادات کے لئے ماں کو چھوڑ کر سفر کرنا پڑے، اور ماں کی خدمت کرنے والا کوئی دوسرا نہ ہو ان عبادات کو موخر کرنے کا حکم دیا گیا، مثلاً حج اور جہاد۔

نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو اگر چہ اپنی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالی عنہا کی خدمت کا موقع نہ ملا، کہ ان کے انتقال کے وقت آپ کی عمر شریف، صرف چھ

سال کی تھی لیکن آپ ہمیشہ ان کو یاد کر کے غمزدہ ہوتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی روایت کے مطابق، حجۃ الوداع کے سفر میں آپ ماں کی قبر پر حاضر ہوئے، اس وقت آپ بہت غمزدہ تھے، آنکھوں سے آنسو جاری تھے، زیارتِ قبر سے جب آپ واپس تشریف لائے تو میں نے آپ کے نوارنی چہرے پر خوشی کے آثار دیکھے۔ تو میں نے سوال کیا کہ جب آپ قبر کی طرف تشریف لے جارہے تھے تو بہت غمزدہ تھے اور اب خوش نظر آرہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟۔

آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ میری ماں کو زندہ کردے، تاکہ میں ان کو بھی کلمہ پڑھا دوں، پس اللہ نے میری دعا قبول فرمائی وہ زندہ ہوئیں، کلمہ پڑھا اور پھر آرام فرمانے لگیں؛ بہرحال حضور علیہ السلام کا ماں کے لئے غمزہ ہونا اوران کے ایمان پر خوش ہونا ماں سے محبت کا ایک نمونہ پیش کرتا ہے۔

آپ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالی عنہا تو آپ کے بعد تک زندہ رہیں، آپ نے ساری زندگی ان کے ساتھ جو اچھا برتاؤ کیا وہ ہمارے لئے ایک بہترین نمونہ ہے کہ جب بھی وہ حضور علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوتیں آپ ان کے احترام میں کھڑے ہوجاتے، ان کے لئے اپنی چادر بچھاتے اور حاضرین کو چھوڑ کر ان سے گفتگو میں مصروف ہوجاتے۔ یہ اعلانِ نبوت سے پہلے کی بات ہے کہ جب آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کو ان کے حالات بتائے تو خود بہت افسردہ ہوگئے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اپنی ساس کو، چالیس بکریاں اور کئی اچھے، جوان اونٹ پیش کئے جنہیں قبول کر کے حضرت حلیمہ خوش ہوئیں، ماں کی خوشی کو دیکھ کر آپ کا بھی چہرہ مبارک چمکنے لگا۔ حضرت حلیمہ اوران کے شوہر جب مشرف باسلام ہوئے تو نبی مکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم پر مسرت کے خاص آثار نمایاں ہوئے۔ ماں سے محبت اوران کے احترام کے لئے حضور علیہ السلام کا اپنی مقدس چادر بچھانے کا واقعہ متعدد

بار پیش آیا، ایسے ہی ایک موقع کا ذکر اس حدیث میں موجود ہے :

عن ابی الطفیل قال رایت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یقسم لحما بالجعرانة اذ اقبلت امراة حتی دنت الی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فبسط لها ردائه فجلست علیه . فقلت من هی فقالوا هی امه التی ارضعته . (۵)

یعنی حضرت ابو الطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے نبی مکرم علیہ السلام کو مقام جعرانہ پر گوشت تقسیم کرتے دیکھا کہ اسی دوران ایک عورت آئی اور حضور علیہ السلام کے بالکل قریب پہنچ گئی، پس اس کے لئے آپ نے اپنی چادر بچھائی اور وہ اس پر بیٹھ گئی۔ میں نے کہا یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا یہ حضور علیہ السلام کی والدہ ہیں، جنہوں نے آپ کو دودھ پلایا۔

اسلام نے ماں کے بعد، عورتوں کے گروہ میں مردوں کے لئے ان کی بیویوں کو اہمیت دی ہے اور مرد کو اچھی بیوی سے اچھے برتاؤ کی ہدایت کی ہے، اس طرح کہ ہر مرد پر اپنی بیوی کے لئے اپنی استطاعت کے مطابق رہنے کے لئے مکان، اچھے کھانے، پینے اور لباس کا انتظام کرنے کی ذمہ داری عائد کی، نیز مرد کو بیوی سے محبت کرنے اس کی اچھی تربیت کرنے کا حکم دیا، اس کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی تاکید کی، اس سے لڑنے جھگڑنے، اس کو مارنے پیٹنے سے منع فرمایا۔ درج ذیل ارشادات پر غور کیجئے اور عورتوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کا طریقہ سیکھئے :

عن ابی هریره قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ان المرأة خلقت من ضلع لن تستقیم لک علی طریق فان استمتعت بها استمتعت بها و بها عوج وان ذهبت تقیمها کسرتها و کسرها طلاقها . (۶)

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: بیشک عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، لہٰذا تمہارے لئے کبھی سیدھی نہ ہو گی، تو اس سے اور اس کی کجی سے فائدہ اٹھاؤ، اگر اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ ڈالو گے، اور اس کا توڑنا طلاق ہے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا یفرک ممن ممن ان کره منها خلقا رضی منها اخر . (۷)

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: کوئی مومن مرد کسی مومنہ بیوی سے نفرت نہ کرے کہ اگر اس کی ایک عادت ناپسند ہے تو دوسری عادت سے خوش بھی ہوگا۔

عن عائشة قالت قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم خیرکم خیرکم لاهله وانا خیرکم لاهلی واذا مات صاحبکم فدعوه. (۸)

یعنی ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: تم میں سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہے۔ اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں اور جب تمہارا کوئی ساتھی فوت ہو جائے تو اس کا پیچھا چھوڑ دو۔

عن حکیم بن معاویة القشیری عن ابیه قال قلت یارسول اللّٰه ما حق زوجة احدنا علیه قال ان تطعمها اذا طعمت وتکسوها اذا اکتیست ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا تهجر الا فی البیت. (۹)

یعنی حکیم بن معاویہ قشیری نے اپنے والد سے روایت کی کہ میں نے حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ ہم پر ہماری بیویوں کا کیا حق ہے پس آپ نے فرمایا، جو تم کھاؤ، اسے بھی کھلاؤ جب تم پہنو اسے بھی پہنا، اور اس کے منہ پر نہ مارو، اور

اسے جدا نہ کرومگر گھر میں۔

عن ابی هريرة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم اكمل المؤمنين ايمانا احسنهم خلقا وخياركم لنسائهم . (۱۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مسلمانوں میں کامل ایمان والے وہ ہیں جن کا اخلاق اچھا ہے اورتم میں سے اچھے وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے ہیں۔

ان اِراشادت کے علاوہ متعدد احادیث ملتی ہیں، جن میں شوہروں کو بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کا حکم دیا گیا؛ لیکن اسی کے ساتھ عورتوں پر بھی مردوں کے حقوق کی وضاحت کی گئی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیوی کے لئے سب سے بلند مرتبہ حتی کہ ماں، باپ سے بھی زیادہ اس کا شوہر ہے عورت پر شوہر کی اطاعت واجب ہے یہاں تک کہ وہ نفلی عبادت بھی شوہر کی اجازت کے بغیر نہیں کرسکتی۔اسے شوہر کی عزت وآبرواور امل ومتاع کا محافظ قرار دیا گیا ہے۔شوہر کے عیوب اور کمزوریوں کی پردہ پوشی بھی اس کی ذمہ داری ہے۔شوہر کی ہر طرح خدمت، اس کی ضروریات کا خیال رکھنا اس کو ہر طرح سے خوش رکھنے کی کوشش کرنا، اس کے فرائض میں شامل ہے۔گھر کی دیکھ بھال، بچوں کی اچھی تربیت اس کا کام ہے، مختصر یہ کہ مرد عورت سے پوری طرح محبت کرےاور عورت اس کی اطاعت کرےاور جب دونوں اپنی اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہیں، تو گھر جنت بن جاتا ہے، سکون وطمانیت کی زندگی میسرآتی ہے، اور گھر کی ہر چیز میں برکت ہوتی ہے۔

عورتوں کے ساتھ ایک شوہر کی حیثیت سے حضور علیہ السلام نے دوسرا نکاح نہ کیا، ان سے آپ کی محبت اور اچھے برتاؤ ہی کا یہ نتیجہ سامنے آیا کہ انہوں نے نہ صرف اپنا سارا مال ومتاع حضور علیہ السلام پر قربان کیا بلکہ آپ کی عظمت اور خوبیوں کا بھی برملا اعتراف کیا اور پہلی وحی کے نزول کے چند گھنٹے بعد ہی سب سے پہلے آپ نے اسلام قبول کیا،

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کے بعد میرے آقا صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے دا امہات المومنین کے ساتھ زندگی بسر کی، لیکن ہمیں ایسا واقعہ کہیں بھی نہیں ملتا، جس سے معلوم ہو کہ آپ نے کبھی اپنی کسی بیوی کو مارا، پیٹا یا برا کہا یا کوئی سزا دی ہو۔ صرف ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ سب اَزواج مطہرات نے اجتماعی طور پر آپ سے اپنے اخراجات کے اضافہ کا مطالبہ کیا جس کا نبی مکرم علیہ السلام کو سخت صدمہ ہوا لیکن اس موقع پر بھی ثابت نہیں کہ آپ نے اپنی بیویوں کے ساتھ کوئی بدسلوکی کی ہو بلکہ آپ خاموش ہو گئے اور بطور سزا ایک ماہ کے لئے آپ نے سب سے علیحدگی اختیار فرمائی؛ غرضیکہ آپ ہمیشہ بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے رہے۔ جب گھر میں تشریف لاتے تو مسکراتے ہوئے داخل ہوتے۔ گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے، اور ہر طرح اَزاواج مطہرات کی دلجوئی کا خیال رکھتے، جس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے :

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا اپنا ایک واقعہ بیان کرتی ہیں کہ مجھے گڑیوں سے کھیلنے کا بہت شوق تھا (جو جائز ہے) جب حضور علیہ السلام باہر ہوتے میں اپنے کاموں سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر کھیل لیا کرتی تھی، اور پھر گڑیاں ایک طاق میں رکھ دیتی تھی جس پر پردہ پڑا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے انہیں دیکھ لیا، اور پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے بتا دیا کہ یہ میری گڑیاں ہیں جن سے میں کھیلتی ہوں۔ ان میں ایک گھوڑا بھی تھا، جس کے اوپر دو پر لگے ہوئے تھے۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟۔ میں نے عرض کیا یہ گھوڑا ہے۔ آپ نے فرمایا: لیکن گھوڑے تو پردار نہیں ہوتے !۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم ! آپ نے نہیں سنا کہ سلیمان علیہ السلام کا گھوڑا پروں والا تھا۔ یہ سن کر آپ ہنس دیے۔

اس قسم کے متعدد واقعات احادیث وسیرت کی کتابوں میں موجود ہیں جو بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تعلیم دیتے ہیں اور جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ زندگی کے اس

شعبہ کی اِصلاح پر حضور علیہ السلام نے خصوصی توجہ فرمائی؛ کیونکہ یہی شعبہ زندگی ہمیشہ بیشمار خرابیوں کا شکار رہا ہے جبکہ اسی کو درست کر لینا پورے معاشرے کو تباہی سے بچا لینے کا ذریعہ ہے۔

ماں اور بیوی کے بعد، بیٹی اور بہن کا رشتہ ہے۔ ہر بیٹی اپنے باپ کی محبت بھری توجہ کی اور ہر بہن اپنے بھائی کے پیار کی خواہاں رہتی ہے؛ لیکن اسلام کے علاوہ کوئی مذہب کوئی قانون نہیں جو بیٹی اور بہن کی اس خواہش کو پورا کرنے کی ضمانت دے سکے۔ میرے آقا صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم بیٹی والوں کو ہدایت دیتے ہیں :

عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من کانت لہ انثی یئدھا ولم یھنھا ولم یؤثر ولدہ علیھا یعنی الذکور ادخلہ اللّٰہ الجنۃ . (۱۱)

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: جس کی بیٹی ہو اور وہ اسے زندہ دفن نہ کرے، نہ اسے ذلیل کرے، اور نہ اپنے بیٹے کو اس پر ترجیح دے تو اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔

اب بیٹیوں کو دفن کرنے کا زمانہ تو نہیں؛ تاہم انہیں کمتر سمجھنے، اور بیٹوں کو ان پر ترجیح دینے کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ جس گھر میں بیٹی پیدا ہو جائے وہاں اظہارِ غم کیا جاتا ہے، اور جہاں لڑکا پیدا ہو وہاں جشن کا سماں ہوتا ہے۔ یہ حماقت کے سوا کچھ نہیں خوش تو اسے ہونا چاہئے جس کے یہاں بیٹی پیدا ہو کہ وہ اس کے لئے جنت میں داخل ہونے کا وسیلہ بن کر آئی ہے۔ بیٹی کا باپ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کا مقرب و محبوب بن جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :

عن انس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من عال جاریتین حتیٰ تبلغا جاء یوم القیٰمۃ انا وھو وضم اصابعہ . (۱۲)

یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: جودو بیٹیوں کی پرورش کرے، یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں تو وہ قیامت کے دن حاضر ہوگا کہ وہ اور میں اس طرح ہوں گے،اور آپ نے اپنی دونوں انگلیوں کوملایا۔

عن سراقة بن مالک ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال الا ادلکم علی افضل الصدقة؟ ابنتک مردودة الیک لیس لها کاسب غیرک .(۱۳)

یعنی حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: کیا میں تمہیں بہترین صدقہ نہ بتاؤں؟ تمہاری وہ بیٹی جوتمہاری طرف لوٹا دی گئی ہو،اور تمہارے سوااس کے لیےکوئی کمانے والا نہ ہو۔

یہ مطلقہ بیٹی کوسہارا دیا جا رہا ہے،جس کے لئے ماں، باپ کچھ زیادہ ہی پریشان ہوتے اور کبھی اس کو بوجھ سمجھنے لگتے ہیں اور وہ غمزدہ ہرقسم کے طعنے سن کر لاچار و مجبور اپنی زندگی کے دن کاٹتی رہتی ہے۔آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خدمت کو بہترین صدقہ قرار دیا؛ تاکہ لوگ اس کو اپنے لئے اللہ کی رحمت جانیں، اور وہ ہنسی خوشی زندگی بسر کر سکے۔

حضور نبی کریم علیہ السلام کی اپنی چار صاحبزادیاں تھیں،جن میں سے دوحضرت رقیہ اور حضرت کلثوم، مطلقہ بھی ہوئیں۔آپ نے اپنی بیٹیوں کو جس طرح پالا اور انہیں جومحبت دی، وہ ہر باپ کے لئے ایک بہترین نمونہ ہے؛ بالخصوص سب سے چھوٹی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے آپ کو خصوصی انس تھا، جس کی گواہی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے دی، جب ان سے پوچھا گیا :

ایُّ الناس احب الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ؟ قالت فاطمة . فقیل من الرجال قالت زوجها... .(۱۴)

یعنی لوگوں میں سے حضور علیہ السلام کو سب سے پیارا کون تھا؟۔آپ نے فرمایا: فاطمہ۔کہا گیا: مردوں میں سے؟۔فرمایا: ان کے شوہر۔

حضور اقدس علیہ السلام کا معمول تھا کہ دن میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور اپنی پیاری بیٹی کے گھر تشریف فرما ہوتے تھے؛ نیز جب سفر پر تشریف لے جاتے تو اخیر میں عین روانگی کے وقت بیٹی سے ملنے آتے، اور واپسی پر سب سے پہلے ان کے پاس آتے، اور خیریت معلوم کرتے تھے۔آپ جب بھی بیٹی سے ملتے ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے تھے۔ وہ آپ کی محرم راز تھیں،بعض باتیں دوسروں پر ظاہر نہ فرماتے لیکن بیٹی کو بتا دیتے تھے۔

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے چند ہی دن پہلے کا واقعہ ہے، جس کو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے بیان کیا ہے کہ آپ علیل تھے، اور آپ کی سب اَزواج آپ کے گرد جمع تھیں کہ فاطمہ پہنچ گئیں، آپ نے ان کو قریب بٹھایا اور کان میں کچھ فرمایا تو وہ رونے لگیں اور بہت زیادہ روئیں۔

آپ نے ان کا غم دیکھا، تو دوبارہ کان میں کچھ کہا تو وہ ہنسنے لگیں۔ام المومنین رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے فاطمہ کے رونے اور پھر اچانک ہنسنے کی وجہ جاننے کی بے چینی ہوئی۔میں نے ان سے پوچھا کہ بتاؤ،حضور علیہ السلام نے تم سے کیا کہا؛ لیکن انہوں نے بات نہ بتائی اور کہا کہ میں حضور علیہ السلام کا راز فاش نہیں کر سکتی۔جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے۔تو پھر میں نے فاطمہ سے کہا میں تمہیں اس حق کا واسطہ دیتی ہوں جو میرا تم پر ہے، اب تو حضور تشریف لے جا چکے ہیں وہ بات بتا دو، پس وہ راضی ہوگئیں اور بولیں کہ پہلی مرتبہ حضور علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ جبرئیل ہر سال میرے ساتھ قرآن کریم کا ایک مرتبہ دور کرتے تھے، اور اس سال دو مرتبہ دور کیا ہے، معلوم ہوتا ہے اب میرے رخصت ہونے کا وقت آ گیا ہے؛ لہٰذا بیٹی اللہ سے ڈرنا، اور صبر کرنا؛ کیونکہ میں تمہارے لئے اچھا پیش رو ہوں۔یہ سن کر میں روئی، آپ نے میری

پریشانی دور کرتے ہوئے دوبارہ فرمایا: تمہارے لئے یہ خوشخبری ہے کہ میری اہل بیت میں سب سے پہلے تم مجھ سے ملوگی، یہ سن کر میں خوش ہوئی اور ہنسنے لگی۔ (اور پھر حضرت فاطمہ چھ ماہ بعد ہی حضور علیہ السلام سے جاملیں)۔

حضور علیہ السلام نے حضرت فاطمہ سے مختلف انداز سے اظہار محبت فرمایا، کبھی انہیں، خیر نساء ہٰذہ الامہ، اس امت کی بہترین عورت قرار دیا۔ کبھی سیدۃ نساء العالمین، تمام جہانوں کی بہترین عورت فرمایا۔ تو کبھی سیدۃ نساء اہل الجنۃ، جنتی عورتوں کی سردار کے خطاب سے نوازا؛ نیز ان سے اپنی محبت کا واضح اعلان اس طرح فرمایا :

عن المسور بن مخرمة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال فاطمة بضعة منی فمن اغضبها اغضبنی —و فی روایة— یریبنی ما أرابها ویؤذینی ما آذاها .(۱۵)

یعنی حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: فاطمہ، میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ چیز مجھے پریشان کرتی ہے جو اسے پریشان کرتی ہے، اور مجھے تکلیف دیتی ہے جو اسے تکلیف دیتی ہے۔

بیوہ کے ساتھ اچھا برتاؤ : عورتوں میں کمزورترین طبقہ ان بیوہ عورتوں کا ہے جن کو قدرت نے شوہر کے سہارے سے محروم کردیا ہے، اور اب وہ بے یارومددگار اور بے مونس وغمخوار ہیں، اب ان کی زندگی تفکرات اور خطرات سے پُر ہے۔ معاشی بدحالی ان کے سامنے ہے۔ بچوں کی تعلیم وتربیت کی فکر ہے۔ اعزاواقربا سب ہی منہ پھیرتے نظر آتے ہیں۔ ہواوہوس کے بھیڑیوں کی بری نظریں ہر وقت اس لاچارومجبور کا تعاقب کرتی رہتی ہیں۔ الزامات کے پتھر اس غمزدہ کے دل کو مزید گھائل کرتے ہیں؛ غرضیکہ اب وہ بے سہارا مجبور ہے، بے تاج ہے، اس کا کوئی قوام نہ رہا، کوئی کفیل نہ رہا، وہ اس بات کی سب

سے زیادہ مستحق ہے کہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے؛ لیکن کسی نے اس پر توجہ نہ دی، بلکہ اس کو مزید ظلم وستم میں مبتلا کیا گیا جس کا مختصر خاکہ ملاحظہ ہو :

یہودی مذہب میں بیوہ کا مالک اس کے دیور کو قرار دیا گیا ہے، وہ جس طرح چاہتا اس کے ساتھ معاملہ کرتا تھا۔ عورت کسی معاملہ میں حتی کہ اپنے جسم کے استعمال پر بھی مداخلت کا حق نہ رکھتی تھی۔

عیسوی مذہب میں اگر چہ یہ جبری قانون نہ تھا؛ لیکن اس کے علاوہ بیوہ کے تحفظ کے لئے بھی کوئی قانون موجود نہ تھا۔

ہندو مذہب بیوہ کو زندہ رہنے کا حق بھی نہیں دیتا؛ بلکہ اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کی چتا سے لیٹ کر خود کو آگ کے حوالے کردے۔ اور اگر زندہ رہے تو ساری زندگی سوگ میں بسر کرے، نہ خوشی کی محفل میں اس کو شریک ہونے کی اجازت اور نہ ہی وہ کسی تہوار وغیرہ پر خوشی منانے کا حق رکھتی ہے۔

عربوں میں یہ رواج تھا کہ بیوہ شوہر کے دوسرے مال ومتاع کی طرح وارثوں کی ملکیت بن جاتی تھی جو اسے انسانی حقوق تک سے محروم کر کے زندگی کے دن کاٹنے پر مجبور کر دیتے تھے؛ غرضیکہ اس غریب کو کسی نے سہارا نہ دیا، کسی نے اس کی عزت وآبرو کا تحفظ نہ کیا، کسی نے اس کے حقوق دلانے پر توجہ نہ دی۔ اسلام چوں کہ دین پر رحمت ہے، بے سہاروں کو سہارا مہیا کرنا، اور حق داروں کو حق دلانا اس کے اوّلین مقاصد میں سے ہے۔ اس نے کمزور عورت کو مرد کا سہارا دے کر طاقتور بنا دیا، اور کمزور ترین بیوہ کے تعاون کو عبادت قرار دے کر ذریعہ ثواب قرار دے کر پوری امت کو اس کی طرف متوجہ کیا۔ اس سلسلہ میں حدیث پاک شہادت سماعت کریں :

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الساعی علی الارملة والمسكين كالمجاهد فی سبيل الله

واحسبه قال –کالقائم لا یفتر و کالصائم لا یفطر– .(١٦)

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا: بیواؤں اور مسکینوں کی خبر گیری کرنے والا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔اور میرے خیال میں فرمایا: اس قیام کرنے والے کی طرح جونہ تھکے اور اس روزے دار کی طرح ہے جو روزہ نہ چھوڑے۔

نبی رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک کی بیواؤں کو سہارا ہی دینے کے لئے یہ عملی نمونہ پیش فرمایا کہ پچیس سالہ بھرپور جوانی کی عمر میں آپ نے چالیس سالہ، ادھیڑ عمر کی عورت سے پہلا نکاح کیا؛ نیز سوائے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کے بیوہ عورتوں کو آپ نے اپنے حرم مقدس میں لیا۔آپ کا یہ عمل مبارک پوری امت کے لئے دعوت ہے کہ بیوہ عورت سے نکاح کرنا معیوب نہ سمجھا جائے بلکہ سنت رسول صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سمجھ کر اسی کو ترجیح دی جائے؛ تاکہ نکاح کے ثواب کے ساتھ بیوہ کا سہارا بننے کا بھی اجر وثواب حاصل ہو۔

خواتین ملت اسلامیہ! اخیر میں عرض ہے کہ عورت کو اس حقیقت کے تسلیم کر لینے میں نہ کوئی مضائقہ ہے اور نہ نقصان کہ وہ جبلی اور پیدائشی طور پر کمزور ہے۔اس کے اعضا کی ساخت میں نزاکت ہے۔بات یاد آئی تو عرض کرتی چلوں کہ ایک سفر کے دوران حضور علیہ السلام کی ازواج اور کچھ دوسری عورتیں اونٹوں پر سوار تھیں، اونٹ ہانکنے والے نے گانا شروع کر دیا جس سے اونٹ دوڑنے لگے، آپ نے فرمایا :

اےاَنجشہ ! **رویداً سوقک بالقواریر**. شیشوں کو آہستہ لے کر چلو۔

یعنی میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم عورت کو شیشہ کی طرح نازک قرار دے رہے ہیں پس عورت کو چاہیے کہ وہ اپنی کمزور اور نزاکت کو تسلیم کر لے، اور مطمئن رہے کہ اس حقیقت کو ماننے کا ہرگز یہ مطلب نہ ہوگا کہ وہ مظلوم ہے یا محتاج، کہ ہر کمزور و نازک مظلوم و

محتاج نہیں ہوتا؛ بلکہ محبوب بھی ہوتا ہے اور محبّ، تقاضہ محبت کی تکمیل کے لئے اس کے لئے اس کا محافظ اور مددگار رہوتا ہے۔

دیکھئے بچہ کمزور بھی ہے اور نازک بھی؛ لیکن نہ مظلوم ہے نہ محتاج۔ اس کے لئے والدین کے دل میں اللہ نے اس کو ایسی محبت پیدا فرمادی کہ وہ اس کی نگرانی اور خدمت پر ماموروِ مجبور ہیں اور ان کا یہ عمل بچے پر احسان نہیں بلکہ اپنی فطری اخلاقی اور مذہبی ذمہ داری سے سبکدوشی ہے۔ عورت کمزور و نازک ہے اللہ نے اسے مرد کا محبوب و مرغوب بنا کر مرد کو اس کے لئے قوّام مقرر کیا کہ مرد کو اس کی نگرانی، اس کی ضروریات کی فراہمی کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ وہ عورت کے ساتھ جو کچھ کرتا ہے اس کا عورت پر ہرگز احسان نہیں، اس کی محبت کا تقاضہ ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری کرے، اسلام اسی تقاضہ محبت کی تکمیل کرتا ہے، اور انہی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا حکم دیتا ہے۔

فیشن و ترقی کے نام پر عورت کے ساتھ جو کچھ ہوتا رہا اور ہو رہا ہے، وہ درحقیقت مرد کا اپنی ذمہ داریوں سے فرار ہے، جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ یہ نازک شیشے گلی، کوچوں اور بازاروں میں بکھرے پڑے ہیں جو چاہتا ہے ان کو کچلتا چلا جاتا ہے۔ اسلام ان کی حفاظت چاہتا ہے، مرد کو ان کا محافظ قرار دیتا ہے، اور عورتوں کو ان کی پناہ میں بے خوف و خطر پرسکون زندگی بسر کرنے کی دعوت دیتا ہے اس کو عورت کا اپنی آزادی کے خلاف خیال کرنا خود اپنے اوپر ظلم ہے۔

اللہ اور اس کے رسول نے اس کے لئے قید و بندش کو بہتر سمجھا مگر اس نے گھر سے باہر نکل کر اپنی آبرو کو خطرے میں ڈالا۔ چادر اور پردے کا حکم اس کے حسن کی قدر و منزلت بڑھانے کے لئے دیا گیا، لیکن اس نے عریانیت اختیار کر کے اپنے حسن و جمال کو اَرزاں کر دیا۔ شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم اسے غلط روی اور غیروں کی ہوس کا شکار ہونے سے بچنے کے لئے دیا گیا؛ لیکن اس نے اس کو غلامی کا نام دیا اور شوہر سے بغاوت

کر کے اپنی عزت وعصمت کو خود ہی پامال کر ڈالا۔ اسے ماں کا تقدس ملا تا کہ یہ بچوں کی اچھی تربیت کر کے معاشرے کو اچھے انسان فراہم کرے؛ لیکن اس نے بچوں کو اپنے لئے بوجھ سمجھا، ان کی تربیت پر توجہ نہ دی، لہٰذا یہ معاشرہ اسی کے لئے سب سے زیادہ لٹیروں اور ڈاکوؤں کا معاشرہ بن گیا؛ غرضیکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے عورت کو تحفظ دیا اس کے مقام کو بلند کرنے کا اہتمام کیا؛ لیکن عورت نے خود اپنے اوپر ظلم کیا اور اپنے لیے ذلت وخواری اختیار کر لی۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ ہماری عورتوں کو اپنا صحیح مقام سمجھنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ واجمعین۔ وماعلینا الا البلاغ المبین۔

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح:۱۳۹/۳حدیث:۵۲۶۰......مسند احمد بن حنبل:۲/۶ ۲حدیث:۲۴۴۸۴......مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:۲۳۳/۱۱حدیث:۱۸۲۵۵......غایۃ المقصد فی زوائد المسند:۳۱۲۹/۲۔

(۲) سنن نسائی:۶۱/۷حدیث:۳۹۳۹......مسند احمد بن حنبل:۱۲۸/۳حدیث:۱۲۳۱۵......مسند ابویعلی:۵۰/۸ حدیث: ۳۴۳۶...... مشکوٰۃ المصابیح:۱۴۰/۳حدیث: ۵۲۶۱...... تفسیر ابن ابی حاتم: ۱۳/۱۲ حدیث: ۳۲۹۶......مستخرج ابوعوانہ:۲۹۴/۸حدیث:۳۲۶۱......سنن بیہقی:۱۸۰/۲حدیث:۱۳۸۳۶۔

(۳) سنن نسائی: ۶۹/۶حدیث: ۳۲۳۲...... صحیح ابن حبان:۳۴۰/۹ حدیث:۴۰۳۱...... مسند احمد بن حنبل: ۱۶۸/۲حدیث: ۶۵۶۷...... مسند بزار:۴۱۵/۶حدیث: ۲۴۴۱...... مشکوٰۃ المصابیح:۱۹۹/۲ حدیث: ۳۰۸۳......سنن صغریٰ:۲۰۲/۲حدیث:۲۴۵۴......سنن بیہقی:۱۹۶/۲حدیث:۱۳۸۵۰۔

(۴) صحیح بخاری: ۱۹۵۹/۵حدیث: ۴۸۰۸......صحیح مسلم:۲۰۹۷/۴حدیث: ۲۷۴۰......سنن ترمذی: ۱۰۳/۵ حدیث: ۲۷۸۰......سنن ابن ماجہ:۱۳۲۵/۲ حدیث: ۳۹۹۸...... صحیح ابن حبان:۳۰۶/۱۳ حدیث: ۵۹۶۷...... مصنف ابن ابی شیبہ:۴۶/۴ حدیث: ۱۷۶۴۲......مصنف عبدالرزاق:۳۰۵/۱۱ حدیث:۲۰۶۰۸......مسند حمیدی:۲۴۹/۱حدیث:۵۴۶۔

(۵) سنن ابی داؤد:۷۵۸/۲ حدیث: ۵۱۴۴......صحیح ابن حبان: ۴۴/۱۰حدیث: ۴۲۳۲...... مستدرک حاکم:۱۷۳/۳ حدیث: ۶۵۹۵...... مسند ابویعلی موصلی:۳۷۵/۲ حدیث:۸۶۴...... مشکوٰۃ المصابیح: ۷۰/۳حدیث:۴۹۳۷......الادب المفرد بخاری:۴۴۰/۱حدیث:۱۲۹۵......شرح السنۃ:۲۷۷/۶۔

(۶) صحیح مسلم:۱۰۹۰/۲حدیث:۱۴۶۸......صحیح ابن حبان:۴۸۶/۹ حدیث:۴۱۷۹...... مسند حمیدی: ۴۹۲/۲

حدیث:۱۱۶۸......مشکوٰۃ المصابیح:۲/۲۳۶حدیث:۳۲۳۹......شعب الایمان:۱۸/۲۳۵ حدیث: ۸۴۶۶
......مستخرج ابوعوانہ:۹/۲۴۴حدیث:۳۶۵۱......جمع الجوامع:۱/۳۴۶۷حدیث:۵۲۲۔

(۷) صحیح مسلم:۲/۱۰۹۱احدیث:۴۶۹...... مسند احمد بن حنبل: ۲/۳۲۹ حدیث:۸۳۴۵...... مشکوٰۃ المصابیح:۲/۲۳۶حدیث:۳۲۴۰......سنن بیہقی:۲/۱۹۸احدیث:۱۵۱۲۴۔

(۸) سنن ابوداؤد:۲/۶۹۲حدیث:۴۸۹۹......سنن ترمذی:۵/۷۰۹ حدیث:۴۸۹۵...... صحیح ابن حبان:۷/۲۸۸ حدیث:۳۹۱۸......سنن دارمی:۷/۸۹ حدیث:۲۳۱۵......مشکوٰۃ المصابیح:۲/۲۳۸ حدیث:۳۲۵۲......جمع الجوامع سیوطی:۱/۳۱۴۷حدیث:۲۸۰۶۔

(۹) صحیح بخاری:۵/۱۹۹۶......سنن ابوداؤد:۱/۶۵۱ حدیث:۲۱۴۲......مصنف عبدالرزاق:۷/ ۱۴۸ حدیث۱۲۵۸۴......سنن کبریٰ نسائی:۵/۳۷۳حدیث:۹۱۷۱......شرح السنۃ بغوی:۵/۷۷۔

(۱۰) سنن ترمذی: ۳/۴۶۶حدیث: ۱۱۶۲......صحیح ابن حبان:۹/۴۸۳حدیث:۴۱۷۶......مصنف ابن ابی شیبہ:۵/۲۱۰حدیث:۲۵۳۱۸...... مسند احمد :۲/۲۵۰حدیث:۷۳۹۶...... مسندابویعلی موصلی:۱۲/۱۸۱ حدیث:۵۷۹۳......مسندحارث:۲/۸۱۶حدیث:۴۸۴......مشکوٰۃ:۲/۲۴۱حدیث:۳۲۶۴۔

(۱۱) سنن ابی داؤد:۲/۷۵۹حدیث:۵۱۴۶...... مصنف ابن ابی شیبہ:۵/۲۲۱حدیث:۲۵۴۳۵...... مسند احمد:۱/۲۲۳حدیث:۱۹۵۷......مشکوٰۃ المصابیح:۳/۷۹حدیث:۴۹۷۹......شعب الایمان:۶/۴۱۰ حدیث:۸۶۹۹......الآداب بیہقی:۱/۱۷احدیث:۲۴......جمع الجوامع:۱/۲۴۳۰۱۔

(۱۲) صحیح مسلم:۴/۲۰۲۷حدیث:۲۶۳۱...... مشکوٰۃ المصابیح:۳/۷۳حدیث:۴۹۵۰...... جامع الاصول من احادیث الرسول:۱/۲۱۲حدیث:۲۱۲......مسندالصحابہ فی الکتب التسعہ :۲۰/۲۹۳حدیث:۳۲۲......ریاض الصالحین:۱/۱۹۲احدیث:۴۔

(۱۳) سنن ابن ماجہ:۲/۱۲۰۹احدیث:۳۶۶۷...... مسند احمد بن حنبل:۴/۱۷۵احدیث:۱۷۶۲۲...... مشکوٰۃ: ۳/۸۴حدیث:۵۰۰۲......معجم کبیر طبرانی:۶/۲۵۲حدیث:۶۴۶۲......جمع الجوامع:۱/۲۶۹۶۹۔

(۱۴) سنن ترمذی:۵/۷۰۱حدیث:۳۸۷۴...... مستدرک حاکم:۳/۱۷احدیث:۴۴۷۴......مشکوٰۃ المصابیح:۳/۳۴۲حدیث:۶۱۴۶......مشکل الآثار طحاوی:۱۱/۴۷۵حدیث:۴۶۲۷۔

(۱۵) صحیح بخاری:۳/۱۳۶۱احدیث:۳۵۱۰...... صحیح مسلم:۴/۱۹۰۲احدیث:۲۴۴۹...... سنن ترمذی:۵/۶۹۸ حدیث:۳۸۶۹...... مصنف ابن ابی شیبہ:۶/۳۸۸حدیث:۳۲۲۶۹...... مشکوٰۃ المصابیح:۳/۳۳۸ حدیث:۶۱۳۰......معجم کبیر طبرانی:۱۶/۲۵۸حدیث:۱۸۴۴۴......مستخرج ابی عوانۃ:۹/۵حدیث:۳۴۴۲۔

(۱۶) صحیح بخاری:۵/۲۲۳۷حدیث:۵۶۶۱...... صحیح مسلم:۴/۲۲۸۶حدیث:۲۹۸۲...... سنن ترمذی:۴/ ۱۶۴حدیث:۱۶۱۹......سنن ابن ماجہ:۲/۹۲۰حدیث:۲۷۵۴......سنن نسائی:۵/۸۶حدیث: ۲۵۷۷ ......صحیح ابن حبان:۱۰/۵۵حدیث:۴۲۴۵......مصنف عبدالرزاق:۱۱/۲۹۹حدیث:۲۰۵۹۲۔

خواتینِ اسلام کی شب خیزیاں اور اَشک ریزیاں

الحَمدُ لِلّٰہِ حَقَّ الْحَمدِ، وَ الشُّکرُ لِلّٰہِ عَلَی کُلِّ نِعْمَۃٍ أنْعَمَ بِھَا عَلَیْنَا فِی قَدِیمٍ أوْ حَدِیثٍ، أوْ عَامۃٍ أوْ خَاصۃٍ، أو سِرٍّ أوْ عَلانِیَّۃٍ، وَ الصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلٰی مَنْ عَلَّمَنَا الحِکْمَۃَ، وَ أرْشَدَنَا إلٰی صِرَاطِ اللّٰہِ الْمُسْتَقِیم، وَعَلٰی آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ وَ التَّابِعِینَ لَھُمْ بِإحْسَانٍ إلٰی یَومِ الدِّیْنِ . أما بعد : فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم .

کَانُوا قَلِیْلاً مِنَ اللَّیْلِ مَا یَھْجَعُونَ ، وَ بِالاَسْحَارِ ھُمْ یَسْتَغْفِرُونَ o(سورۃ ذاریات:۵۱/۱۷،۱۸)

صدق اللّٰہ العلي العظیم و نحن علی ما قال ربنا لمن الشاھدین و الشاکرین والحمد للّٰہ رب العالمین .

محترم خواتین اسلام ! آج کی اس نشست میں شب خیزی اور اشک ریزی کے حوالے سے کچھ خاص باتیں آپ کے گوش گزار کرنا چاہ رہی ہوں۔آپ کومعلوم ہے کہ ایک مومن یا مومنہ کے لیے رات میں قیام کرنے اور بھیگی پلکوں کے ساتھ اللہ جل مجدہ کو یاد کرنے کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ ذرا سوچیں کہ بندہ اُس وقت اپنے مالک حقیقی کو پکارتا ہے جب سارا عالم گرم وسرد بستروں پر میٹھی میٹھی نیند کے مزے لے رہا ہوتا ہے...... وہ اپنے آقا ومولا کو منانے کے لیے اپنے راحت وآرام کو قربان کردیتا ہے...... وہ کبھی

قیام کی حالت میں رورو کر اسے یاد کرتا ہے تو کبھی رکوع وسجود میں جا کر اپنے عجز وانکسار کا اظہار کرتا ہے......اپنے بندے کی یہ اَدا اللہ رب العزت کو بے حد پسند ہے۔ وہ ایسے شب زندہ دار بندوں پر آسمان سے اَنوار وتجلیات کی بارشیں نازل فرماتا ہے اور انھیں اپنے مقبول بندوں میں شامل فرما کر مستجاب الدعوات بنا دیتا ہے۔

قرآن وحدیث نے اس سلسلہ میں ہمیں بہت سی ہدایات دی ہیں اور ان میں بہت سارے فضائل ومناقب اس حوالے سے وارد ہوئے ہیں۔ تاریخ اسلام کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ مردوں کے ساتھ عورتوں میں بھی ایسی بہت سی ہستیاں گزری ہیں جن کی راتیں یادِ مولا میں بیتا کرتیں اور جن کی آنکھیں پوری شب' زار وقطار بہتی رہتیں۔

قرآن ایک مقام پر فرماتا ہے :

تَتَجَافٰی جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوفاً وَّ طَمَعاً وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَo (سورۂ سجدہ:۱۶/۳۲)

''ان کے پہلو اُن کی خواب گاہوں سے جدا رہتے ہیں اور اپنے رب کو خوف اور امید(کی ملی جلی کیفیت) سے پکارتے ہیں، اور ہمارے عطا کردہ رزق میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں''۔

یعنی اہل ایمان کی بہت سی صفات کے ساتھ ایک صفت یہ بھی ہے کہ جب دوسرے لوگ اپنے نرم وگداز بستروں پر محوِ استراحت ہوتے ہیں، گہری اور میٹھی نیند کے مزے لوٹ رہے ہوتے ہیں تو یہ دردِ محبت کے مارے اپنے پہلوؤں کو اپنے بستروں سے دور رکھتے ہیں، اور اپنے رب کے حضور میں دست بستہ کھڑے ہو کر کبھی اس کی حمد وثنا کرتے ہیں، کبھی اس کی بارگاہِ اقدس میں جبین نیاز جھکاتے ہیں، کبھی دعا کے لیے دامن پھیلا دیتے ہیں اور اپنے کریم ورحیم پروردگار سے اس کے فضل وکرم کی بھیک مانگتے ہیں۔ ان کے دعا کرنے اور مانگنے کا انداز بھی نرالا ہے۔ ساری رات اس کے ذکر میں گزر گئی؛ لیکن پھر بھی اپنی

کوتاہیوں کا اِحساس بے چین کر رہا ہے اور اس کی بے نیازی کا تصور کر کے دل کانپ رہا ہے؛ مگر اس کی بے نیازی اور اپنی کوتاہیوں کے شدید اِحساس کے باوجود مایوس نہیں ہیں بلکہ اس کے فضل و کرم پر تکیہ کیے ہوئے دامن پھیلا رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کا رب بڑا رحیم و کریم ہے، جو شخص اس کے حضور میں دست سوال پھیلاتا ہے اس کی شانِ کریمی اُسے خالی واپس نہیں کرتی، بیم و رجا کی اسی کشمکش میں وہ اپنے شب و روز گزارتے ہیں۔

گویا اُن کی راتیں پریشاں حال ہوتی ہیں۔ ان کے لیے نعمتِ شب گھٹ کر رہ جاتی ہے۔ محبوب تعالیٰ اُن سے نیند اُٹھا لیتا ہے۔ ان پر شب کو قیام کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ لذتِ وصل نے ان سے ملال کو دور کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عتاب (غضب اور ناراضگی کے خوف) نے انھیں ہمیشہ بیدار رکھا ہے۔ اس طرح بندگانِ خدا کا یہ عزم صادق ان کے پہلوؤں اور ان کے بستروں کے درمیان جدائی (Gape) پیدا کر دیتا ہے، اور وہ اپنے بستروں کو چھوڑ کر مولا کے حضور ناز و نیاز اور مناجات کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ نفس کی ایک نظر جسمانی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے نیچے کی طرف اور دوسری نظر روحانی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے عالم بالا کی طرف ہوتی ہے...... ارباب عزم و ہمت اپنے پہلو اپنی خواب گاہوں سے اس لیے جدا رکھتے ہیں کہ اُن کی نظریں روحانی مدارج کی تکمیل کرنے کے لیے عالم بالا کی طرف ہر وقت لگی رہتی ہیں۔ وہ ضروری بقدرِ کفایت سو کر نفس کا حق تو ادا کرتے ہیں مگر اسے نیند کی حقیقی لذت سے محروم رکھتے ہیں۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے :

كَانُوا قَلِيْلاً مِنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ، وَ بِالاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ

o (سورۂ ذاریات: ۵۱/ ۱۷، ۱۸)

''وہ راتوں کو تھوڑی سی دیر سویا کرتے تھے، اور رات کے پچھلے پہروں میں (اُٹھ اُٹھ کر اپنے رب سے) مغفرت طلب کرتے تھے۔

یعنی ان کی راتیں فسق وفجور کی نذر نہیں ہوجایا کرتی تھیں اور نہ یہ شام سے دن چڑھے تک غفلت کی چادر اوڑھے نیند میں مست پڑے رہتے تھے بلکہ تھوڑی دیر ستانے کے بعد یہ اُٹھ کھڑے ہوتے اور باقی رات ذکر وعبادت میں بسر کردیتے۔ جب سحری کا وقت ہوجاتا تو یہ اپنی کوتاہیوں اور خامیوں کے اِحساس سے مضطرب ہوجاتے اور بھیگی پلکوں کے ساتھ اپنی تقصیرات پر مغفرت طلب کرتے؛ کیوں کہ وہاں دل شکستہ ہی رحمت کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔

ساری رات عبادت کرنے والے اپنے مولا سے بے حد محبت رکھتے ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ محبت کرنے والے ہمیشہ جاگتے ہیں۔ محبوب حقیقی کی یاد سے انھیں کوئی چیز باز نہیں رکھ سکتی۔ وہ نیند ترک کرکے رات بھر کروٹیں بدلتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس کو محبوب کے دیدار کا نشہ اور لذت نصیب ہوجائے پھر زندگی بھر اُس کا وہ نشہ اُترتا ہی نہیں اور اُس کے سامنے سارے نشے ہرن ہوجاتے ہیں بقولِ عارفِ مشرق۔

دوعالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو ☆ عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

ایک اور مقام پر ارشادِ خداوندی ہوتا ہے :

اَ مَّنْ ھُوَ قَانِتٌ اٰنَاءَ الَّیْلِ سَاجِداً وَّ قَائِماً یَّحْذَرُ الْاٰخِرَۃَ وَ یَرْجُوا رَحْمَۃَ رَبِّہٖ، قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِیْنَ لاَ یَعْلَمُوْنَ، اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ o (سورۂ الزمر:۹/۳۹)

''بھلا (یہ مشرک بہتر ہے یا) وہ (مومن) جو رات کی گھڑیوں میں سجود اور قیام کی حالت میں عبادت کرنے والا ہے، آخرت سے ڈرتا رہتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی اُمید رکھتا ہے۔ فرمادیجیے: کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے (سب) برابر ہوسکتے ہیں۔ بس نصیحت تو عقل مند لوگ ہی قبول کرتے ہیں''۔

یعنی اس آیت میں مومن کے شب وروز کی کیفیت بیان کی جارہی ہے۔ نیازمندیوں

کا عالم یہ ہے کہ رات بھر درد انگیز نالے کرتے رہتے ہیں۔ اس کے درِ اقدس پر جبین نیاز جھکائے رہتے ہیں۔ اس کے باوجود اپنی عبادت پر نازاں نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی سے ہر وقت ڈرتے بھی ہیں اور اس کی رحمت کے امیدوار بھی رہتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رات کے وقت کھڑے ہو کر عبادت کرنے والوں کو اہل علم قرار دیا ہے؛ اس لیے کہ انھوں نے معرفت الٰہی کے علم سے اپنے نفوس کو اپنے پہلے مقام سے جنبش دے کر حقیقت کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا۔ اسی وجہ سے اُن کے پہلو اُن کی خواب گاہوں سے جدا رہتے ہیں اور وہ روحانی لذت وحلاوت حاصل کرنے میں جٹے ہوتے ہیں۔

نیز ارشاد فرماتا ہے :

وَ الَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَاماً o (سورۂ الفرقان: ۲۵/۶۴)

''اور (یہ) وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے لیے سجدہ ریزی اور قیام (نیاز) میں راتیں بسر کرتے ہیں''۔

اِن آیتوں میں مجموعی طور پر مالک ومولا یہ بیان کرتا ہے کہ اس کے شب زندہ دار بندے اُسے منانے اور اس کی رضا وخوشنودی پانے کے لیے ساری ساری رات اس کے حضور قیام وقعود اور رکوع وسجود میں گزار دیتے ہیں...... انھیں ایک پل چین نہیں آتا...... کبھی اُخروی عذاب کے خوف کا سوچ کر اُن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں...... تو کبھی اُخروی نعمتوں کے تصور سے ان کے دل کے چاروں کونے روشن ہو اُٹھتے ہیں...... اس طرح وہ ایک طرف خوف ورجا کی مکمل تصویر بنے ہوتے ہیں اور دوسری طرف شب کا طویل سفر کٹ جاتا ہے۔

مذکورہ آیتوں میں قیام شب کے حوالے سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے شب زندہ دار بندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی مختلف کیفیتوں کو طشت از بام کیا ہے، کیوں کہ

شب کی تنہائیوں میں اُن پر کیسے کیسے اَحوال طاری ہوتے ہیں اور وہ کن کن مراحل سے دوچار ہوتے ہیں ظاہر ہے عالم الغیب پروردگار ہی انھیں بہتر طور پر بیان کرسکتا ہے۔ پھر اِن آیتوں میں دیکھیں کہ اللہ جل مجدہ اپنے اُن پُر اَسرار بندوں کی رقت وخشیت اور گریہ وبکا کی کیفیت کو کتنے لطیف، جامع اور پرسوز انداز میں بیان فرمارہا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ إِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَاناً وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ o (سورۂ انفال:۲/۸)

''ایمان والے (تو) صرف وہی لوگ ہیں کہ جب (اُن کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (تو) ان کے دل (اس کی عظمت وجلالت کے تصور سے) خوفزدہ ہوجاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ (کلام محبوب کی لذت انگیز اور حلاوت آفریں باتیں) ان کے ایمان میں زیادتی کردیتی ہیں اور وہ (ہر حال میں) اپنے رب پر توکل (قائم) رکھتے ہیں۔ (اور کسی غیر کی طرف نہیں تکتے)''۔

پھر ایک جگہ فرماتا ہے :

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَو أَشَدُّ قَسْوَةً وَ إِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الأَنْهٰرُ وَ إِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَ إِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ o (سورۂ بقرہ:۲/۷۴)

''پھر اس کے بعد (بھی) تمہارے دل سخت ہوگئے چنانچہ وہ (سختی میں) پتھروں جیسے (ہوگئے) ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت (ہوچکے ہیں، اس لیے کہ) بے شک پتھروں میں (تو) بعض ایسے بھی ہیں جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں،

اور یقیناً ان میں سے بعض وہ (پتھر) بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی اُبل پڑتا ہے، اور بے شک ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں، (افسوس! تمہارے دلوں میں اس قدر نرمی، خستگی اور شکستگی بھی نہیں رہی) اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں''۔

خواتین ملت اسلامیہ! پتھروں کی ان تین قسموں کو بیان کر کے دراصل پیغام یہ دیا جا رہا ہے کہ لوگو! تمہیں کیا ہو گیا کہ تم ان پتھروں جیسے بھی نہ رہے۔ کاش! تمہارے دل ایسے ہوتے کہ وہ خشیت و محبت الٰہی میں پھٹ پڑتے، اور ان سے اللہ کی معرفت کے چشمے پھوٹ پڑتے، پھر دور دراز تک اللہ کی مخلوق تمہارے روحانی چشمے سے سیراب اور فیضیاب ہوتی، جیسے کبھی ہوا کرتی تھی، اور لوگو! وہ چشمے آج تک بند نہیں ہوئے۔ کوئی چشمہ سرہند و بخارا میں اُبلا اور مخلوق سیراب ہوتی رہی، ایک چشمہ اجمیر میں پھوٹا تھا جو صدیوں سے خلق خدا کی سیرابی کا سامان کر رہا ہے۔ اور پھر اس چشمے کی کیا بات ہے جو بغداد میں اُبلا جس سے شرق تا غرب عوام و خواص ہر ایک نے سیرابی پائی، اور پھر یہ سارے چشمے اس چشمہ مدینہ طیبہ سے نکلے جو دنیا جہان کے سارے چشموں کا منبع اور سرچشمہ ٹھہرا۔

یہ آنسو، یہ تڑپنا اور یہ گریہ و بکا تو ایسا عمل ہے کہ اہل کتاب عیسائیوں میں سے بعض وہ جو قرآن سن کر رو پڑے تھے، اللہ کو ان پر بھی پیار آ گیا تھا اور اس نے عیسائیوں کے رونے کے ذکر کو قرآن کا حصہ بنا دیا۔ فرماتا ہے:

وَ اِذَا سَمِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُولِ تَرَى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ o (سورۃ مائدہ: ۸۳/۵)

''اور جب (وہ عیسائی) اِس (قرآن) کو سنتے ہیں جو رسول کی طرف اُتارا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھوں کو اشک ریز دیکھتے ہیں۔ (یہ آنسوؤں کا چھلکنا)

اس حق کے باعث (ہے) جس کی انھیں معرفت (نصیب) ہوگئی ہے۔ (ساتھ یہ) عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم (تیرے بھیجے ہوئے حق پر) ایمان لے آئے ہیں سو تو ہمیں (بھی حق کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے''۔

ان آیتوں میں رب کائنات نے ایسے لوگوں کا بطورِ خاص ذکر فرمایا ہے جن کی آنکھیں قرآن کی معرفت کے حصول کے بعد آنسوؤں سے نم ہو جاتی ہیں اور محبت وخشیت الٰہی کا خمار انھیں قہقہہ وہنسی کی محفلوں سے کھینچ کر تنہائی میں اپنے مالک ومولا کو پہروں یاد کرنے پر مجبور کر دیتا ہے، پھر آہ وزاری اُن کا معمول بن جاتا ہے۔

غور فرمائیں کہ ان آیتوں میں کہیں اللہ رب العزت نے حق کو رقت وبکا کے ساتھ جوڑا ہے، کہیں معرفت کو گریہ وزاری کے ساتھ منسلک کیا ہے، اور کہیں ہدایت کو خوف وخشیت کے ساتھ متعلق کیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ ہدایت ہو یا اللہ کی معرفت یا اس کی طرف سے نازل کردہ حق' کسی کو اس وقت تک اس میں سے حصہ نصیب نہیں ہوتا جب تک اس کے دل میں نرمی، خستگی اور شکستگی نہیں آتی، اسے خشیت کی نعمت نہیں ملتی اور اس کی آنکھیں اشکبار نہیں ہوتیں۔

اس سے پتا چلا کہ اللہ جل مجدہ کو اپنے اُن بندوں سے خصوصی محبت و پیار ہے جو آہ وبکا کرتے ہیں اور اس کے خوف وخشیت میں شب خیزیاں اور اشک ریزیاں کرتے ہیں۔

شب بیداری اور آہ وزاری جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خصوصی معمول رہا وہیں آپ نے اپنی اُمت کو بھی اس وصف خاص سے متصف دیکھنا چاہا ہے یہی وجہ ہے کہ بہت سی احادیث طیبہ خصوصیت کے ساتھ قیام لیل، شب بیداری، آہ وبکا اور گریہ وزاری کی اہمیت کو اُجاگر کرتی نظر آتی ہیں :

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا :

أقرب ما يكون الربُّ من العبد في جوف الليل الآخِر، فإن استطعت أن تكون ممن يذكرُ اللّٰه في تلك الساعة فكن .(۱)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے سب سے زیادہ نزدیک رات کے آخری حصے میں ہوتا ہے۔ اگر تو اس وقت اللہ کا ذکر کرنے والوں میں شامل ہو سکتا ہے تو ضرور ہو۔

حضرت بلال بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

عليكم بقيام الليل فإنه دأب الصالحين قبلكم، و هو قربة لكم إلى ربكم و مكفرة للسيئات و مَنهَاةٌ عن الإثم . (۲)

یعنی رات کا قیام اپنے اوپر لازم کر لو کہ وہ تم سے پہلے کے نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور تمہارے لیے قربِ خداوندی کا باعث ہے۔ (نیز شب بیداری) برائیوں کو مٹانے والی اور گناہوں سے روکنے والی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

ينزل ربنا تبارك وتعالىٰ كل ليلةٍ إلى السماء الدنيا حين يبقىٰ ثلثُ الليل الآخرُ فيقول: من يدعوني فأستجيب له ، و من يسألني فأعطيَه، و من يستغفِرُني فأغفِرَ له . (۳)

یعنی ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کو جب رات کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو آسمانِ دنیا پر (اپنی شان کے مطابق) نزولِ اجلال کرتا ہے اور فرماتا ہے: ہے کوئی جو مجھ سے دعا کرے تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں۔ ہے کوئی جو مجھ سے سوال کرے کہ میں اسے عطا کروں۔ ہے کوئی جو مجھ سے معافی چاہے کہ میں اسے بخش دوں۔

اب ذرا سیرت طیبہ میں خشیت وبکا کا منظر دیکھئے کہ حضرت مطرف اپنے باپ سے

روایت کرتے ہیں کہ میں بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا، آپ نماز اَدا فرما رہے تھے، اور آپ کے سینہ اقدس اور اندرونِ جسد میں رونے کی وجہ سے ایسا جوش اور اُبال محسوس ہوتا تھا جیسے کہ جوش مارتی ہوئی دیگ چولہے پر چڑھی ہو۔ الفاظِ حدیث یہ ہیں:

و في صدره أزيزٌ كأزيز المِرجَل من البُكاء . (۴)

حضرت عبید ابن عمیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ آپ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں جو حیران کن بات دیکھی اس کے بارے میں مجھے بتائیے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ آپ کچھ دیر خاموش رہیں، پھر فرمایا: ایک رات تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُٹھے اور وضو کیا پھر نماز کے لیے کھڑے ہوگئے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل روتے رہے یہاں تک کہ آپ کی گود مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ پھر فرماتی ہیں کہ اشک فشانی یہاں تک بڑھی کہ زمین بھی تر ہوگئی۔

پھر حضرت بلال آپ کو نمازِ فجر کی اطلاع دینے آئے اور آپ کو روتے دیکھا تو عرض کیا: یارسول اللہ! آپ رو رہے ہیں حالاں کہ (آپ کے توسل سے تو) آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف کردیے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا میں (اپنے رب کا) شکرگزار بندہ نہ بنوں!......(۵)

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام سے فرمایا: لوگو! میں تمہارے سامنے سورۂ اَلھاکم التکاثر کی تلاوت کرنے جارہا ہوں۔ اسے سن کر جو رو پڑے، میں اس کے لیے جنت کا وعدہ کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے تلاوت فرمائی تو بعض صحابہ رو پڑے اور بعض صحابہ کو رونا نہ آیا۔ نہ رو سکنے والوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے رونے کی بہت کوشش کی مگر ہمیں رونے پر قادر نہ ہوسکے۔

آ قا علیہ السلام نے فرمایا: اب میں دوبارہ اسی کو پڑھ رہا ہوں۔ اسے سن کر جو رو پڑا اس کے لیے جنت کا وعدہ ہے۔ اور جو شخص رو نہ سکے وہ کم از کم رونے والا حال بنا لے اور رونے کی کیفیت اپنے اوپر طاری کر لے۔(۶)

اس سے پتا چلتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محفل گریہ وبکا منعقد فرماتے تھے اور صحابہ کرام کو فکر آخرت اور یادِ مولا میں اشک ریزی کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے دیکھا اور آپ فرما رہے تھے: لوگو! دو عظیم چیزوں کو کبھی نہ بھولنا۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ دو عظیم چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا: جنت اور دوزخ۔ پھر آپ ان دونوں کے بارے میں بیان فرماتے رہے اور آپ کی کیفیت یہ تھی:

ثـم بكى حتى جرى أوائل دموعه جانبي لحيته ثم قال: والذى نفس محمد بيده لو تعلمون من علم الآخرة ما أعلم لمشيتم إلى الصعيد فلحثيتم على رؤوسكم التراب. (۷)

یعنی حتیٰ کہ دورانِ خطاب آپ پر گریہ وبکا کی کیفیت طاری ہوگئی اور آپ اتنا روئے کہ ریش مبارک کے دونوں طرف سے آنسوؤں کے آبشار بہنے لگے۔ نیز فرمایا: اس رب کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے! اگر آخرت کا تمہیں اتنا علم ہوتا ہے جس علم سے اللہ نے مجھے نوازا ہے تو خدا کی قسم تم اپنے گھر بار چھوڑ کر جنگلوں کو چلے جاتے، اور رو رو کر اپنے سر کے اوپر مٹی ڈال لیتے اور خود کو خاک آلود کر لیتے (اور تمہارا حال بدحال ہو جاتا اگر تمہیں یہ معلوم ہو جاتا کہ مرنے کے بعد اور عرصہ محشر میں ہر شخص پر کیا بیتنے والا ہے)۔

اِن احادیث نبوی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنے خوبصورت انداز میں خشیت مولا رکھنے والوں کی ستائش کی ہے اور انھیں اس کی مداومت پر ابھارا ہے۔ نیز گریہ وزاری سے جہاں دنیا سے بے رغبتی کا رجحان پروان چڑھتا ہے وہیں قربِ الٰہی کی

منزلیں بھی قریب سے قریب تر ہوتی جاتی ہیں۔

آیئے اب ذرا اُن اللہ والیوں کے اَحوال پر نظر کریں جنھوں نے شب خیزی اور گریہ وزاری میں اَپنا حصہ ڈالا تو نہ صرف نگاہِ مالک ومولا میں محترم ومؤقر ٹھہریں بلکہ ''ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما'' کی سراپا تصویر بن گئیں، اوراُن کے احترام وعقیدت کی خوشبو دنیا جہان کے کونے کونے میں پہنچ گئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ: یہ دیکھیں اُمت کی ماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ایک باروہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں اور روتے ہوئے فرمایا:

وددت أني شجرة أعضد وددت أني لم أخلق . (۸)

یعنی کاش! میں کوئی درخت ہوتی جسے کاٹ دیا گیا ہوتا۔اور کاش! میں پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی (تاکہ حساب وکتاب کے جھمیلوں سے بچ جاتی)۔

آپ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! کیا اُمت محمد یہ میں کوئی ایسا بھی ہوگا جسے بلا حساب وکتاب جنت میں داخل کیا جائے گا؟۔فرمایا: ہاں! وہ شخص جسے اپنا گناہ یاد آجائے تو اس کی آنکھیں بھیگ جائیں۔(۹)

حضرت قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ میں صبح اُٹھ کر سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوتا اور انھیں سلام کرتا اس کے بعد پانے کاموں میں مشغول ہوتا تھا۔ایک روز حسب معمول میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا،آپ اس وقت چاشت کی نماز پڑھ رہی تھیں اور یہ آیت پڑھ پڑھ کر رو رہی تھیں :

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ وَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ o (سورۂ طور:۵۲/۲۷)

سوخدا نے ہم پر بڑا احسان کیا اور عذابِ دوزخ سے بچالیا۔

میں دیر تک کھڑے رہنے باعث تھکن محسوس کرنے لگا؛لیکن وہ اس طرح آیت کی

تلاوت کرتی رہیں اور روتی رہیں۔ میں نے سوچا پہلے بازار ہو آؤں؛ چنانچہ میں بازار گیا اور اپنی ضرورت سے فارغ ہو کر واپس آ گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ ابھی تک آپ اسی طرح آیت کی تلاوت اور گریہ وزاری میں مشغول ہیں۔(۱۰)

حضرت رابعه بصریه: یہ دیکھیں اسلام کی عظیم خاتون حضرت رابعہ بصریہ ہیں۔ ان کا معمول تھا کہ وہ دن میں روزے رکھتیں اور پوری رات عبادت میں صرف کر دیا کرتی تھیں۔ آپ کنیز تھیں، ابتداءً ایک شب جب آپ کے مالک کی آنکھ کھلی تو اس نے حیرت سے چاروں طرف دیکھا۔ اس نے ایک گوشہ میں آپ کو سربہ سجود پایا اور ایک لٹکتا ہوا نور آپ کے سر پر فروزاں دیکھا، اس وقت آپ اپنے رب سے یہ عرض کر رہی تھیں کہ مولا! مجھے معاف کرنا، اگر میرے بس میں ہوتا تو سارا وقت تیری عبادت ،اور تیری مناجات ہی میں گزار دیتی لیکن چوں کہ تو نے مجھے غیر کا محکوم بنا دیا ہے اس لیے میں تیری بارگاہ میں دیر سے حاضر ہوتی ہوں، کاش! زندگی کا ہر لمحہ تیری نذر کر سکتی۔

یہ سن کر آپ کا مالک تڑپ اُٹھا اور بہت ہی نادم و پریشان ہوا، اور دل ہی دل میں کہنے لگا کہ مجھے تو اپنی خدمت لینے کے بجائے اُلٹا ان کی خدمت کرنا چاہیے تھی۔

چنانچہ صبح ہوتے ہی اس نے آپ کو آزاد کر کے استدعا کی کہ آپ یہیں قیام فرمائیں تو میرے لیے باعث سعادت ہے، ویسے آپ اگر کہیں اور جانا چاہیں تو آپ کو اختیار ہے ، یہ سن کر آپ باہر نکل گئیں اور ذکر و شکر میں مشغول ہو گئیں۔

آپ شب و روز میں ایک ہزار رکعتیں پڑھا کرتی تھیں۔

ایک مردِ صالح کا بیان ہے کہ حضرت رابعہ عدویہ شب زندہ داروں میں سے تھیں۔ دم سحر ذرا سا آرام کرتیں پھر اُٹھتے ہی نفس کو (ملامت و سرزنش کرتے ہوئے) کہنا شروع کر دیتیں: اے نفس! تو کتنا سوئے گا، (یہ سوچ کر نہیں ڈرتا کہ) کہیں ایسا نہ ہو کہ سو سو کر تو عرصہ محشر میں کھڑا ہونے کے قابل ہی نہ رہے۔(۱۱)

آپ ہمہ وقت گریہ وزاری کرتی رہتی تھیں ۔ جب لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ میں اس کے فراق میں خوفزدہ ہوں جس کو محفوظ تصور کرتی ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ دم نزع یہ ندا آجائے کہ تو لائق بارگاہ نہیں ہے۔

حضرت رابعہ عدویہ راتوں میں اُٹھ اُٹھ کر دعائیں کرتیں اے اللہ! تمام آنکھیں سو گئیں ہیں اور سارے ستارے نیچے چلے گئے ہیں اور دنیا کے بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر لیے ہیں لیکن ایک تیرا دروازہ ہے جو بند نہیں ہوتا پس تو مجھے بخش دے، پھر وہ نماز کے لیے قدم درست کرتیں اور دعا کرتیں: ''مولا! تیری عزت وجلال کی قسم! میں جب تک زندہ ہوں تیرے سامنے ہر شب یوں ہی کھڑی رہوں گی''۔

آپ ہر صبح یہ دعا کیا کرتیں کہ اللہ مجھے اس طرح اپنی جانب متوجہ فرمالے کہ اہل جہاں مجھے تیرے سوا کسی کام میں مشغول نہ دیکھ سکیں۔ اور کبھی یہ دعا کرتیں کہ دنیا میں میرے لیے جو حصہ متعین کیا گیا ہے وہ اپنے معاندین کو دے دے اور جو حصہ عقبیٰ میں مخصوص ہے وہ اپنے دوستوں میں تقسیم فرمادے، میرے لیے صرف تیری ذات ہی کافی ہے۔ اگر میں جہنم کی ڈر سے عبادت کرتی ہوں تو مجھے جہنم میں جھونک دے۔ اگر خواہش ِ فردوس وجہِ عبادت ہو تو فردوس میرے لیے حرام فرمادے اور اگر میری عبادت صرف تمنائے دیدار کے لیے ہو تو پھر اپنے جمال دلنواز سے مشرف فرمادے۔

حضرت خنساء بنت خدام: یہ عرب کی ایک نہایت حسین وجمیل عورت تھیں جن کی لالہ رخی اور ماہ جبینی اپنی مثال آپ تھی، لیکن جب ان پر عشق الٰہی کا پرتو پڑا تو پھر ان کے رت جگوں اور عبادتوں کا یہ عالم ہوگیا کہ انھوں نے مسلسل چالیس سال تک روزے رکھے، جس کے باعث ان کی جلد ہڈیوں سے چپک گئی۔ خشیت مولا میں اتنا روئیں کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔ اور اپنے پروردگار کو منانے کے لیے انھوں نے اتنا لمبا لمبا قیام کیا کہ ان کے قدم کھڑے ہونے کے لائق نہ رہے۔

جب رات کی سیاہی چھا جاتی، دنیا نیند کی آغوش میں چلی جاتی، اور لوگوں کی حرکات وسکنات بند ہوجاتیں، تو وہ اپنی حزن آگیں آواز میں چیخ کر کہتیں: اے پیکرانِ طاعت کے محبوب! اِطاعت گزاروں کے چہرے کب تک خاک کے ذروں پر اُلٹتے پلٹتے رہیں گے، اپنا وعدہ پورا فرما اور ان کے اس مقصد ومراد کو پورا فرما جس کے لیے انھوں نے خود کو تھکا تھکا دیا ہے۔ پھر بے اختیار ہوکر زار وقطار اس قدر روتیں کہ ان کے پڑوس کے در ودیوار تک رونے کی آواز پہنچ جاتی۔

حضرت طاؤس یمانی اور وہب بن منبہ جیسے جلیل القدر ائمہ اسلام کی نگاہوں میں خنساء بنت خدام کی شب خیزیوں اور اشک ریزیوں کی بڑی قدر تھی۔(۱۲)

ریحانۂ مجنونہ: حضرت ابوالربیع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں، محمد بن منکدر اور ثابت بنانی ایک شب ریحانہ مجنونہ کے پاس گئے، تو ہم نے دیکھا کہ ابتداے شب میں وہ کھڑی ہوئیں اور مسرت وشادمانی کے انداز میں یہ شعر پڑھا:

قام المحب إلى المؤمل قومةً　　كاد الفؤاد من السرور يطير

یعنی محبّ اپنے مرجع امید کے آگے اس طرح کھڑا ہے کہ اس کا دل خوشی سے اُڑتا جارہا ہے۔

آدھی رات ہوئی تو ان کی زبان پر یہ اشعار تھے:

لا تأنسن بمن توحشک نظرتُه

فتمنعن من التذكار في الظلم

واجهد وكدَّ وكن في الليل ذا شجن

ليسقيک كأس وداد العز و الكرم

یعنی اس سے الفت نہ رکھ جس کے نظر اُٹھانے سے تجھے وحشت ہوجائے کیوں کہ یہ شے اندھیروں میں تجھے ذکر سے روک دے گی، اور راہِ حق میں محنت

ومشقت کر، اور رات کو غمزدہ رہ، اس کے عوض اللہ تعالیٰ تجھے اپنی دوستی اور بخشش کے جام سے نوازے گا۔

اور جب صبح کا وقت قریب ہوتو حسرت ویاس سے آہ بھرنے لگیں اور نالہ کرنے لگیں، میں نے سبب پوچھا تو فرمایا :

ذهب الظلام بأنسه و بالفه   ليت الظلام بأنسه يتجدد

یعنی رات اپنی تاریکی کے ہمراہ اپنے انس اور محبت کو بھی لے گئی۔ کاش! یہ تاریکی اسی انس کے ساتھ بار بار آتی۔(۱۳)

حضرت منیفہ بنت ابوطارق: حضرت منیفہ کا شمار حبرین کی مشہور عابدات میں ہوتا تھا، جب رات کی تاریکی چھاتی تو آپ اپنے نفس کو مبارک باد پیش کرتی ہوئی کہتیں کہ اے نفس! رات آ گئی جس میں مومن کی آنکھوں کی ڈھندک اور دل کا سرور رکھا گیا ہے، پھر آپ عبادت وریاضت میں مشغول ہو جاتیں.....۔ آپ فرماتیں کہ قسم بخدا! جب تک میں اس دنیا میں زندہ ہوں کبھی بھی رات کی تاریکیوں میں نہیں سوؤں گی، بلکہ پوری رات اپنے مولا کے ذکر سے روشن رکھوں گی۔

حضرت عامر بن ملیک بحرانی ایک کنیز سے حکایۃً نقل کرتے ہیں کہ وہ ایک رات منیفہ بنت ابوطارق کے یہاں شب باش ہوئی، تو اس نے دیکھا کہ قیام لیل میں انھوں نے اس آیت کی تکرار کرتے کرتے صبح کر دی :

وَ كَيفَ تَكْفُرُونَ وَ أنتُمْ تُتْلٰى عَلَيكُمْ آيَاتِ اللّٰهِ وَ فِيْكُمْ رَسُولُهُ، وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ٥ (سورۂ آل عمران: ۱۰۱/۳)

اورتم (اب) کس طرح کفر کرو گے حالاں کہ تم وہ (خوش نصیب) ہو کہ تم پر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں (خود) اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم) موجود ہیں، اور جو شخص اللہ (کی رسی) کو مضبوط پکڑ لیتا ہے تو اسے ضرور سیدھی راہ کی طرف ہدایت کی جاتی ہے۔(۱۴)

حبیبہ عدویہ: حضرت حبیبہ عدویہ اپنے وقت کی عظیم عابدہ ومجاہدہ ہوئی ہیں۔ان کے حوالے سے آتا ہے کہ جب وہ عشا کی نماز پڑھ لیتی تھیں تو اپنے مکان کی چھت پر چڑھ جایا کرتی تھیں اور اپنے جسم کے اِرد گرد کرتا اور دوپٹہ کس کر کہتی تھیں: اے اللہ! ستارے نکل آئے ہیں، آنکھیں نیند سے بوجھل ہوگئی ہیں، بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر لیے ہیں، عاشق اپنے معشوق کے ساتھ خلوت میں چلے گئے، اور میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوگئی ہوں۔ پھر وہ اپنی نماز میں مشغول ہو جاتیں۔ جب فجر کا وقت ہو جاتا تو کہتیں: اے اللہ! یہ رات رخصت ہوگئی ہے اور
دن نکل آیا ہے، مجھے نہیں معلوم کہ میری یہ رات تو نے قبول کی ہے یا نہیں؟ اگر قبول کر لی ہے تو میں اپنے آپ کو مبارک باد پیش کروں ورنہ اس کی تعزیت کروں۔ تیری عزت کی قسم! یہ میرا معمول رہے گا جب تک تو مجھے زندہ رکھے گا۔ اگر تو نے مجھے اپنے در سے جھڑک دیا تب بھی میں کبھی تیرا در نہ چھوڑوں گی؛ اس لیے کہ میرا دل تیرے جود و کرم کے اَنوار سے روشن ہے۔(۱۵)

حضرت عمرۃ: مشہور زمانہ بزرگ حضرت حبیب عجمی کی زوجہ محترمہ حضرت عمرہ بھی اپنے وقت کی بڑی عابدہ وزاہدہ ہوئی ہیں۔ایک رات وہ نمازوں میں مشغول تھیں اور ان کے شوہر ابھی تک سو رہے تھے۔ وقتِ سحر قریب آ گیا اور وہ یوں ہی سوئے رہے۔تو حضرت عمرہ نے انھیں بیدار کر کے کہا: شوہر نامدار! اب تو اُٹھیے، دیکھئے کاروانِ شب کوچ کر چکا ہے، سپیدۂ سحر نمودار ہونے کو ہے، آپ کے سامنے ایک لمبا سفر ہے، اور زادِ راہ کچھ بھی نہیں۔ صالحین کے قافلے ہمارے سامنے رخصت ہو گئے اور ہم یہیں کے یہیں پڑے رہ گئے۔(۱۶)

اللہ اکبر! یہ بات کس قدر پاکیزہ اور عمدہ ہے! اور وہ گھر کس قدر باسعادت اور خوش نصیب ہے جس میں ایسی بات کہی اور سنی جائے۔ اور اس بات کو کہنے والی خاتون کس قدر شان وعظمت والی ہے!۔ اللہ ہمارے گھروں میں بھی ایسی باتیں جاری فرمائے۔ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی عورت کے لیے بطورِ خاص دعا کی ہے جو کہ رات کو اُٹھ کر عبادت کرتی ہے اور اپنے شوہر کو بھی اسی غرض سے بیدار کرنے کوشش کرتی ہے۔

حضرت عجردہ عمیہ: آپ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ رات بھر عبادت کیا کرتی تھیں حالاں کہ آنکھوں سے معذور تھیں مگر جب سحر کا وقت ہوتا تو اونچی اور غمگین آواز میں کہتیں: عابدوں نے تجھ تک پہنچنے ہی کے لیے رات کی مسافت طے کی ہے۔ وہ تیری رحمت اور فضل ومغفرت کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ اے اللہ! میں تجھی سے مانگتی ہوں، تیرے غیر سے نہیں مانگتی کہ مجھے سبقت کرنے والوں میں سرفہرست کر اور مجھے علیین میں مقربین کا درجہ عطا کر اور مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر، تو انتہائی رحم اور کرم والا ہے، تو تمام بڑوں سے بڑا اور تمام بلندیوں سے بلند ہے۔ یہ دعا مانگ کر وہ سجدے میں گر جاتیں؛ یہاں تک کہ ان کے سجدے میں گرنے کی آواز آس پاس میں سنی جاتی، پھر وہ سجدے ہی میں صبح کی نماز تک دعائیں مانگتی رہتیں اور روتی رہتیں۔(۱۷)

حضرت بریرة: حضرت ابن العلاء السعدی کہتے ہیں کہ میری چچازاد بہن ''بریرہ'' بڑی عبادت گزار ونہایت پرہیزگار خاتون تھیں۔ وہ کثرت سے تلاوت کلام اللہ کیا کرتی تھیں اور تلاوت کے دوران مسلسل روتی رہتیں۔ زیادہ رونے کے باعث ان کی آنکھیں بے کار ہوگئی تھیں۔

ایک مرتبہ ہم سب چچازاد بھائیوں نے پروگرام بنایا کہ بریرہ کے پاس جائیں گے اور اس قدر رونے پر انھیں ملامت کریں گے؛ چنانچہ ہم سب ان کے یہاں پہنچے اور ان کی خیر وعافیت دریافت کی۔ انھوں نے کہا: ہم اجنبی مہمان زمین پر پڑے ہوئے ہیں اور منتظر

ہیں کہ کوئی ہمیں بلائے اور ہم جائیں۔ ہم نے ان سے کہا کہ آپ اس طرح کب تک روتی رہیں گی، اب تو آنکھیں بھی چلی گئیں۔ انھوں نے کہا: اگر اللہ کے یہاں میری آنکھوں کے لیے کچھ بہتری ہے تو مجھے ان کے ضائع ہوجانے پر کوئی ملال نہیں ہے اور اگر اللہ کے یہاں ان کی کچھ برائی ہے تو پھر انھیں اور رونا چاہیے۔

ان کی یہ عارفانہ بات سن کر ہم میں سے کسی شخص نے کہا کہ یہاں سے چلو، ان کا حال دوسرا ہے، ان کا حال ہمارے جیسا نہیں ہے۔(۱۸)

حضرت رحلہ : حضرت خواص فرماتے ہیں کہ ہم مشہور عابدہ ''رحلہ'' کے یہاں گئے۔ انھوں نے اتنے روزے رکھے تھے کہ انکی رنگت سیاہ پڑ گئی تھی، اس قدر آنسو بہائے تھے کہ آنکھوں سے محروم ہوگئی تھیں اور اس قدر نمازیں پڑھی تھیں کہ چلنے پھرنے سے معذور ہوگئی تھیں۔ جس وقت ہم لوگ ان کے پاس پہنچے وہ بیٹھی ہوئی نمازیں پڑھ رہی تھیں۔

ہم نے انھیں سلام کیا اور اللہ تعالیٰ کے عفو و کرم اور فضل و اِحسان پر کچھ گفتگو کی تا کہ وہ اپنے نفس پر قدرے نرمی کریں۔ ہماری بات سن کر انھوں نے ایک چیخ ماری اور کہنے لگیں کہ میں اپنے نفس سے زیادہ واقف ہوں؛ اس لیے میرا دل زخمی ہے اور کلیجہ چھلنی ہے۔ سوچتی ہوں کاش! اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا ہی نہ کیا ہوتا اور میں کوئی قابل ذکر چیز ہی نہ ہوتی۔ یہ کہہ کر وہ پھر نماز میں مشغول ہوگئیں۔(۱۹)

منقول ہے کہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کے زمانے میں ایک عورت کی عبادت و ریاضت اور اس کی گریہ وزاری کا بڑا چرچا تھا۔ حضرت بایزید ایک مرتبہ اس کی ملاقات کے لیے گئے اور اس سے کمالِ شفقت سے فرمایا کہ اے نیک بخت! بہت نہ رویا کر کیوں کہ زیادہ رونا بینائی کو ضرر پہنچاتا ہے۔

یہ سن کر اس نیک خاتون نے بے ساختہ جواب دیا: اے شیخ! جن آنکھوں کو قیامت کے دن دیدارِ الٰہی کی دولت نصیب ہونے والی ہے انھیں دنیا میں اندھی ہوجانے کا کوئی غم

نہیں اور جو آنکھیں اس نعمت سے محروم رہیں وہ یقیناً اس قابل ہیں کہ اندھی ہی ہوجائیں۔(۲۰)

حضرت عبداللہ بن الحسن کہتے ہیں کہ میری ایک رومی باندی تھی اور میں اسے بہت چاہا کرتا تھا۔ایک شب وہ میرے پہلو میں لیٹی ہوئی تھی، میری آنکھ لگ گئی، رات کے کسی پہر آنکھ کھلی تو میں نے محسوس کیا کہ وہ بستر پر نہیں ہے۔میں اسے تلاش کرنیکے لیے بستر سے اُٹھا، میں نے دیکھا کہ وہ سجدے میں پڑی زاروقطار رورہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ اے اللہ! اس محبت کی وجہ سے جو تجھے میرے ساتھ ہے میری مغفرت فرما۔ میں نے کہا: یوں مت کہہ کہ جو محبت تجھے میرے ساتھ ہے بلکہ یوں کہہ کہ جو محبت مجھے تیرے ساتھ ہے۔وہ کہنے لگی اے میرے آقا! اسی محبت کی وجہ سے اس نے مجھے شرک سے نکال کر اسلام تک پہنچایا اور اسی محبت کی وجہ سے اس نے میری آنکھ کو جاگنے کی قوت بخشی جب کہ اس کی مخلوق خوابِ راحت میں مست ہوتی ہے۔(۲۱)

حضرت محمد بن قدامہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو بشر کو کہتے سنا کہ حضرت منصور بن معتمر کی ایک ہمسایہ تھی، جس کے پاس دو نیک بچیاں تھیں، جو صرف رات گئے اس وقت چھت پر چڑھتیں جب لوگ سوچکے ہوتے۔ان میں سے ایک نے ایک دن اپنی ماں سے پوچھا: امی جان! فلاں چھت کے اوپر جو ستون کھڑا رہتا تھا، وہ اب کہاں چلا گیا، کئی دنوں سے نظر نہیں آیا۔ ماں نے کہا: بیٹی! وہ کوئی ستون نہیں تھا بلکہ وہ وقت کے عظیم بزرگ حضرت منصور بن معتمر تھے جو پوری رات بیدار رہا کرتے اور ابھی ایک رکعت بھی نہ پوری کرپاتے کہ شب کا سفر ختم ہوجاتا۔

بیٹی نے تعجب سے کہا: امی جان! کیا وہ عبادت و بندگی کی اس منزل پر فائز تھے! یقیناً محض ایسی جی توڑ عبادتیں ہی آتش جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔خیر! تو ان کا کیا بنا جو کئی دنوں سے نظر نہیں آئے؟۔فرمایا: وہ انتقال کر گئے.....۔

یہ سن کر بیٹی نے کہا کہ امی جان! میرے لیے ایک چھوٹا سا گھروندا بنا دیجیے جہاں میں عبادت وریاضت کرسکوں۔ چنانچہ میں نے اس کے لیے بالوں کا ایک گھروندا بنا دیا۔ دیکھا دیکھی اس کی دوسری بہن بھی اس میں اُتر گئی، اور دونوں نے بیس سال تک مسلسل اللہ کی عبادت وبندگی میں گزار دی، حال یہ تھا کہ دونوں رات بھر جاگتیں اور دن میں روزے رکھتیں۔(۲۲)

ایک مردِ صالح کے ہمسایوں میں ایک ضعیفہ خاتون بھی تھیں جو کبیر السن ہونے اور ضعف ونا توانی کے باوجود مجاہدہ وریاضت میں بیحد سعی کیا کرتی تھیں۔اس مردِ صالح کو اس کی حالت پر ترس آیا، اس نے ایک روز کہا: آپ کو اس قدر محنت ومشقت نہیں کرنی چاہیے، کچھ اپنے جسم اور اعضا کو بھی آرام دیجیے، اس باخدا ضعیفہ نے جواب دیا :

اگر میں اپنی جان کو آرام دینے لگوں تو مالک حقیقی کے دروازے سے علاحدہ اور دور ہو جاؤں گی اور جو دنیوی مشاغل کے باعث اس سے دور ہوا، اس نے خود کو عظیم آزمائش میں ڈالا۔اور سعی وکوشش کے ساتھ عمل کروں تو بھی میرے عمل کی حیثیت کتنی؟، اگر اس میں بھی کوتاہی کروں تو پھر باقی کیا بچے گا!۔

حسرت وغم ان کو جو آگے بڑھیں، فراق انھیں جو محبوب سے دور رہیں۔آگے بڑھنے والوں کی حسرت یہ کہ محشر کے لیے جب مردے قبروں سے اُٹھیں۔صالحین نور کے براق پر سوار جنت کو جائیں اور انھیں دوستوں کے رتبے ملیں، حور وغلمان ان کی خدمت کو دست بستہ ایستادہ ہوں اور پیچھے والے کفِ افسوس ملتے رہ جائیں۔اس وقت حسرت وغم سے ان کے دل پارہ پارہ ہو کر بہہ جائیں گے۔

لوگ جب میدانِ قیامت میں الگ الگ ٹولیوں میں تقسیم کیے جائیں گے تو رب ذو الجلال سب کو یکجا فرمائے گا، ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا :

گنہ گارو! آج تم الگ ہو جاؤ۔اور اللہ کے پرہیزگار بندے بامراد ہوئے۔اس

روز شوہر اپنی بیوی سے، بیٹا ماں باپ سے، اور دوست دوست سے الگ ہو جائے گا، کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ کسی کو عزت وتکریم سے بہشت بریں میں لے جایا جائے گا، اور کوئی پا بجولاں گھسیٹ کر آتش جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ جدا جدا راستے اور منزلیں ہوں گی۔ آنکھوں سے اشکوں کے سمندر رواں ہوں گے۔ جدائی وفراق کے عالم میں ایک دوسرے کو حسرت سے تکیں گے۔ ذرا ان مناظر کو سوچو تو سہی تمہاری نیندیں نہ اُڑ جائیں گے تو کہنا اور جبینیں مولا کے حضور نہ جھک جائیں تو کہنا...۔(۲۳)

عارفہ کنیز: حضرت حسن بن صالح علیہ الرحمہ کے پاس ایک لونڈی تھی انھوں نے اسے کسی کے ہاتھوں بیچ ڈالا۔ جب آدھی رات ہوئی تو وہ لونڈی اُٹھی اور اس نے کہا: گھر والو! اُٹھو اور نماز پڑھو۔

انھوں نے پوچھا: صبح ہوگئی ہے جو نماز پڑھیں!۔

لونڈی نے کہا: تم فرض نماز کے سوا کوئی نماز نہیں پڑھتے؟۔

انھوں نے جواب دیا: نہیں۔

اس کے بعد وہ لونڈی حضرت حسن بن صالح کے پاس بھاگ آئی اور کہا: آپ نے مجھے ایسے لوگوں کے ہاتھ بیچ ڈالا ہے جو شب بیداری اور دولت تہجد سے عاری ہیں؛ لہٰذا مجھے واپس لے لیں چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور دام لوٹا دیے۔

حضرت شعوانہ: بصرہ میں ایک انتہائی حسین وجمیل عورت رہا کرتی تھی۔ لوگ اسے شعوانہ کے نام سے جانتے تھے ظاہری حسن وجمال کے ساتھ ساتھ آواز بھی اس نے بلا کی پائی تھی۔ اپنی خوبصورت آواز کی وجہ سے وہ گائیکی اور نوحہ گری میں مشہور تھی۔ بصرہ شہر میں خوشی وغمی کی کوئی مجلس اس کے بغیر اَدھوری تصور کی جاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے پاس بہت سا مال ودولت جمع ہوگیا تھا۔ بصرہ شہر میں فسق وفجور کے حوالے سے اس کی مثال دی جاتی تھی۔ اس کا رہن سہن اَمیرانہ تھا۔ وہ بیش قیمت لباس زیب تن

کیا کرتی اور گراں بہا زیورات سے بنی سنوری رہتی تھی۔

ایک دن وہ اپنی رومی اور ترکی کنیزوں کے ساتھ کہیں جا رہی تھی۔ راستے میں اس کا گزر حضرت صالح مری علیہ الرحمہ کے گھر کے قریب سے ہوا جو باعمل عالم، عابد و زاہد اور اللہ کے برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔ آپ اپنے گھر میں لوگوں کو وعظ اِرشاد فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے وعظ کی تاثیر سے لوگوں پر رقت طاری ہو جاتی اور وہ بڑی زور زور سے آہ وبکا شروع کر دیتے تھے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے خوف سے ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھریاں لگ جاتیں۔

جب شعوانہ نامی وہ عورت وہاں سے گزرنے لگی تو اس نے گھر سے آہ وفغاں کی آوازیں سنیں۔ آوازیں سن کر اسے بہت غصہ آیا۔ اور اپنی کنیزوں سے کہنے لگی: تعجب کی بات ہے کہ یہاں نوحہ کیا جا رہا ہے اور مجھے اس کی خبر تک نہیں دی گئی۔

پھر اس نے ایک خادمہ کو گھر کے حالات معلوم کرنے کے لیے اندر بھیج دیا۔ وہ لونڈی اندر گئی اور اندر کے حالات دیکھ کر اس پر بھی خوفِ خدا طاری ہو گیا اور وہ وہیں بیٹھ گئی۔ جب وہ واپس نہ آئی تو شعوانہ نے کافی انتظار کے بعد دوسری اور پھر تیسری لونڈی کو اندر بھیجا؛ مگر وہ بھی واپس نہ لوٹیں۔ پھر اس نے چوتھی کنیز کو اندر بھیجا جو تھوڑی دیر بعد واپس لوٹ آئی اور اس نے بتایا کہ گھر میں کسی کے مرنے پر ماتم نہیں ہو رہا بلکہ اپنے گناہوں پر آہ وبکا کی جا رہی ہے۔ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے خوف سے رو رہے ہیں۔

شعوانہ نے یہ سنا تو ہنس پڑی اور ان کا مذاق اُڑانے کی نیت سے گھر کے اندر داخل ہوئی؛ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ جونہی وہ اندر داخل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو پھیر دیا۔

جب اس کی نگاہ حضرت صالح المری پر پڑی تو دل ہی دل میں کہنے لگی: افسوس!

میری تو ساری عمر ضائع ہوگئی۔ میں نے انمول زندگی گناہوں میں اَکارت کردی، وہ میرے گناہوں کو کیوں کر معاف کرے گا؟۔

انہی خیالات سے پریشان ہوکراس نے حضرت صالح المری سے پوچھا: اے امام المسلمین! کیا اللہ تعالیٰ نافرمانوں اور سرکشوں کے گناہ بھی معاف فرمادیتا ہے؟۔

آپ نے فرمایا: ہاں!، یہ وعظ ونصیحت اور وعدہ وعیدیں سب انہی کے لیے تو ہیں تاکہ وہ سیدھے راستے پرآجائیں۔اس پربھی اس کوتسلی نہ ہوئی تو وہ کہنے لگی: میرے گناہ تو آسمان کے ستاروں اور سمندر کی جھاگوں سے بھی زیادہ ہیں۔

آپ نے فرمایا: کوئی بات نہیں! اگر تیرے گناہ شعوانہ سے بھی زیادہ ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔

یہ سن کر وہ چیخ پڑی اور زاروقطار رونا شروع کردیا، اور اتنا روئی کہ اس پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔تھوڑی دیر کے بعد جب اسے ہوش آیا تو کہنے لگی: حضرت! میں ہی وہ شعوانہ ہوں جس کے گناہوں کی مثالیں دی جاتی ہیں۔

پھر اس نے اپنا قیمتی لباس اور گراں قدر زیور اُتار کر پرانا سا لباس پہن لیا اور گناہوں سے کمایا ہوا سارا مال غربا میں تقسیم کردیا اور اپنے تمام غلام اور خادمائیں بھی آزاد کردیں۔اور خود اپنے گھر میں مقید ہوکر بیٹھ گئیں۔اس کے بعد وہ شب وروز اللہ کی عبادت میں مصروف رہتیں اور اپنے گناہوں پر روتی اور معافی مانگتی رہتی تھیں۔اسی حالت میں انھوں نے چالیس سال گزاردیے، اور اسی حال میں اپنے رب سے جاملیں۔

حضرت معاذ بن فضل فرماتے ہیں کہ شعوانہ اس قدر رویا کرتی تھیں کہ ہمیں ان کے اندھے ہوجانے کا خوف لاحق ہوگیا۔ ہم نے جب اس سلسلہ میں ان سے عرض کیا تو انھوں نے فرمایا: اللہ کی عزت کی قسم! اللہ کی خشیت میں رورو کر دنیا کے اندر اندھا ہوجانا اس سے بہتر ہے کہ آخرت میں جہنم کی آگ مجھے اندھا کرے۔(۴۴)

حضرت یحییٰ بن بسطام کہتے ہیں کہ میں شعوانہ کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا اور دیکھتا تھا کہ وہ کس قدر روتی ہیں اور کس شدت سے گریہ وزاری کرتی ہیں۔ ایک دن میں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ کسی دن تنہائی میں ملاقات کر کے ہم ان سے کہیں گے کہ وہ اپنے نفس کے ساتھ تھوڑی نرمی کا معاملہ کریں۔ ساتھی نے میری اس تجویز سے اتفاق کیا؛ چنانچہ ایک موقع تلاش کر کے ہم لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کیا اچھا ہوا گر آپ نفس کے ساتھ کچھ نرمی برتیں اور اس کثرتِ گریہ وبکا میں کچھ کمی کریں، جو آپ چاہتی ہیں اس نرمی سے اس پر بڑی مدد ملے گی۔

یہ بات سن کر وہ روتے ہوئے کہنے لگیں: بخدا میں اس قدر رونا چاہتی ہوں کہ میرے آنسو خشک ہو جائیں۔ پھر خون کے آنسو روؤں؛ یہاں تک کہ میرے جسم سے خون کا ایک ایک قطرہ آنسو بن کر آنکھ سے بہہ جائے لیکن میں کہاں روتی ہوں، مجھے رونا کب نصیب ہوتا ہے؟ یہ جملے انھوں نے کئی مرتبہ کہے اور بے ہوش ہوگئیں۔ (۲۵)

حضرت مالک بن ضیغم فرماتے ہیں کہ اہل اَبلہ کا ایک شخص اکثر میرے والد کے پاس آیا کرتا، اور شعوانہ کی گریہ وبکا کی داستان بیان کیا کرتا تھا، تو ایک دن میرے والد نے اس سے فرمایا: آج ذرا مجھ سے اس کے رونے کی کیفیت بیان کرو۔ کہا: قسم بخدا! وہ صبح وشام روتی ہی رہتی ہے، رونے دھونے کے علاوہ اس کا کوئی کام ہی نہیں۔ والد نے کہا: میری مراد یہ نہیں میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس کے رونے کی ابتدا کیوں کر ہوتی ہے؟ کہا: اے مالک! جیسے ہی وہ ذکر مولا سنتی ہے زار وقطار رونے لگتی ہے، اس کی آنکھیں سیلاب بن جاتی ہیں، اور اس کی پلکوں سے آنسو کے قطرے خشیت مولا کے موتی بن کر ٹپکنے لگتے ہیں....۔
یہ سن کر میرے والد بھی رونے لگے اور فرمایا: یقیناً خوف کی چنگاری نے اس کے دل کے چاروں کونے جلا ڈالے ہیں۔ مزید فرمایا: آنسوؤں کی کمی بیشی دل کی جلن پر موقوف ہوتی ہے، جتنا دل جلتا ہے اُتنا آنسو بہتا ہے، حتیٰ کہ جب پورا دل سلگ اُٹھتا ہے تو اس سے حزن و

اُداسی جنم لیتی ہے اور یہ حزن اسے سدا رونے پر انگیخت کرتا رہتا ہے، اور جب کسی کا یہ حال ہو جائے تو ایک ذرا سا ذکر بھی اسے پرغم بنا کر آمادۂ گریہ و بکا کر دیتا ہے۔(۲۶)

شعوانہ اپنی دعا میں یوں کہا کرتی تھیں: اے اللہ! مجھے تیری ملاقات کا کتنا شوق ہے اور تیری جزا پانے کی کس قدر اُمید ہے۔ تیری ذات کریم سے امید کرنے والوں کی امیدیں مایوسی سے نہیں بدلتیں اور نہ مشتاقین کا شوق ضائع جاتا ہے۔ اے اللہ! اگر میری موت کا وقت آ چکا ہے اور میرے کسی عمل نے مجھے تجھ سے قریب نہ کیا ہو تو میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتی ہوں۔ اگر تو مجھے معاف کر دے گا تو اس سلسلہ میں تجھ سے بہتر کون ہے۔ اور اگر مجھے عذاب دے گا تو تجھ سے زیادہ عادل کون ہے۔ اے اللہ! میں نے اپنے نفس کے لیے نظر کی جسارت کی، اب تیرے حسن نظر کی اُمید ہے۔ اگر تو نے اس پر نظر کرم نہیں فرمائی تو یہ تباہ و برباد ہو جائے گی۔ اے اللہ! تو نے تمام زندگی مجھ پر احسانات فرمائے ہیں، مرنے کے بعد بھی مجھ سے اپنے احسانات کا سلسلہ منقطع نہ کرنا۔ جس ذات نے زندگی میں مجھے اپنے کرم و احسان کا مستحق سمجھا ہے اسی ذات سے مجھے یہ امید ہے کہ وہ موت کے بعد بھی مجھ پر بخشش کا دروازہ کھولے رکھے گی۔ اے اللہ! جب تو زندگی میں میرا ذمہ دار رہا تو مرنے کے بعد میں تیری نظر کرم سے کیسے مایوس ہوں!۔ اے اللہ! ایک طرف مجھے میرے گناہ ڈراتے ہیں دوسری طرف جو محبت تجھ سے ہے اس سے دل مطمئن ہوتا ہے۔ میرے معاملے میں اپنی شان کے مطابق نظر کر اور اس شخص کو بھی اپنے فضل و احسان سے محروم نہ کر جو جہالت کے نشے میں مدہوش ہے۔ اے اللہ! اگر تو میری رسوائی چاہتا تو مجھے ہدایت کیوں دیتا!، اور میری ذلت چاہتا تو میرے گناہوں کی پردہ پوشی کیوں فرماتا؟۔ اے اللہ! جس سبب سے تو نے مجھے ہدایت دی ہے اسے قائم رکھ اور جس سبب سے تو میری پردہ پوشی کرتا ہے اسے دائم رکھ۔ اے اللہ! میں نہیں سمجھتی کہ جس مقصد کے لیے میں نے عمر لگائی ہے اسے تو نامنظور کر دے گا۔ اگر میں نے گناہ نہ کیے ہوتے تو مجھے

تیرے عذاب کا خوف نہ ہوتا اور اگر مجھے تیرے کرم کا علم نہ ہوتا تو میں تیرے اجر و ثواب کی امیدوار نہ ہوتی۔(۲۷)

انھیں کی دعا پر میں اپنی تقریر ختم کرتی ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چل کر شب خیزی اور اَشک ریزی کی دولت سے نوازے، نیز آئندہ نسلوں تک ہمیں یہ وراثت منتقل کرنے کا جذبہ وخروش عطا فرمائے۔ آمین۔

o و ما علینا إلا البلاغ المبین o

---

(۱) سنن ترمذی:۵/۵۶۹ حدیث:۳۵۷۹...... سنن نسائی:۱/۲۷۹ حدیث:۲:۵۷۲...... صحیح ابن خزیمہ: ۲/۱۸۲ حدیث:۱۱۴۷...... مستدرک حاکم:۱/۴۵۳ حدیث:۱۱۶۲...... سنن کبریٰ بیہقی:۳/۴ حدیث:۴۴۳۹...... مسند شامیین طبرانی:۱/۳۴۹ حدیث:۶۰۵...... الترغیب والترہیب منذری:۱/۲۴۵ حدیث:۹۳۳۔

(۲) سنن ترمذی:۵/۵۵۲ حدیث:۳۵۴۹...... مستدرک حاکم: ۱/۴۵۱ حدیث: ۱۱۵۶...... سنن کبریٰ بیہقی: ۲/۵۰۲ حدیث:۴۴۲۳...... معجم کبیر طبرانی:۸/۹۲ حدیث:۷۶۶۷۔

(۳) صحیح بخاری: ۱/۳۸۴ حدیث:۱۰۹۴...... صحیح مسلم: ۱/۵۲۱ حدیث:۷۰۵...... سنن ترمذی:۲/۳۰۷ حدیث:۴۴۶...... سنن کبریٰ نسائی:۴/۴۲۰ حدیث:۷۷۶۸...... سنن ابن ماجہ:۱/۴۳۵ حدیث: ۱۳۶۶...... موطا امام مالک:۱/۲۱۴ حدیث:۴۹۸...... مسند احمد بن حنبل:۲/۲۶۴ حدیث: ۷۵۸۲ ...... سنن دارمی:۱/۴۱۳ حدیث:۱۴۷۹...... سنن کبریٰ بیہقی:۳/۲ حدیث:۴۴۲۷۔

حاشیہ: شب براءت اور شب قدر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ عام معمول سے ہٹ کر مغرب کے بعد سے لے کر طلوعِ فجر تک آسمانِ دنیا پر نزولِ اجلال فرماتا ہے۔ اور اپنی مخلوق پر نظر رحمت فرماتے ہوئے چند افراد کے سوا سب کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ تفصیل کے لیے دینی کتب دیکھیں۔ چڑیا کوٹی۔

(۴) صحیح ابن حبان:۳/۳۰ حدیث: ۷۵۳ ...... مستدرک حاکم: ۱/۳۹۶ حدیث: ۹۷۱...... تفسیر قرطبی: ۱۰/ ۳۴۲...... الوفا باحوال المصطفیٰ ابن جوزی:۵۴۸۔

(۵) صحیح ابن حبان:۲/۳۶۶ حدیث:۶۲۰ ...... تفسیر ابن کثیر:۲/۱۸۹...... تفسیر روح المعانی:۳/۳۶۳...... بحر العلوم سمرقندی:۱/۳۵۲...... الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن ابی زید قیروانی:۸/۱۷۷۔

(۶) شعب الایمان بیہقی:۵/۶۴ حدیث:۱۹۹۴۔

(۷) الرقۃ والبکاء ابن ابی الدنیا:۱/۱۰۷حدیث:۱۰۱۔

(۸) الزہد احمد بن حنبل:۲/۴۵۲حدیث:۹۲۲۔

(۹) احیاء علوم الدین:۳/۲۶۳۔

(۱۰) الکشف والبیان ثعلبی:۱۲/۳۴۰......احیاء علوم الدین:۴/۴۱۲۔

(۱۱) الزہر الفائح فی ذکر من تنزہ عن الذنوب والقبائح:۱/۴۱۔

(۱۲) صفۃ الصفوۃ:۱/۲۴۶۔

(۱۳) روض الریاحین:۱۷ بحوالہ بزم اولیاء:۱۳۸تا۱۳۹۔

(۱۴) صفۃ الصفوۃ:۴۱۸۔

(۱۵) احیاء علوم الدین:۴/۴۱۴......صفۃ الصفوۃ:۱/۴۰۶۔

(۱۶) فتاویٰ الاسلام سوال وجواب:۱/۳۷۴۰۔

(۱۷) مختصر قیام اللیل محمد بن نصر مروزی:۱/۱۱۱حدیث:۹۰......التہجد وقیام اللیل:۱/۴۶حدیث:۴۳......صفۃ الصفوۃ:۴/۳۱......احیاء علوم الدین:۴/۴۱۴۔

(۱۸) احیاء علوم الدین:۴/۴۱۵۔

(۱۹) احیاء علوم الدین:۴/۴۱۵۔

(۲۰) مقاصد الصالحین:۲۷۔

(۲۱) احیاء علوم الدین:۴/۴۱۴۔

(۲۲) صفۃ الصفوۃ:۱/۳۴۷۔

(۲۳) روض الریاحین:۱۰۵۔

(۲۴) صفۃ الصفوۃ:۴۱۳

(۲۵) احیاء علوم الدین:۴/۴۱۴۔

(۲۶) صفۃ الصفوۃ:۴۱۳۔

(۲۷) احیاء علوم الدین:۴/۴۱۵۔بحوالہ:'کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی'۔مصنفہ:محمد افروز قادری چریا کوٹی

علم وفضل میں ممتاز خواتین

الحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِيْنَ، حَمْداً كَثِيْراً طَيِّباً مُبَارَكاً فِيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَ يَرْضىٰ، وَ أَشْهَدُ أن لَّا إلٰهَ إلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الحَمْدُ فِي الآخِرَةِ وَ الأولىٰ، وَ أَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَ نَبِيَّنَا مُحَمَّداً عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُولُهُ ، المَبْعُوث بِالرَّحْمَةِ وَ الهُدىٰ، صَلَّى اللّٰهُ وَ سَلَّمَ وَ بَارَكَ عَلَيْهِ وَ عَلىٰ آلِهٖ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ، وَ عَلىٰ أَزْوَاجِهٖ أُمَّهَاتِ المُؤمِنِيْنَ، وَ عَلىٰ أَصْحَابِهٖ الغُرِّ المَيَامِيْنَ، وَ التَّابِعِيْنَ وَ مَنْ تَبِعَهُمْ بِإحْسَان إلٰى يَومِ الدِّيْنِ . أما بعد ! فأعوذ بالـلّٰـه من الشيطان الرجيم بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم . قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُونَ وَ الَّذِيْنَ لاَ يَعْلَمُونَ o (سورۂ زمر:۹/۳۹)

وَ قَالَ النَّبِيُّ المُصْطَفىٰ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ . -رواه ابن ماجة- (۱)

صدق اللّٰـه العظيم وصدق رسولُنا الصادقُ الأمينُ و نحن علىٰ ما قال ربُّنا ونبيُّنا لَمِن الشاهدينَ و الشاكرينَ و الحمد للّٰه رب العالمين .

محترم خواتین اسلام اور میری دخترانِ عزیز! اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بے پناہ شکر ہے جس نے ہمیں دین اسلام کی دولت سے مالا مال کیا، اور اپنے محبوب ومکرم نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری اُمت میں پیدا فرمایا، ورنہ ہم نہ معلوم کیا ہوتیں۔ لہٰذا پروردگار عالم کی اس عطا پر ہم جتنا بھی شکر یہ اَدا کریں کم ہے۔

میری پیاری دینی ماؤں اور بہنو! اِن مختصر سے تمہیدی جملوں کے بعد وقت کی نزاقت کو مدنظر رکھتے ہوئے اب میں سیدھی اپنے موضوع کی طرف آتی ہوں کہ اِسلام نے جہاں مردوں کے لیے تعلیم کا حصول فرض قرار دیا ہے وہیں عورتوں کو بھی زیورِ تعلیم سے آراستہ ہونے کا حکم دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مردوں کو تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی تعلیم دیا کرتے تھے بلکہ عورتوں کی فرمائش پر آپ نے ان کے لیے ہفتہ کا ایک دن خاص کر دیا تھا، جس میں وہ اپنے مخصوص مسائل کی بابت آقائے کریم علیہ السلام سے معلومات حاصل کیا کرتی تھیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن خواتین کے اندر دین سیکھنے کا جذبہ کتنا زیادہ تھا اور مسائل دینیہ کے تئیں وہ کتنی حساس تھیں، اور پھر اس کے نتیجے میں علم وفضل سے آراستہ وپیراستہ ایسی ایسی خواتین پیدا ہوئیں جن کی مثال دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

موقع کی مناسبت سے میں یہاں کچھ ایسے روحانی وعرفانی واقعات پیش کرنا چاہتی ہوں جسے سن کر آپ کا ایمان تازہ ہوجائے گا اور دل کی کلیاں کھل اُٹھیں گی، ساتھ ہی آپ کو کچھ اندازہ بھی ہوسکے گا کہ خواتین اسلام کی قرآن فہمی کا عالم کیا تھا، انھوں نے دین کو کتنے بہتر طریقے پر سیکھا تھا اور علم وفضل میں ان کا مقام ومرتبہ کتنا بلند اور کتنا اونچا تھا۔

یہ دیکھیں اُمت کی ماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں جن کے بارے میں حضرت امام زہری فرماتے ہیں کہ اگر تمام مردوں اور حضرت عائشہ کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ کا علم وسیع تر اور ان سب میں زیادہ ہوگا۔

اور حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن، فرائض، حلال وحرام، فقہ، شاعری، انساب اور تواریخ عرب میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر علم رکھنے والا کسی کو نہ دیکھا۔(۲)

یوں ہی حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے صاحبزادے ابوسلمہ جو بڑے جلیل القدر

تابعی تھے بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے زیادہ سنت نبوی کا عالم، تفقہ فی الدین کا ماہر، آیاتِ کلام مجید کے شان نزول اور فرائض کا علم رکھنے والا کسی اور کو نہیں دیکھا۔(۳)

خواتین ملت اسلامیہ! ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی علمی لیاقت وقابلیت کو دیکھا جائے تو آسمان کی بلندیوں پر نظر آتی ہیں۔مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن سے جو والہانہ محبت تھی وہ ظاہری حسن و جمال کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ ذاتی علم و فضل کا کمال تھا جس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں تھی۔

حضرت عائشہ علم کا بحر ناپیدا کنار تھیں۔علم نبوت کو اپنی روحانی اولادوں تک پہنچانے میں انھوں نے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔علم کے پھیلاؤ کے لیے انھوں نے قابل قدر خدمات سرانجام دیں اور بعد میں آنے والوں کے لیے روشنی کے مینار قائم کیے۔

علمی حیثیت سے ان کو نہ صرف عورتوں، نہ صرف دوسری اُمہات المومنین، نہ صرف خاص صحابیوں بلکہ باستثنائے چند تمام صحابہ کرام پر فوقیت وعظمت حاصل تھی۔جیسا کہ امام زہری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالمہ تھیں۔ بڑے بڑے اکابر صحابہ ان سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔(۴)

حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ ہم کو کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی کہ جس کو ہم نے حضرت عائشہ سے پوچھا ہو اور ان کے پاس سے اس کے متعلق ہم کو کچھ معلومات نہ ملی ہو۔(۵)

ایک شخص نے حضرت مسروق تابعی سے پوچھا جو تمام تر حضرت عائشہ کے تربیت یافتہ تھے کہ کیا حضرت عائشہ ''علم الفرائض'' سے واقف تھیں؟ انھوں نے جواب دیا: اللہ کی عزت کی قسم! میں نے بڑے بڑے صحابہ کرام کو ان سے فرائض کے مسائل دریافت کرتے دیکھا ہے۔(۶)

دینی علوم کے ساتھ ساتھ حضرت عائشہ طب میں بھی ماہر تھیں۔علم طب اور مریضوں کے تشخیص و معالجہ میں آپ کو خاص دسترس حاصل تھی۔ چنانچہ حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن حضرت عائشہ سے عرض کیا کہ اے امی جان! مجھے آپ کے علم حدیث وفقہ پر کوئی تعجب نہیں؛ کیوں کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت وقربت کا شرف حاصل تھا۔آپ ان کی محبوب ترین زوجہ ہیں۔اور یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق کی نورِ نگاہ ہونے کی وجہ سے اس پر بھی کوئی حیرانی نہیں کہ آپ کو عرب کے اشعار و وقائع اتنے کیسے یاد ہوگئے؛ کیوں کہ حضرت صدیق اکبر تو انساب واشعارِ عرب کے ماہر وحافظ تھے۔

اگر تعجب ہے تو صرف اس بات پر کہ آخر یہ طبی معلومات اور علاج ومعالجہ کی مہارت آپ کے اندر کہاں سے اور کیسے پیدا ہوئی؟ یہ سن حضرت عائشہ نے ان کے شانے پر مارا اور فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی آخری عمر میں اکثر صاحب فراش ہوجاتے اور عرب کے چیدہ اطبا آپ کے لیے دوائیں تجویز کرتے تھے اور میں ان دواؤں سے آپ کا علاج کرتی تھی بایں وجہ مجھے طبی معلومات بھی حاصل ہوگئی۔(۷)

جس بیوی کا باپ ابوبکر صدیق جیسا خلیق انسان اور شوہر محمد مصطفیٰ علیہ السلام جیسا عظیم پیغمبر ہو وہ جو کچھ نہ ہوتیں تھوڑا تھا۔خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں ان کی دینداری کا یہ عالم تھا کہ معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خذوا شطر دینکم عن الحمیراء. (۸)

یعنی تم اپنے ایک تہائی حصہ دین کو حمیرا (سیدہ عائشہ) سے حاصل کرو۔

جب کہ مسند الفردوس میں حضرت انس سے مروی ایک حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

خذوا ثلث دینکم من بیت عائشة. (۹)

یعنی تم اپنے دوتہائی دین کو عائشہ کے گھر سے حاصل کرو۔

حضرت عائشہ کا مرتبہ طبقہ رُواۃ میں بھی بہت بلند ہے۔ حضرات ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے علاوہ کسی اور صحابی سے اتنی روایتیں نہیں آئیں جتنی حضرت حضرت عائشہ سے منقول ہیں۔ آپ سے مروی احادیث کی تعداد ۲۲۱۰ ہے۔ اور آپ سے حدیث کے راویوں کی تعداد دوسو ہے جن میں سے پچاس خواتین ہیں۔

یہ دیکھیں سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ربیبہ حضرت زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہما (م ۷۳ھ) ہیں جن کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنے وقت میں مدینہ کی سب سے بڑی فقیہہ خاتون تھیں۔

یوں ہی انصاریہ فقیہہ حضرت عمرۃ بنت عبد الرحمٰن بن اَسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا (م ۹۸ھ) کے بارے میں طبقاتِ ابن سعد کے اندر موجود ہے کہ وہ دین کی بڑی عالمہ اور مسائل میں فقیہانہ شان رکھتی تھیں۔ یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خاص تربیت یافتہ اور اُن سے مروی احادیث کی امین تھیں۔(۱۰)

حضرت اُم الدرداء کا شمار فہم وفراست، زہد وتقویٰ اور دانش وبینش رکھنے والی خواتین میں سرفہرست ہوتا تھا۔ فضل وکمال اور علم وعمل سے انھیں حصہ وافر عطا ہوا تھا۔ وقت کے اوپر ان کی گرفت بھی بہت مضبوط تھی۔ پوری زندگی انھوں نے نظام الاوقات کی پابند رکھا۔ عالم یہ تھا کہ اپنے شوہر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے ساتھ فقہ وحدیث کے درسوں میں جانے کا خاص اہتمام کیا کرتی تھیں۔(۱۱)

عالمات کی فہرست میں حضرت جلیلہ بنت علی بن حسن بن حسین کا نام نہایت روشن ہے۔ اہل علم کا ان کے بارے میں متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ اپنے دور کی عظیم محدثہ، اور قرآن کی بہترین قاریہ تھیں، حدیث کی تلاش وجستجو میں انھوں نے عراق وخراسان کے شہروں تک کی گرد چھان ڈالی تھی۔ امام سمعانی نے ان کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ بچوں کو قرآن کریم کی خاص تعلیم دیا کرتی تھیں۔

انہیں میں ایک حضرت خیرہ بھی ہیں جو عورتوں کو علمی و اخلاقی قصے سنایا کرتی تھیں اور انھیں دینی احکام ومسائل سکھایا کرتی تھیں۔ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ بعض عورتوں نے فقہ وحدیث میں وہ مقام حاصل کیا کہ امام شافعی جیسے امام ان کے خوانِ علم کے خوشہ چیں بنے۔ امام شافعی کی جلالت شان، فقہی مقام اور حدیث میں ان کا تبحر دیکھیے مگر وہ بھی نفیسہ بنت حسن بن زید بن حسین بن علی بن ابی طالب (م۲۰۸ھ) کے سلسلۂ فیض سے بندھے نظر آتے ہیں۔

اور یہ سن کر تو حیرت اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے کہ وہ کوئی عربیہ بھی نہیں بلکہ ایک اُمیہ تھیں، اس کے باوجود وہ قرآن اور بہتیری حدیثوں کی حافظہ وعالمہ تھیں، اور یہی وہ فضیلت ہے جس نے انھیں یکے از مشائخ امام شافعی بنا دیا۔ امام ابن کثیر نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اپنے وقت کی عظیم عابدہ وزاہدہ اور کثرت کے ساتھ خیر وتعاون کرنے والی خاتون تھیں، چوں کہ اللہ نے دولت سے نوازا تھا؛ اس لیے لوگوں پر احسان کرنا اور غربا ومساکین حاجتیں پوری کرنا ان کی پوری زندگی کا معمول تھا۔(۱۲)

یوں ہی چھٹی صدی کے مشہور عالم وفقیہ حضرت علی بن عقیل رحمۃ اللہ علیہ (م۵۱۳ھ) جنھوں نے نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم کی سب سے نادر اور ضخیم کتاب لکھی جو کوئی آٹھ سو جلدوں پر مشتمل ہے، جو دنیاے علم میں ''الفنون لابن عقیل'' کے نام سے مشہور ہے۔ ان کے مشائخ میں بھی تین خواتین شامل ہیں۔ (۱) حرانیہ (۲) بنت الجنید (۳) اور بنت الغراد۔ امام ابن عقیل نے ان مشائخات سے بھی اکتساب علم وفیض کیا۔

یہ دیکھیں نسیبہ بنت کعب انصاریہ ہیں۔ عالمہ ہونے کے ساتھ مجاہدہ بھی تھیں، غزوات میں شریک ہوتی رہتی تھیں۔ بہت سے صحابہ اور بصرہ کے کبار تابعین ان سے غسل میت دلواتے تھے۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب نے تحریر فرمایا ہے۔ وہ جنگوں میں جا کر مریضوں کی دیکھ ریکھ کرتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ صاحبزادیِ

رسول حضرت زینب کے غسل میت کے وقت وہ موجود تھیں۔

حضرت حفصہ بنت سیرین یہ بھی اپنے وقت کی بہت بڑی فقیہہ تھیں، اور علم القرآن میں اپنا جواب آپ تھیں۔ عالم یہ تھا کہ جب ان کے بھائی حضرت محمد بن سیرین قرآن کے سلسلے میں کسی الجھن کے شکار ہوتے تو کہتے جاؤ حفصہ سے پوچھ کر آؤ کہ یہ لفظ کیسے پڑھا جائے گا یا اس مسئلے کا تشفی بخش حل کیا ہے؟۔

اور آگے چلیں، یہ دیکھیں چھٹی صدی کی ایک عظیم عالمہ' جسے دنیا نعمۃ بنت علی بن یحییٰ الفراح کے نام سے یاد کرتی ہے، ۶۰۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ وہ اہل دمشق کی شیخہ تھیں، محدثین میں انھیں بلند مقام حاصل تھا۔ انھوں نے روایت بھی کی اور ان سے اخذ وسماع بھی کیا گیا۔ امام خطیب بغدادی ''کتاب الکفایہ فی معرفۃ الروایہ'' میں فرماتے ہیں کہ نعمۃ نے اپنے دادا سے سماعِ حدیث کیا۔ ان کے دادا امام یحییٰ کی وفات ۵۳۰ھ میں ہوئی جب کہ نعمۃ کی ولادت ۵۱۸ھ میں ہوئی، تو اگر اخیر وقت میں بھی نعمۃ کے اپنے دادا سے حدیث سننے کی بات فرض کی جائے تو اس وقت ان کی عمر کوئی بارہ سال بنتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علم کے ساتھ ان کا تعلق کتنا گہرا تھا اور عہد طفولیت ہی سے انھیں حصولِ علم کی کتنی فکر تھی!۔

امام حافظ ابن عساکر دمشقی کی شخصیت سے اہل علم اچھی طرح واقف ہیں، محدثین میں ان کا ایک اعلیٰ مقام تھا۔ مگر یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ آپ نے دیگر شیوخ کے علاوہ اَسّی خواتین سے علم حاصل کیا تھا، اور یہ سب علم حدیث کی عظیم اُستانیاں تھیں۔

یوں ہی امام یزید بن ہارون بھی آسمانِ علم کے ایک روشن ستارہ ہیں، اور علم حدیث کے مسلمہ امام ہیں۔ اخیر عمر میں جب آپ کی نگاہ کمزور ہوگئی اور کتاب نہ دیکھ سکتے تھے تو آپ کی لونڈی آپ کی مدد کرتی تھی اور وہ کنیز خود کتابیں دیکھ کر پہلے حدیثیں یاد کرتی اور پھر انھیں بتلایا کرتی تھی۔

یہی حال حضرت ابن سَمّاک کا ہے جواپنے زمانے کے عظیم بزرگ اور بہت بڑے عالم ہوئے ہیں۔انھوں نے ایک مرتبہ اپنی لونڈی سے پوچھا کہ تم اکثر میری تقریروں میں شریک ہوتی ہو یہ بتاؤ کہ میری تقریر کیسی ہوتی ہے؟۔

اس نے جواب دیا کہ تقریر تو بہت اچھی ہوتی ہے مگر اتنا عیب ضرور ہے کہ آپ ایک بات کو بار بار کہتے ہیں۔انھوں نے فرمایا: میں اسے بار بار اس لیے دہراتا ہوں تاکہ کم سمجھ لوگ بھی سمجھ لیں۔کنیز نے کہا: آپ کا فرمان سر آنکھوں پر، مگر یہ تو خیال فرمائیں کہ جب تک کم سمجھ لوگ آپ کی بات سمجھتے ہیں تب تک سمجھ دار حضرات گھبرا جاتے ہیں۔

خواتین ملت اسلامیہ! ظاہر ہے کہ اپنے وقت کے عظیم امام کی تقریر میں اتنی گہری بات کو نوٹ کرنا کسی عالم ہی سے ہوسکتا ہے۔اس سے پتا چلتا ہے کہ اس کنیز کا دامن بھی علم وفضل کے موتیوں سے کس قدر مالا مال تھا۔

یوں ہی علامہ ابن جوزی بھی اپنے وقت کے عظیم عالم دین اور کثیر التصانیف بزرگ ہوئے ہیں، دنیا ان کے علم کا لوہا مان رہی ہے، اور ان کی کتابیں پوری دنیا میں بڑے ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہیں۔ان کی پھوپھی کا بیان ہے کہ میں ابن جوزی کو بچپن ہی سے علما ومشائخ کی بارگاہوں میں لے جایا کرتی تھی، جہاں کہیں بھی کسی عالم کا پتا چلا ان کو لے کر وہاں پہنچ گئی تاکہ ان کی تربیت خاص علمی ماحول میں ہو۔وہ کہتی ہیں کہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن جوزی دس برس کی معمولی سی عمر میں عالموں کی طرح وعظ کہنے لگے، اور سامعین ان کا بیان سننے کے لیے بے چین سے نظر آنے لگے۔

میری ماؤں اور بہنو! دیکھا آپ نے کہ اس دور کی عورتوں کو اپنی اولاد کے واسطے علم دین سکھلانے کا کتنا خیال رہا کرتا تھا، اور وہ کس طرح اپنے بچوں کی تربیت اِسلامی اور دینی ماحول میں کرنے کے لیے محنت ومشقت برداشت کرتی تھیں۔تاریخ بتاتی ہے کہ علامہ ابن جوزی کی پھوپھی اس وقت ضعیفہ تھیں مگر انھوں نے بچے کو زیورِ علم سے آراستہ

کروانے کے لیے اپنی عمر کا بھی خیال نہ کیا اور بچے کو اچھا ماحول واَدب فراہم کرنے کی خاطر اپنا آرام وچین تک قربان کردیا۔

خواتین ملت اسلامیہ! علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابہ فی تمییز الصحابہ میں قرنِ اول کی ۱۵۴۳ (پندرہ سو تینتالیس) محدث خواتین کا ذکر کیا ہے۔تہذیب الاسماء، اور تاریخ بغداد وغیرہ میں خواتین سلف کے تذکرے لکھے گئے ہیں۔نفحات الانس، اور اخبار الاخیار وغیرہ میں بھی عارفات کا تذکرہ ملتا ہے؛ غرضیکہ اسلامی تاریخ میں علم وفضل میں ممتاز ہزارہا خواتین کے احوال درج ہیں۔ یہاں سر دست چند مثالیں آپ کے سامنے پیش کرنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ صرف عہد صحابیات ہی میں حصول علم کا غلغلہ رہا بعد کے عہد کی خواتین نے اس سعادت میں اپنا حصہ نہیں ڈالا اور خود کو فقہ وحدیث کی روشنی سے محروم رکھا؛ نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ الحمدللہ آج تک وہ سلسلہ خیر جاری ہے، اور امت کی ذمہ دار خواتین آج بھی علم وفضل اور فقہ وحدیث کے حاصل کرنے میں کوئی کسر روانہیں رکھتیں۔

تاریخ میں حضرت سعید بن میبّب علیہ الرحمہ کی صاحبزادی کا واقعہ بھی بڑا مشہور ہے۔حضرت ابووداعہ کہتے ہیں کہ میں حضرت سعید بن میبّب کی محفل میں باقاعدگی سے حاضرا ہوا کرتا تھا، پھر چند روز حاضر نہ ہوسکا۔ جب دوبارہ آپ کی درسگاہ میں پہنچا تو آپ نے اتنے دن غائب رہنے کا سبب پوچھا: میں نے کہا: دراصل میری اہلیہ کا انتقال ہوگیا تھا تو اسی پریشانی میں چند دن حاضری کی سعادت سے محروم رہ گیا۔

یہ سن کر انھوں نے فرمایا: تو نے مجھے اِطلاع کیوں نہیں دی؛ تاکہ میں خود بھی اس جنازہ میں شرکت کرتا!۔ابووداعہ کہنے لگے: آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ چوں کہ علم دین کے فروغ وتوسیع میں بیت رہا ہے؛ اس لیے میں نے نہیں چاہا کہ اطلاع دے کر آپ کی سرگرمیوں میں رکاوٹ ڈالوں۔

پھر جب میں نے رخصت چاہی تو انھوں نے فرمایا: کیا تم نے دوسری شادی کر لی ہے؟ میں نے کہا: حضور! میں تو بہت ہی غریب ہوں، میرے پاس بمشکل چند درہم ہیں، مجھ غریب کو اپنی بیٹی کون دے گا؟۔ انھوں نے فرمایا: فکر نہ کرو، میں تمہاری شادی کا انتظام کرتا ہوں۔

ان کی یہ بات سن کر میں بہت حیران ہوا اور وہاں سے اُٹھ کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابھی گھر پہنچا ہی تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ میں نے پوچھا: کون؟۔ جواب آیا: سعید!۔ میں نے پوچھا: کون سعید! کیوں کہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرے اُستاد کبھی میرے دروازے پر تشریف لائیں گے۔ فرمایا: سعید بن مسیّب۔ اب میری حیرتوں کی انتہا ہو گئی۔ میں نے دوڑ کر دروازہ کھولا: آپ اندر تشریف لے آئے۔

میں نے عرض کیا: حضور! آپ نے کیوں زحمت فرمائی، پیغام بھیج دیتے، میں خود ہی حاضر ہو جاتا۔ فرمانے لگے: نہیں بلکہ تم اس بات کے زیادہ حقدار ہو کہ تمہارے پاس آیا جائے۔ میں نے عرض کیا: فرمائیں، میرے لیے کیا حکم ہے؟۔

تو انھوں نے فرمایا: میں نے نہیں چاہا کہ تم غیر شادی شدہ رہ کر اکیلی زندگی گزارو، اس لیے اپنی بیٹی تم سے بیاہنے کے لیے ساتھ لایا ہوں۔ پھر وہ ایک طرف ہٹے تو ان کی بیٹی ان کے پیچھے کھڑی تھی۔ انھوں نے اس کے ساتھ میرا نکاح پڑھایا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر میرے کمرے میں چھوڑ آئے اور مجھ سے فرمایا: یہ تمہاری زوجہ ہے۔

اتنا کہنے کے بعد تشریف لے گئے۔ میں دروازے کے قریب گیا اور جب اطمینان ہو گیا کہ استاذِ گرامی جا چکے ہیں تو واپس کمرے میں آیا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شرم وحیا کی پیکر زمین پر بیٹھی ہوئی ہے۔

میں جلدی سے اپنے گھر کی چھت پر چڑھا اور زور زور سے یہ اِعلان کرنے لگا: اے لوگو! تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اب میں اکیلا نہیں رہا، میرے استاذ گرامی حضرت سعید

بن مسیّب نے اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کردی اور وہ اسے میرے گھر بھی پہنچا گئے ہیں؛ لہٰذا کسی دوشیزہ کو میرے گھر دیکھ کر تم کسی شک میں مبتلا نہ ہونا۔ لوگ دوڑے دوڑے اس کے گھر آئے اور بے یقینی سے پوچھا: کیا حضرت سعید بن مسیّب نے تجھ سے اپنی بیٹی بیاہ دی ہے؟، اس نے کہا: ہاں! یقین نہ ہوتو اندر جا کر دیکھ لو کہ ان کی صاحبزادی موجود ہے۔ جب میری والدہ کو خبر ہوئی تو وہ بھی فوراً حاضر ہوئیں اور مجھ سے فرمانے لگیں: ابھی تو اس کے قریب نہ جانا جب تک کہ میں اسے دلہن نہ بنا لوں۔

اس طرح اس کے ساتھ میں نے کوئی چند روز گزارنے کے بعد جب اپنے استاذ کی بارگاہ میں جانے کے لیے گھر سے نکلنا چاہا تو بیوی نے ہاتھ پکڑ مجھ سے عرض کیا: میرے شوہر نامدار! آپ کہاں جا رہے ہیں؟۔ میں نے کہا: تمہارے باپ اور اپنے استاذ حضرت سعید بن مسیّب کی درسگاہ میں۔ اس نے کہا: اب آپ کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کو وہ سب کچھ سکھا پڑھا دوں گی جو میرے والد آپ کو پڑھائیں گے۔ اس کی یہ باتیں سن کر میں دنگ رہ گیا کہ ظاہری حسن و جمال کے ساتھ ساتھ علمی فضل و کمال میں بھی وہ طاق نکلی۔ وہ قرآن کی حافظہ بھی تھی، سنت رسول کو بہت زیادہ جاننے والی بھی نیز شوہر کے حقوق کو پہچاننے والی بھی۔

پھر اسی طرح کوئی ایک مہینہ گزر گیا۔ نہ تو حضرت سعید بن مسیّب میرے پاس آئے اور نہ میں حاضر ہو سکا۔ پھر میں ہی ان کے پاس گیا، وہ بہت سارے لوگوں کی جھرمٹ میں جلوہ فرما تھے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا: اس کے بعد مجلس ختم ہونے تک انھوں نے مجھ سے کوئی بات نہ کی۔ جب سب لوگ جا چکے اور میرے علاوہ کوئی اور نہ بچا تو انھوں نے مجھ سے فرمایا: اُس انسان کو کیسا پایا؟۔

میں نے عرض کیا: حضور! آپ کی صاحبزادی ایسی صفات کی حامل ہے کہ شاید کوئی دشمن ہی اسے ناپسند کرے؛ ورنہ دوست تو ایسی چیزوں کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ فرمایا:

اگر وہ تجھے تنگ کرے تو لاٹھی سے اِصلاح کرنا۔ پھر جب میں گھر کی طرف روانہ ہوا تو انھوں نے مجھے بیس ہزار درہم دیے۔جنھیں لے کر میں گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن سلمان فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن مسیّب کی اسی صاحبزادی کے لیے خلیفہ وقت عبدالملک بن مروان نے اپنے بیٹے ولید کی شادی کا پیغام بھیجا تھا لیکن حضرت سعید نے انکار کر دیا۔عبدالملک نے ہر طرح کی کوشش کی کہ کسی طرح وہ اس رشتے پر راضی ہو جائیں مگر وہ برابر انکار کرتے رہے، پھر وہ ظلم پر اُتر آیا اور ایک سخت سردرات میں اس ظالم نے انھیں سو کوڑے مارے اور اُون کا جبہ پہنا کر ان پر ٹھنڈا پانی ڈلوایا۔(۱۳)

اب میں اخیر میں آپ کو ایسی خاتون کا ایمان افروز واقعہ سنا رہی ہوں جن کی علمیت وقابلیت کا عالم یہ تھا کہ وہ ہر سوال کا جواب قرآن سے دیتی تھیں یہاں تک کہ ان کی عام گفتگو بھی آیات قرآنیہ ہی سے ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں ایک سال حج کو گیا، تو دورانِ سفر مجھے ایک ضعیفہ خاتون کہیں راستے میں بیٹھی ملیں، جنھوں نے اون کا کپڑا پہن رکھا تھا اور ان کی اوڑھنی بھی اُونی ہی تھی۔

میں نے اُن کے قریب جا کر کہا:**السلام علیکم و رحمة اللّٰه و بر کاته .**

خاتون نے جواب دیا :**سَلاَمٌ قَولاً مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ o** (سورۂ یس:۵۸)

میں نے پوچھا: اللہ آپ پر رحم کرے، یہاں اکیلی کیا کر رہی ہیں؟۔خاتون نے کہا :

مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلاَ هَادِیَ لَـهٗ o (سورۂ اعراف:۱۸۶)

جسے اللہ گمراہ کردے اس کو راہ بتانے والا کوئی نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے خیال کیا کہ شاید وہ راستہ بھول گئی ہے یا پھر اپنے قافلے سے بچھڑ گئی ہے۔ چنانچہ میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کا کہاں جانے کا اِرادہ ہے؟۔خاتون بولیں :

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْریٰ بِعَبْدِهٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی

الْمَسْجِدِ الاقْصیٰ o (سورہ بنی اسرائیل:۱)

پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔

یہ سنتے ہی میں سمجھ گیا کہ یہ حج بیت اللہ سے فارغ ہو چکی ہے اور اب بیت المقدس جانا چاہتی ہے۔ چنانچہ میں نے پوچھا کہ آپ کب سے یہاں بیٹھی ہیں؟۔ خاتون نے کہا :

ثَلاثَ لَيَالٍ سَوِيًّاo (سورۂ مریم:۱۰)

پوری تین راتیں۔

میں نے کہا کہ آپ کے پاس بظاہر کوئی کھانے پینے کی چیز نظر نہیں آتی۔ آخر آپ نے اتنا وقت یہاں کیسے گزارا؟۔ خاتون بولیں :

هُوَ يُطْعِمُنِی وَ يَسْقِيْنِ o (سورۂ شعراء:۷۹)

وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ میرے رزق کا بندوبست کر دیتا ہے۔

میں نے کہا: پانی بھی آپ کے ساتھ نہیں ہے۔ آخر آپ وضو کیسے کرتی ہیں؟۔ بولیں :

فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيْداً طَيِّباً o (سورۂ نساء:۴۳۔ سورۂ مائدہ:۶)

پھر اگر پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کر لیا کرو۔ (مطلب یہ تھا کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم سے کام چلا رہی ہوں)

حضرت عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ مجھے اس کی حالت زار پر بہت رحم آیا، میں نے پوچھا کہ میرے پاس کچھ کھانا ہے، فرمایئے کیا کچھ کھانا چاہیں گی؟۔ خاتون نے جواب دیا :

اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَی اللَّيْلِo (سورۂ بقرہ:۱۸۷)

روزوں کو رات تک پورا کرو۔ (مطلب یہ تھا کہ میں روزے سے ہوں)

میں نے کہا: بڑی بی! یہ رمضان المبارک کا مہینہ تو نہیں پھر آپ روزہ دار کیوں ہیں؟۔ بولیں :

وَ مَنْ تَطَوَّ عَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ o (سورۂ بقرہ:۱۵۸)

جو بطورِ نفل نیک کام کرے تو اللہ قبول کرنے والا اور جاننے والا ہے۔

(مطلب یہ تھا کہ میرا نفلی روزہ ہے)

میں نے کہا کہ سفر کی حالت میں تو ماہِ رمضان کا فرض روزہ بھی رکھنے کی اِجازت نہیں ہے؟۔خاتون نے جواب دیا :

وَ اَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ o (سورۂ بقرہ:۱۸۴)

اور اگر تم روزہ رکھو تو تمہارے حق میں بہتر ہے بشرطیکہ تم کو ثواب کا علم ہو۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ ان کے یہ سارے قرآنی جوابات سن کر میں نے کہا کہ جس طرح میں آپ سے عام اندازہ میں گفتگو کررہا ہوں آپ اس طرح مجھ سے باتیں کیوں نہیں کرتیں؟۔ بولیں :

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَولٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ o (سورۂ ق:۱۸)

انسان جو بات بھی منہ سے نکالتا ہے اس پر ایک نگہبان فرشتہ مقرر ہے۔

میں نے پوچھا کہ آپ کا وطن کہاں ہے اور آپ کا تعلق کس قبیلہ سے ہے؟۔ بولیں :

وَلاَ تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ، اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَالفُؤَادَ كُلُّ اُولٰئِكَ كَانُ عَنْهُ مَسْئُولاً o (بنی اسرائیل:۳۶)

اور جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑ جاؤ۔ بے شک کان، آنکھ اور دل سب سے باز پرس ہوگی۔(مطلب یہ ہے کہ ایسی باتوں سے کان اور دل کو آلودہ نہ کرو جن کا جواب دینا پڑ جائے)۔

میں نے کہا: معاف کیجیے گا، مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ بولیں :

لاَ تَثْرِیْبَ عَلَیکُمُ الیَومَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ o (سورۂ یوسف:۹۲)

آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے۔

میں نے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو اپنی اونٹنی پر سوار کرلوں اور جہاں چاہیں وہاں پہنچادوں۔ بولیں :

وَ مَا تَفْعَلُوا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْہُ اللّٰہُ o (سورۂ بقرہ: ۱۹۷)

اور نیکی کا کام جو تم کرو گے اللہ اس کو جانتا ہے۔

یہ سن کر میں نے اونٹنی ان کے قریب لے جا کر بٹھادی اور خاتون سے کہا کہ اس پر سوار ہو جائیں مگر وہ سوار ہونے سے پہلے بولیں :

قُلْ لِلْمُومِنِیْنَ یَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِھِمْ o (سورۂ نور:۳۰)

مومنوں سے فرمادیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ (مطلب یہ تھا کہ تم اپنی آنکھیں بند کرلو یا منہ پھیر کر سوار ہو جاؤ تا کہ میں بلا جھجک سوار ہو جاؤں)

چنانچہ میں نے اپنی نگاہیں نیچی کرلیں اور ان سے کہا کہ لیں اب سوار ہو جائیں۔ جب وہ خاتون سوار ہونے لگی تو اونٹنی اچانک کھڑی ہوگئی اور اس کی اوڑھنی کجاوے سے اُلجھ کر پھٹ گئی۔ میں نے اس پر اظہارِ افسوس کیا تو وہ بولیں :

مَـا اَصَـابَکُمْ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَ یَعْفُوْ عَنْ کَثِیْرٍ o
(سورۂ شوریٰ:۳۰)

تمہیں جو مصیبت پہنچی ہے وہ تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے اور اللہ بہت سی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے۔

یعنی اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں یہ سب میرے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔

میں نے کہا کہ ذرا ٹھہر جائیں میں اپنی اونٹنی کے پاؤں باندھ دوں تا کہ آپ اطمینان کے ساتھ سوار ہو سکیں۔ تو خاتون نے کہا :

فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ٥ (سورۂ انبیاء:۷۹)

تو ہم نے سلیمان کو سمجھا دیا۔ یعنی اونٹنی کے پاؤں ضرور باندھو۔ ایسا کرنے ہی سے یہ قابو میں رہے گی۔ پھر میں نے اونٹنی کے پاؤں باندھے اور اُن سے عرض کیا کہ اب سوار ہو جائیں چنانچہ وہ سوار ہو گئیں اور یہ آیت کریمہ تلاوت کی :

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَ اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ٥ (سورۂ زخرف:۱۳تا۱۴)

پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارا مطیع کر دیا اور ہم اس کی صلاحیت نہ رکھتے تھے اور بے شک ہم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

میں نے اونٹنی کی مہار پکڑی اور اس کو ہنکاتے ہوئے چل پڑا، میری رفتار بھی تیز تھی اور جوشِ خوشی میں میری آواز بھی کچھ زیادہ بلند ہو گئی۔ اس پر وہ خاتون بولیں :

وَ اقْصِدْ فِی مَشْيِكَ وَ اغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ٥ (سورۂ لقمان:۱۹)

اپنے چلنے میں اعتدال سے کام لو اور اپنی آواز کو پست رکھو۔

اب میں آہستہ آہستہ چلنے لگا اور ساتھ ہی مدح خوانی کرنے لگا۔ اس پر وہ خاتون بولیں :

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ٥ (سورۂ مزمل:۲۰)

قرآن سے پڑھو جتنی توفیق ہو۔ (مطلب یہ تھا کہ اس حدی خوانی سے بہتر ہے کہ قرآن پاک کا کوئی رکوع پڑھو)

میں نے کہا کہ اے خاتونِ محترم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے، ان خوبیوں سے آراستہ ہونے کے لیے کیا چیزیں درکار ہیں؛ اور آپ کی طرح کوئی کیسے بن سکتا ہے؟۔ اس پر وہ بولیں :

وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُو الْاَلْبَابِ ٥ (سورۂ آل عمران:۷)

پھر میں نے چلتے چلتے ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ کا کوئی شوہر بھی ہے؟۔جواب دیا :

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لاَ تَسْئَلُوا عَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ o

(سورۂ مائدہ:۱۰۱)

اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں مت پوچھو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں ناگوار معلوم ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ اب میں نے بالکل چپکی سادھ لی، اور اسی عالم میں دھیرے دھیرے قافلہ کے قریب جا پہنچا۔ میں نے پوچھا کہ کیا قافلے میں کوئی آپ کا قرابت دار ہے؟۔انھوں نے جواب دیا :

اَلمَالُ وَ البَنُونَ زِیْنَةُ الحَیٰوةِ الدُّنْیَا o (سورۂ کہف:۴۶)

مال اور بیٹے دنیوی زندگی کی زینت ہیں۔

میں نے سمجھ لیا کہ قافلہ کے اندر اس کے بیٹے موجود ہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ ان کی کوئی نشانی ہو تو بتائیں تا کہ انھیں تلاش کرنے میں آسانی ہو۔ بولیں :

وَ عَلاَمَاتٍ وَّ بِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُونَ o (سورۂ نحل:۱۶)

اور علامتیں ہیں اور ستارے ہی سے وہ راستہ پاتے ہیں۔

میں سمجھ گیا کہ اس کے بیٹے قافلہ کے رہبر ہیں؛ چنانچہ اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے قافلے میں چکر لگانے لگا اور ان سے کہا کہ اپنے بیٹوں کو ڈھونڈ لیں۔ بولیں :

وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلاً o (سورۂ نساء:۱۲۵) ...... **وَ کَلَّمَ مُوسیٰ تَکْلِیْماًo** (سورۂ نساء:۱۶۵) ...... **یَا یَحْییٰ خُذِ الْکِتَابَo** (سورۂ مریم:۱۲)

مطلب یہ کہ تم ابراہیم، موسیٰ اور یحییٰ کے نام لے کر آواز دو۔ یہ سن کر میں نے زور سے آواز لگائی۔ **یا ابراهیم، یا موسیٰ، یا یحییٰ !** فوراً ہی تین خوبصورت نوجوان

ایک خیمہ سے نکلے اور بڑی عزت کے ساتھ اپنی والدہ کو اونٹنی سے اُتارا۔

جب ہم اطمینان سے بیٹھ گئے تو خاتون نے اپنے بیٹوں سے مخاطب ہوکر یہ آیت پڑھی :

فَابْعَثُوا اَحَدَکُمْ بِوَرِقِکُمْ هٰذِهٖ اِلَی الْمَدِیْنَةِ فَلْیَنْظُرْ اَیُّهَا اَزْکیٰ طَعَاماً فَلْیَاتِکُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ o (سورۂ کہف:۱۹)

اب اپنے میں کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو پھر وہ تحقیق کرے کہ کون سا کھانا پاکیزہ ہے سو اس میں سے تمہارے لیے کچھ کھانا لے آئے۔

یہ سنتے ہی ایک نوجوان دوڑا ہوا گیا اور قریبی شہر سے کچھ کھانا لے کر آیا۔ جب اس نے وہ کھانا میرے سامنے رکھا تو خاتون نے کہا :

کُلُوا وَ اشْرَبُوا هَنِیْئاً بِمَا اَسْلَفْتُمْ فِی الاَیَّامِ الخَالِیَةِ o (سورۃالحاقہ:۲۴)

خوشگواری کے ساتھ کھاؤ پیو، یہ ان اعمال کے سبب ہے جو تم نے پچھلے دنوں میں کیے ہیں۔

مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے نوجوان سے کہا کہ جب تک تم مجھے اس خاتون کی حقیقت نہ بتلاؤ گے، میں اس کھانے کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔

نوجوان نے کہا کہ یہ ہماری والدہ ہیں اور ان کی پچھلے چالیس سال سے یہی کیفیت ہے۔ اس عرصہ میں انھوں نے کوئی لفظ آیاتِ کلام الٰہی کے سوا زبان سے نکالا ہی نہیں۔ اور یہ پابندی انھوں نے اپنے اوپر اس لیے لگائی ہے کہ کوئی ایسا لفظ زبان سے نہ نکل جائے جس کی قیامت کے دن ان سے باز پرس ہو۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے کہا :

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ وَ اللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ o

(سورۂ جمعہ:۴)

خواتین ملت اسلامیہ! آپ اندازہ لگائیں کہ اس دور کی عورتیں علم وفضل میں کس قدر ممتاز تھیں کہ ہر سوال کا جواب قرآن پاک کی روشنی میں دینے پر قادر تھیں، اور آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہمیں ٹھیک سے قرآن پڑھنا بھی نہیں آتا، سمجھنا اور پھر اپنی زندگی کو اس کے سانچے میں ڈھالنا تو بہت دور کی بات ہے۔ سچ ہے کہ ؂

ایں سعادت بزورِ بازو نیست ☆ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی ایک خاتون نے قائم کیا تھا

عام طور پر مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں واقع جامعہ الازہر کو دنیا کی قدیم ترین یونی ورسٹی مانا جاتا ہے لیکن غالباً بہت سے لوگوں کو یہ جان کر تعجب ہوگا کہ گنیز بک آف ریکارڈز کے مطابق دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی جامعہ الازہر نہیں بلکہ یہ اعزاز افریقہ ہی کی ایک اور مسلم یونیورسٹی جامعہ القرویین کو حاصل ہے، جو ۸۵۹ء میں قائم کی گئی تھی۔ اور یونیورسٹی بھی کوئی عام قسم کی نہیں، بلکہ وہ جس سے دنیائے اسلام کی دو عظیم ترین شخصیات نے تعلیم حاصل کی ہے، یعنی شیخ ابن العربی اور علامہ ابن خلدون۔ قدس اللہ سرہما۔

اس سے پہلے کہ ہم اس یونیورسٹی کے بارے میں مزید تفصیلات پیش کریں، یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ گنیز بک کے اس شعبے کا تعلق ان یونی ورسٹیوں سے ہے جو بغیر کسی تعطل کے آج تک علم کی روشنی بکھیر رہی ہیں، اور ان میں وہ تعلیمی ادارے شامل نہیں ہیں جو زمانہ قدیم میں تو قائم تھے لیکن اب کام نہیں کر رہے۔

تو ذکر ہو رہا تھا مراکش کے تاریخی شہر فیض کی جامعہ القرویین کا، جو دنیا کی قدیم ترین ایسی یونیورسٹی ہے جو آج تک قائم و دائم ہے۔ اس کے مقابلے میں قاہرہ کی جامعہ الازہر ۹۷۱ء میں قائم کی گئی تھی، گویا عمر میں یہ القرویین سے ۱۱۲ برس چھوٹی ہے۔

ابھی شہر فیض نیا نیا آباد ہوا تھا کہ اس کے حکمران نے یہ دعا مانگی: اے خدا! اس شہر

کوایسا علمی مرکز بنادے جہاں قانون، سائنس اور تیری کتاب کی تعلیم دی جائے۔

اس حاکم کی دعایوں قبول ہوئی کہ ایک متمول سوداگر کی نیک شرست بیٹی فاطمہ الفہری نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد ترکے میں ملنے والی دولت سے ایک عظیم الشان مسجد بنانے کا تہیّا کرلیا۔ جب مسجد بنی تو اس زمانے کے رواج کے مطابق اس کے ساتھ ایک مدرسہ بھی قائم کیا گیا۔ یاد رہے کہ جامعہ الازہر کا آغاز بھی مسجد سے ملحق مدرسے کے طور پر ہوا تھا۔

جب فاطمہ کا مدرسہ چل پڑا اور اس میں دور دور سے طلبا علم کی پیاس بجھانے کے لیے آنے لگے تو اس عہد کے سلاطین بھی متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور انہوں نے اس مدرسے کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ جلد ہی وہ وقت آیا کہ جب مدرسے میں پڑھنے والے طلبا کی تعداد آٹھ ہزار سے تجاوز کرگئی۔ آنے والی صدیوں میں مسجد اور مدرسے میں مسلسل توسیع ہوتی رہی اور پھر وہ مدرسہ' جامعہ القرویین کہلانے لگا۔

جامعہ القرویین میں صرف دینی علوم ہی نہیں بلکہ دنیاوی علوم بھی پڑھائے جاتے تھے جن میں صرف ونحو، منطق، طب، ریاضی، فلکیات، کیمیا، تاریخ اور حتیٰ کہ موسیقی تک شامل تھے۔ جامعہ سے اسلامی تاریخ کی کئی بلند قامت شخصیات وابستہ رہی ہیں، ہم پہلے ہی عظیم صوفی شیخ الاکبر ابن العربی اور تاریخ دان ابنِ خلدون کا ذکر کر چکے ہیں۔

اس تاریخی ادارے نے عالمِ اسلام اور مغرب کے درمیان صدیوں تک علمی اور ثقافتی پل کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل طلبہ میں کئی غیر مسلم اسکالر بھی شامل ہیں۔ مثال کے طور پر یورپ میں عربی ہندسے اور صفر کا تصور متعارف کروانے والے پوپ سلوسٹر ثانی اسی یونیورسٹی کے طالبِ علم تھے۔ سلوسٹر ثانی ۹۹۹ سے ۱۰۰۳ء تک پوپ کے عہدے پر فائز رہے ہیں۔ ان کے علاوہ مشہور یہودی طبیب اور فلسفی موسیٰ بن میمون بھی اسی جامعہ کے طالبِ علم تھے۔

خواتین ملتِ اسلامیہ! تو آپ اندازہ لگائیں کہ اگلی عورتوں نے کیا کیا نہیں کیا اور

آج ہم کیا کرر ہے ہیں۔آج ضرورت ہے کہ ہم اس سنہری تاریخ کو پھر دہرائیں اور اپنے اندر وہ جذبہ پیدا کریں؛ تاکہ ہماری اولاد آنکھ کھولے تو تربیت و پرورش کے لیے اچھا سے اچھا دینی وعلمی ماحول پا سکے، پھر وہ آگے چل کر ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دین کے لیے عظیم سرمایہ بن سکے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دین سے سچی محبت کرنے ،اپنی اولاد کی عمدہ تربیت کرنے اور خود کو قرآن کریم کے سانچے میں ڈھل جانے کی توفیق عطا فرمائے۔

و ما علینا الا البلاغُ المبین .

---

(۱) سنن ابن ماجہ:۸۱/۱حدیث:۲۲۴......مشکوٰۃ المصابیح:۴۷/۱ حدیث:۲۱۸......مسند ابویعلی موصلی:۳۸۴/۶ حدیث:۲۷۷۲......مسند بزار: ۱۷۲/۱ حدیث: ۹۴......مسند شامیین: ۲۰۲/۳ حدیث: ۲۰۸۴......مسند شہاب قضاعی: ۱۳۵/۱ حدیث: ۱۷۴......مجمع الزوائد: ۱۴۳/۱ حدیث: ۴۷۲......شعب الایمان: ۲۵۳/۲ حدیث: ۱۶۶۵......معجم کبیر طبرانی: ۴۲/۹ حدیث: ۱۰۲۸۶...... جامع الاحادیث: ۲/۵ حدیث: ۳۶۲۶...... جمع الجوامع: ۳۹۲۶/۱......کنز العمال: ۱۳۰/۱۰حدیث: ۲۸۶۵۱۔

(۲) شرح مواہب زرقانی: ۳۲۷/۳......مستدرک حاکم: ۱۲/۴......مدارج النبوۃ: ۸۱۱/۲۔

(۳) جامع ترمذی: ۲۲۷/۲......مستدرک حاکم: ۱۲/۴۔

(۴) مستدرک حاکم: ۱۲/۴۔

(۵) جامع ترمذی: ۲۲۸/۲......مشکوٰۃ المصابیح: ۵۷۴......مستدرک حاکم: ۱۲/۴۔

(۶) مستدرک حاکم: ۱۲/۴......طبقاتِ ابن سعد: ۶۶/۸۔

(۷) مسند احمد: ۶۷/۶......شرح مواہب زرقانی: ۲۳۴/۳......مستدرک حاکم: ۱۳/۴۔

(۸) الدرر المنتثرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ سیوطی: ۷۰......جدابہ: ۱۲۹/۳......البدایہ والنہایہ۔

(۹) مسند عائشہ اسحٰق بن راہویہ: ۱۰۷......مدارج النبوۃ: ۸۱۱/۲۔

(۱۰) طبقاتِ ابن سعد: ۴۸۰/۸۔

(۱۱) العبر فی خبر من غبر: ۱۶/۱......الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۱۲۸/۲۔

(۱۲) الاعلام زرکلی: ۴۴/۸...... مرآۃ الجنان فی وعبرۃ الیقظان فی معرفۃ حوادث الزمان: ۲۲۸/۱...... دیوان الاسلام: ۸۹/۱۔

(۱۳) عیون الحکایات ابن الجوزی: ۸۰تا۸۲۔

تعلیم عورتوں کی ضروری تو ہے مگر!

الحمد للّٰہ رب العالمین، والعاقبة للمتقین والصلوٰة والسلام علی اشرف الأنبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ الطاھرین واصحابہ المخلصین المنتجبین . أما بعد !

خواتین اسلام اور دخترانِ عزیز! آج میں ایک نہایت ہی اہم موضوع کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتی ہوں، اور وہ ہے بچیوں کی تعلیم کا مسئلہ۔ تو اس حوالے سے پہلے ایک مسلمان عورت کو یہ سوچنا ضروری ہے کہ ہم میں اور دوسری عورتوں میں جو اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں، نہ خدا اور رسول پر ان کا ایمان ہے، کچھ فرق ہونا چاہیے یا نہیں؟۔ اگر ذرا بھی اسلامی غیرت باقی ہوگی تو ہر اسلامی خاتون، اپنے نبی کا کلمہ پڑھنے والی اور عائشہ و فاطمہ کے نام پر جان چھڑکنے والی عورت ضرور یہ کہنے اور ماننے پر اپنے کو مجبور پائے گی کہ واقعی مسلمان عورتوں اور دوسری عورتوں میں فرق ہونا چاہیے۔ سب عورتیں برابر نہیں ہوسکتیں۔

مسلمان عورت اور غیر مسلم عورت کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک آدمی قید خانے میں ہے اور دوسرا قید خانے سے باہر۔ دونوں کے عمل و کردار میں ضرور فرق ہوگا۔ جو مرد قید خانے سے آزاد اور اپنی طبیعت سے گھوم پھر رہا ہے، کھا پی رہا ہے، ہنس بول رہا ہے، وہ الگ حیثیت کا مالک ہے اور جو قید خانے میں محصور ہے وہ بالکل دوسری طرح جی رہا ہے، اس کا کھانا پینا الگ ہے، جو ملے گا وہی کھائے گا، جہاں رکھا جائے گا وہیں رہے گا، جو کام کرایا جائے گا وہی کرے گا، جس سے روک دیا جائے گا وہ اس سے رک جائے گا، جب

جہاں چاہے جانہیں سکتا، جس کسی سے اور جب ملنا چاہے نہیں مل سکتا۔ حالاں کہ کھانا پینا، رہنا سہنا، اور ملنا جلنا اسے بھی ہے، لیکن ہر معاملے میں جیل کے قانون کا پابند ہے۔

بلاتمثیل مسلمانوں کا حال بھی یہی ہے، چاہے عورتیں ہوں یا مرد، ہم اپنے طور پر آزاد نہیں ہ جو چاہیں کھائیں پئیں، جہاں چاہیں آئیں جائیں، بلکہ ہم تو خدا کے قیدی ہیں، اس کے رسول کے غلام ہیں، اور خدا اور رسول کے قوانین کے ہر طرح پابند ہیں۔ اسی لیے تو حدیثِ پاک میں آیا ہے :

الدنیا سِجن المو مِنِ و جنة الکافِرِ . (۱)

یعنی دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے مثل جنت ہے۔

سو کافر یہاں آزاد ہے، مومن آزاد نہیں تو جو یہاں آزاد ہے، آخرت میں آزاد نہیں بلکہ جہنم میں جھونکا جائے گا اور مومن جنت کی بہاروں میں شادکام اور آزاد ہوگا۔ اب اگر کوئی مومنہ عورت اپنے اور کافرہ عورتوں کی طرح آزاد تصور کرتی ہے، دین چھوڑ کر فیشن کے پیچھے بھاگتی ہے تو یقیناً یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ اپنے کو آزاد سمجھتی ہے، اور جو اپنے کو آزاد سمجھے وہ مومنہ، پارسا، خدا کی بندی اور رسول کی کنیز کیسے ہو سکتی ہے!، کیوں کہ اس نے تو کافرہ عورتوں کی روش اختیار کر لی ہے اور خدا اور رسول کے احکام کو پس پشت ڈال دیا ہے اور جو خدا اور رسول کا کھلم کھلا نافرمان ہوگا، اس کا انجام کیا ہوگا، خود ہی سوچ لینا چاہیے۔

پھر یوں بھی سوچیں کہ جو آدمی ذمہ دار ہوتا ہے، وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے، سوچ سمجھ کر زندگی گزارتا ہے، لیکن جو غیر ذمہ دار ہوتا ہے، اسے کچھ سوچنا ہی نہیں پڑتا۔ تو مسلمان ایک ذمہ دار قوم ہے۔ مسلمان مرد ہو یا عورت، ان کو آزاد نہیں پابند ہو کر زندگی گزارنا ہے، ذمہ دارانہ انداز اختیار کرنا ہے، اپنی عفت و پارسائی کا لحاظ کرنا ہے، بے پردگی کا مظاہرہ کر کے خدا اور رسول کو ناراض نہیں کرنا ہے، کیوں کہ مسلمان کی کامیابی کا راز

اسی میں ہے کہ وہ خدا و رسول کا اطاعت شعار اور فرماں بردار بن کر زندگی گزارے۔ قرآن پاک میں ہے :

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ٥ (سورۂ آل عمران:۳/۱۳۲)

اور اللہ و رسول کے فرماں بردار رہو، اس امید پر کہ تم رحم کیے جاؤ۔

یعنی اگر تم اللہ کے رحم و کرم کے طالب ہو تو اس کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے رہو، اگر اس میں غفلت کی اور نافرمانی و سرکشی کو اپنا شیوہ بنا لیا تو پھر تم اس کے رحم سے محروم کر دیے جاؤ گے اور بھلا وہ دنیا و آخرت میں کیسے کامیاب ہوگا جو خدا کی رحمتوں سے محروم رکھا گیا۔

مسلم خواتین کے لیے اس کے رسول کا فرمانِ عالی شان ہے :

المرأة عورة فاِذا خرجتِ استشرفها الشيطان .(۲)

یعنی عورت پردے کی چیز ہے، جب وہ بے پردہ نکلتی ہے تو شیطان اس کو گھور گھور کر دیکھتا ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان عبرت نشان کس کے لیے ہے؟، مسلمان خواتین ہی کے لیے تو ہے۔ اب اگر یہ مسلم خواتین غیروں کی طرح بن سنور کر بے پردہ نکلیں گی تو ان کا کیا حشر ہوگا، کیا وہی حشر نہ ہوگا جو آئے دن اخبارات میں پڑھنے کو ملتا ہے؟۔ کیا روز روز اخبارات میں چھپنے والے عصمت دری کے واقعات ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی نہیں۔ یا جب سب کی عصمتیں لٹ جائیں گی تب ہوش آئے گا۔

آج ترقی اور تعلیم کے نام پر ہماری جوان بیٹیاں بے حیائی کے کیا کیا گل کھلا رہی ہیں، ہماری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔ آج کا فیشن ایبل طبقہ اور مغربیت کا دلدادہ انسان پردے کی باتیں سن کر یہ کہنے لگتا ہے کہ یہ مولوی لوگ بچیوں کو تعلیم سے روکتے ہیں۔

میرے بھائی مولوی لوگ تعلیم سے نہیں روکتے، بلکہ باپردہ نکلنے کی تاکید کرتے ہیں اور وہ بھی اپنی طرف سے نہیں، اللہ و رسول کے حکم کی تعمیل کرتے ہوے ایسا کرتے ہیں۔ ابھی آپ نے رسولِ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشاد ملاحظہ کیا، کیا یہ مولویوں کی اپنی بات ہے؟ نہیں، نہیں، یہ تو اس محسنِ انسانیت رسول کی بات ہے، جو انسانیت کی بھلائی اور رہ نمائی کے لیے تشریف لائے، جن کا اسوہ حسنہ اپنانا ہمارے لیے سعادت ہے، جیسا کہ قرآن میں فرمایا:

وَ مَا اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ o (سورۂ آل عمران:۴/۱۳۲)

اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

اس سے دو باتیں بالکل صاف طور سے معلوم ہوئیں کہ بعثت انبیا کا مقصد یہ تھا کہ ان کی امت ان کی فرماں برداری کرے۔ دوسری بات یہ کہ یہ اطاعت تمھیں اپنی طبیعت سے نہیں کرنی ہے بلکہ یہ سمجھ کر کہ ان کی اطاعت کا حکم تمھیں اللہ نے دیا ہے کسی اور نے نہیں دیا۔

اب وہ لوگ غور کریں جو حکم شرع اور سنت رسول کے ذکر کے وقت یہ سوچتے یا کہتے ہیں کہ یہ سب مولویوں کا نکالا ہے، کس قدر گھٹیا بات ہے اور وہ خدا کے ہاں کیا جواب دیں گے، جب وہ فرمائے گا کہ ہم نے رسولوں کو اطاعت کے لیے ہی تو بھیجا تھا پھر تم نے کیوں نہ ان کی اطاعت کی؟۔

پردے سے متعلق مجھے اس وقت زیادہ لمبی چوڑی کوئی گفتگو نہیں کرنی ہے، اس کے لیے فقہا کے اقوال موجود ہیں، جو انھوں نے احادیثِ رسول کو سامنے رکھ کر مستنبط و مرتب فرمائے ہیں۔ مجھے یہاں صرف یہ ذہن دینا ہے کہ آج آخر مسلمان مرد و عورت کو کیا ہو

گیا ہے کہ شرعی اور ضروری پردے کو بھی طاقِ نسیاں بنا کر رکھ دیا ہے؟ آخر دلوں سے خدا کا خوف اس قدر کیوں نکل گیا ہے؟۔ آج محض تعلیم و ترقی کو کیوں بہانا بنایا جا رہا ہے؟ کیا ماضی میں اسلاف کی خواتین اہلِ علم نہ تھیں، ان میں فقیہہ، عالمہ، محدثہ، اور مورخہ نہ تھیں، ضرور تھیں، لیکن انھوں نے شرعی حدود و پھلانگ کر علم نہیں حاصل کیا تھا، بلکہ خدا و رسول کے احکام پر چل کر علمی سفر طے کیا تھا۔ تو آج بھی پردے اور شرعی حدود میں رہ کر خواتین علم سے آراستہ ہوسکتی ہیں۔

کیا ترقی اور تعلیم میں آگے بڑھنے کے لیے ہماری بچیوں کا بن سنور کر ہی نکلنا ضروری ہے......؟ کیا چست لباس پہن کر ہی تعلیم حاصل کی جا سکتی ہے......؟ کیا جوان لڑکوں سے یارانہ کر کے ہی ترقی کے میدان میں قدم رکھا جا سکتا ہے......؟ کیا سروں کو کھول کر، زلفوں کو لہرا کر ہی کالج اور اسکول جایا جاسکتا ہے......؟ کیا اپنے مواضع زینت اور مقاماتِ حیا کی نمائش کر کے ہی علم و ادب میں آگے بڑھا جا سکتا ہے......؟ کیا دختر و فرزند کی مخلوط تعلیم ہی ایک واحد راستہ ہے حصولِ تعلیم کا ش......؟ کیا راستے بھر خوشبوئیں بکھیرتے چلنے ہی پر زیورِ تعلیم کا حصول موقوف ہے......؟ کیا راستے بھر فراٹے کی باتیں کرتے جانے ہی سے اسکول کا راستہ طے ہوسکتا ہے......؟ کیا لڑکے، لڑکیوں کے لباس، چال ڈھال، بات چیت اور اندازِ گفتگو میں کچھ فرق ہونا چاہیے یا نہیں......؟۔

میں سمجھتی ہوں اگر ماں باپ کے اندر خوفِ خدا اور تقویٰ کی کچھ بھی رمق باقی ہوگی تو اپنی بیٹیوں کو ضرور باحیا اور پارسا بنانے میں دلچسپی لیں گے۔ کیا انھوں نے کبھی اپنے پیغمبر کا یہ فرمانِ عظمت نشان نہیں سنا :

الحیاء شعبة مِن الایمانِ .

یعنی حیا اِیمان کا ایک حصہ ہے۔

اگر حیا نہیں تو یہ ایمان کی کمزوری کی لازمی دلیل ہے، اور جب ایمان کمزور ہوگا تو ہر برائی کا دروازہ کھلتا چلا جائے گا۔

آج بہت سے مسلمان اہلِ علم، مسلم گرلس اسکول اور کالج کھول رہے ہیں، لیکن ان کے اور مغربی اسکولوں کے ماحول میں ذرہ برابر فرق نظر نہیں آتا۔ وہ اپنے متعین کردہ ڈریس کی تو خوب پابندی کرتے کراتے ہیں لیکن مسلم جوان بچیوں کے پردے کے متعلق انھیں کچھ خیال نہیں ہوتا۔ ان اسکولوں میں پڑھانے والی معلّمات خود بے حیا اور بے پردہ ہوتی ہیں تو وہ اپنی طالبات کو کہاں تک پردے اور حیا کا درس دیں گی!۔ کہیں جوان بچیوں کو جوان معلم حضرات بے پردہ پڑھاتے ہیں، یہ کون سا مسلم اسکول ہے، جہاں اسلام کی ایک اہم اور ضروری تعلیم ہی کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور نام رکھا جاتا ہے مسلم گرلس اسکول، مسلم کالج وغیرہ۔

واضح رہے کہ بچیاں اگر بالغ ہیں یا قریب بلوغ ہیں تو ان پر اتنا پردہ تو فرض ہے کہ ہاتھ کا ہتھیلیوں کے علاوہ کلائی تک کوئی حصہ کھلا نہ رہے، سر پورا پردے میں ہو، کان، کنپٹی، گلا بالکل چھپا ہو، پیر بھی ٹخنوں کے نیچے تک ڈھکا ہو، چہرہ بھی حالاتِ زمانہ کے پیشِ نظر ڈھکا ہو تو بہتر ہے، تاکہ مریض دلوں کو بدنگاہی کا موقع نہ ملے اور شریف خواتین خود نہیں چاہیں گی کہ دوسروں کو ایسا موقع دیں اور اپنی عفت پر حرف آنے دیں۔ اور سینے کی حفاظت ایسی کہ پردے پر بھی پردہ ہو، یہ بھی ضروری ہے اور اسی میں فتنے سے زیادہ حفاظت بھی ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ جوان عورت یا لڑکی کے کھلے چہرے پر شہوت سے نظر تو بالاتفاق حرام ہے اور اس کے علاوہ بھی ضرورت نہ ہو تو ممنوع۔

احادیث اور اقوالِ فقہا کی روشنی میں پردے کا نہایت معتدل حکم میں نے بیان کر دیا۔ اہلِ ایمان بھائیوں بہنوں سے امید ہے کہ اپنی بچیوں کو اسی کے مطابق رہنے کی تاکید

فرمائیں گے کہ اسی میں بھلائی ہے اور اس کے خلاف میں سراسر تباہی۔

اور آخر میں گزارش یہ بھی کرتی چلوں کہ اپنی بچیوں کو علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ کی لکھی ہوئی مشہورِ زمانہ کتاب ''جنتی زیور''، یا علامہ محمد خلیل خان مارہروی کی ''سنی بہشتی زیور'' کا مطالعہ ضرور کرادیں تاکہ انھیں اسلامیات کی ضروری معلومات ہوجائے، اور پردے کے بھی مفصل مسائل جان لیں۔ اور یاد رکھیں۔ اکبرالٰہ آبادی مزاجِ زمانہ کومحسوس کرتے ہوئے کیا خوب کہہ گئے ہیں ؎

تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر

خاتونِ خانہ ہوں وہ سبھا کی پری نہ ہوں

بس انھیں چند کلمات پر میں اپنی گزارشات ختم کرتی ہوں اور اللہ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ وہ ہمارے قلب وشعور کو اسلامی تہذیب وثقافت کی خیرات سے منور فرمادے، اور ہمارے معاشرے کو صحیح معنوں میں اسلامی معاشرہ بنادے۔ آمین یارب العالمین۔

و ما علینا الا البلاغ المبین

---

(۱) صحیح مسلم:۴/۲۲۷۲حدیث:۲۹۵۶...... سنن ترمذی:۴/۵۶۲حدیث:۲۳۲۴...... سنن ابن ماجہ:۲/ ۱۳۷۸ حدیث:۴۱۱۳...... صحیح ابن حبان:۲/۴۶۲حدیث:۶۸۷...... مصنف ابن ابی شیبہ:۷/۱۲۹ حدیث: ۳۴۷۲۲...... مسنداحمد:۲/۳۲۳حدیث:۸۲۷۲...... مسندابویعلی موصلی:۱۳/۲۲۹حدیث:۶۳۳۴۔

(۲) سنن ترمذی:۳/۴۷۶حدیث:۱۱۷۳...... صحیح ابن حبان:۱۲/۴۱۲حدیث:۵۵۹۸...... صحیح ابن خزیمہ: ۳/۹۳حدیث:۱۶۸۵...... مصنف ابن ابی شیبہ:۲/۱۵۷حدیث:۷۶۱۶...... مسند بزار:۵/۴۲۷ حدیث:۲۰۶۱...... مشکوٰۃ المصابیح:۲/۲۰۵حدیث:۳۱۰۹...... جمع الجوامع:۱۹۹۸۹حدیث:۱۴۹۔

طوافِ کعبہ کرتی ہوئیں
چند اللہ والیوں کی اِیمان افروز داستانیں

إنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَهْدِيْهِ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أنْفُسِنَا وَ سَيِّئَاتِ أعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلاَ هَادِىَ لَهٗ وَ أشْهَدُ أن لَّا إِلٰهَ إلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَ شَرِيْکَ لَهٗ، وَ أشْهَدُ أنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ وَصَفِيُّهٗ وَخَلِيْلُهٗ بَلَّغَ الرِّسَالَةَ وَأدَّى الأمَانَةَ وَنَصَحَ الأُمَّةَ وَجَاهَدَ فِى سَبِيْلِ رَبِّهٖ حَقَّ الْجِهَادِ وَ هَدَى النَّاسَ مِنَ الضَّلاَلَةِ وَ نَجَاهُمْ مِنَ الْجَهَالَةِ وَ أخْرَجَهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إلَى النُّوْرِ وَهَدَاهُمْ بِإذْنِ رَبِّهٖ إلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ، اللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰى عَبْدِکَ وَ نَبِيِّکَ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أجْمَعِيْنَ .

میری معزز پردہ نشین ماؤں اور بہنو! آج کی مجلس میں میں ایک خاص موضوع پر گفتگو کرنے کی سعادت حاصل کروں گی۔ یہ موضوع طوفِ حرم سے متعلق ہے کہ جہاں پر پہنچنے کی خواہش وتڑپ ہر مومن مرد وعورت کے دل میں موجود ہے۔موضوع کی مناسبت سے میں چند اللہ والیوں کے واقعات آپ کے گوش گزار کروں گی۔

روایتوں میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم ادہم جب سفرِحج پر روانہ ہوئے تو ہر گام پر دو رکعت نماز ادا کرتے ہوئے چلے اور مکمل چودہ سال میں مکہ معظّمہ میں پہنچے۔ دورانِ سفر یہ بھی کہتے گئے کہ دوسرے لوگ تو قدموں سے چل کر پہنچے ہیں لیکن میں آنکھوں کے بل پہنچوں گا اور جب مکہ میں داخل ہوئے اور طوافِ خانہ کعبہ کے لیے مطاف میں

اُترے تو وہاں خانہ کعبہ دکھائی نہ دیا۔ چنانچہ اس تصور سے آپ آب دیدہ ہوگئے کہ شاید میری بصیرت زائل ہوچکی ہے لیکن غیب سے آواز آئی کہ بصیرت زائل نہیں ہوئی بلکہ کعبہ ایک ضعیفہ کے استقبال کے لیے گیا ہوا ہے۔ یہ سن کر آپ کو احساسِ ندامت ہوا کہ اور گریہ کناں ہوئے: یا اللہ! وہ کون سی ہستی ہے۔ ندا آئی کہ وہ بہت ہی عظیم المرتبت ہستی ہے۔ چنانچہ آپ کی نظر اُٹھی تو دیکھا کہ سامنے سے حضرت رابعہ بصریہ لاٹھی کے سہارے چلی آرہی ہیں اور کعبہ اپنی جگہ موجود ہے۔

آپ نے رابعہ بصریہ سے سوال کیا کہ تم نے نظام کو کیوں درہم برہم کر رکھا ہے؟

جواب ملا: میں نے تو نہیں کیا البتہ تم نے ایک ہنگامہ ضرور کھڑا کر رکھا ہے جو چودہ برس میں کعبہ تک پہنچے ہو۔

حضرت ابراہیم نے کہا کہ میں ہر گام پر دو رکعت نفل پڑھتا ہوا آیا ہوں جس کی وجہ سے اتنی تاخیر سے پہنچا۔

رابعہ نے فرمایا کہ تم نے تو نماز کے ساتھ فاصلہ طے کیا ہے اور میں عجز وانکسار کے ساتھ یہاں تک پہنچی ہوں۔

پھر ادائیگی حج کے بعد حضرت رابعہ نے اللہ تعالیٰ سے رو کر عرض کی کہ تو نے حج پر بھی اجر کا وعدہ فرمایا ہے اور مصیبت پر صبر کرنے کا بھی؛ لہٰذا اگر تو میرا حج قبول نہیں فرماتا تو پھر مصیبت پر صبر کرنے کا ہی اجر عطا کر دے۔ کیوں کہ حج قبول نہ ہونے سے بڑھ کر اور کون سی مصیبت ہوسکتی ہے.....

یوں ہی منقول ہے کہ حضرت محمد بن حسین سلمی رحمہ اللہ جو کہ اکابرین اولیا میں ہوئے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک سال میں حج بیت اللہ کے لیے گیا۔ جب طوافِ خانہ کعبہ سے فارغ ہوا تو دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص بازارِ مکہ میں ایک نحیف و ناتواں مگر درخشندہ جبیں لونڈی کو اپنے ہاتھوں میں لیے گھوم رہا ہے، اور آواز پر آواز لگائے جارہا ہے کہ ہے کوئی

اس کی چاہت رکھنے والا؟اگر کسی کو اس سے رغبت ہو تو بس بیس دینار سے اسے خرید لے۔ میں خریدنے کے لیے جب آگے بڑھا، تو وہ بوڑھا شخص کہنے لگا: آپ اسے بصد شوق خریدیں؛ مگر مجھے اس کے عیوب سے معاف رکھیں، میں اس کی خامیوں کا ذمہ دار نہیں ہوں۔

میں نے کہا: بزرگ میاں! ٹھیک ہے آپ اس کے عیوب کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لیتے؛ مگر یہ تو بتائیں کہ اس کے وہ عیوب ہیں کیا؟۔

تو وہ کہنے لگا: یہ ہمیشہ کھوئی کھوئی سی رہتی ہے......ایسا لگتا ہے جیسے ہمہ وقت کوئی بارِ غم اس پر ٹوٹ رہا ہے......ہنستی بولتی کم ہے اور سسکتی روتی زیادہ ہے......نہ معلوم کس کے عشق کا تیر اِس کے دل کے اندر چبھا ہوا ہے...... میں اسے ہزار خوش کرنے کی کوشش کرتا ہوں؛ مگر اس کا حزن وملال کم ہونے کو نہیں آتا۔

میں نے کہا: ٹھیک ہے یہ سارے عیوب مجھے منظور ہیں اور آپ اس سے بری الذمہ۔ چنانچہ میں نے اسے خرید لیا اور گھر لے آیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ نیاز مندانہ میرے پاس آئی اور بڑے ہی ادب کے ساتھ عرض گزار ہوئی: آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟۔

میں نے کہا: عراق سے۔

کہنے لگی: پھر بصرہ سے ہوں گے یا کوفہ سے؟۔

میں نے کہا: نہ بصرہ سے نہ کوفہ سے۔

کہنے لگی پھر تو آپ مدینۃ السلام بغداد سے ہوں گے۔

میں نے کہا: یہ سچ ہے۔

کہتی ہے: ہاں! کیا خوب، وہ شہر تو عابدوں اور زاہدوں کا شہر ہے، وہاں تو عاشق لوگ رہتے ہیں، اور بغداد کی بستی اہل اللہ کے حوالے سے بڑی مشہور ہے۔

حضرت محمد بن حسین کہتے ہیں کہ میں نے اپنے جی میں کہا کہ یہ تو کوئی خدا رسیدہ لگتی ہے۔ بہر حال!۔

میں نے پوچھا: ان عاشقوں میں سے تو کسی کا نام بھی جانتی ہے؟۔

کہتی ہے: ہاں! کیوں نہیں۔ میں حضرت مالک بن دینار کو جانتی ہوں۔ حضرت حسن بصری سے واقف ہوں۔ حضرت بشر حافی کا نام سن رکھا ہے۔ وہاں معروف کرخی بستے ہیں، وہ ابو حاتم سجستانی کا علاقہ ہے، وہاں رابعہ بصریہ، شعوانہ، میمونہ وغیرہ کے علاوہ حضرت محمد بن حسین کو بھی جانتی ہوں۔

میں نے پوچھا: تم انھیں کہاں سے جانتی ہو؟۔

کہتی ہے اے جوانِ صالح! بھلا میں انھیں کیوں نہ جانوں پہچانوں، وہ لوگ تو دلوں کے معالج اور محبانِ حق کے رہنما ہیں۔

حضرت محمد بن حسین کہتے ہیں کہ اس کی اس بات نے مجھے حیرت زدہ کر دیا۔ اب میں نے پوچھا کہ یہ بتا تو نے جن کا نام شمار کیا ہے ان میں سے کسی کو پہچانتی بھی ہے؟۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گئی اور اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

میں نے اَز خود کہا: مجھی کو لوگ محمد بن حسین بغدادی کہتے ہیں۔

کہتی ہے: اے عبداللہ! میں نے رب تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ اے پروردگار! ایک بار محمد بن حسین سے میری ملاقات کرا دے۔ اب آپ بتائیے کہ آپ کی وہ دلسوز آواز کیا ہوئی جس سے اہلِ اِرادت کے قلوب میں زندگی پیدا ہوتی تھی اور سننے والوں کی آنکھیں اشک بار ہو جاتی تھیں۔ پھر وہ عرض گزار ہوئی کہ بڑا اچھا ہوتا اگر آپ مجھے وہ نغمہ لاہوتی آج کچھ سنا دیتے۔

حضرت محمد بن حسین کہتے ہیں کہ میں نے قرآن کریم کا آغاز کرنے کی نیت سے

جب ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھا تو اس پر بے خودی کی کیفیت طاری ہوگئی اور پھر بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑی۔

میں نے بعجلت پانی لاکر جب اس کے بدن پر ڈالا تو اسے اِفاقہ ہوا اور ہوش میں آتے ہی کہنے لگی کہ جب اس کے نام میں اِتنی حلاوت ہے تو بروزِ محشر جب اس کا دیدار نصیب ہوگا، اس وقت کیا بنے گا!۔

کہنے لگی ابھی میری روح کی تشنگی بجھی نہیں۔ ذرا سا اور پڑھنے کی زحمت فرمائیں گے؟۔

میں نے کہا: بصد شوق۔ چنانچہ میں نے پڑھا :

وُجُوهٌ يَّومَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ o

اور پڑھا :

وُجُوهٌ يَّومَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ o

یہ سن کر وہ کہتی ہے کہ جس روز وہ اپنے دوستوں کے لیے ظاہر ہوگا مجھے اس کے ملنے کا کس قدر شوق ہوگا؟ ذرا کچھ اور پڑھیے، خدا آپ پر رحم کرے۔ محمد بن حسین نے پھر پڑھنا شروع کیا :

يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقَ وَكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ لَا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنزِفُونَ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ وَحُورٌ عِينٌ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ جَزَاء بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ o (سورہ واقعہ: ۵۶: ۱۷ تا ۲۴)

ہمیشہ ایک ہی حال میں رہنے والے نوجوان خدمت گار ان کے اِرد گرد گھومتے ہوں گے۔ کوزے، آفتابے اور چشموں سے بہتی ہوئی (شفاف) شرابِ

(قربت) کے جام لے کر (حاضر خدمت رہیں گے)۔ انہیں نہ تو اُس (کے پینے) سے دردسر کی شکایت ہوگی اور نہ ہی عقل میں فتور (اور بدمستی) آئے گی۔ اور (جنتی خدمت گزار) پھل (اور میوے) لے کر (بھی پھر رہے ہوں گے) جنھیں وہ (مقربین) پسند کریں گے۔ اور پرندوں کا گوشت بھی (دستیاب ہوگا) جس کی وہ (اہل قربت) خواہش کریں گے۔ اور خوبصورت کشادہ آنکھوں والی حوریں بھی (ان کی رفاقت میں ہوں گی)۔ جیسے محفوظ چھپائے ہوئے موتی ہوں۔ (یہ) ان (نیک) اعمال کی جزا ہوگی جو وہ کرتے رہے تھے۔

کہتی ہے: اے ابوعبداللہ! میرا خیال ہے کہ آپ نے حور کو پیغام تو دیا ہے مگر کیا مہر کے لیے کچھ خرچ بھی کیا ہے؟۔

میں نے کہا: میں تو مفلس ہوں، بتا میں کیا کروں؟۔

اس نے کہا: نمازوں سے شب بیداری کیجیے۔ ہمیشہ روزہ رکھیے اور فقرا و مساکین سے محبت رکھیے۔ اتنا کہتے کہتے پھر اس پر غشی طاری ہوگئی، میں نے پانی کے چھینٹے دیے تو وہ ہوش میں آئی اور مناجات کرنے لگی۔ رب تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کے بعد التجا کرتے کرتے خاموش ہوکر فرشِ زمین پر گر پڑی۔ قبل اس کے کہ میں پانی لا کر اس پر چھینٹے مارتا اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

پھر میں بازار مکہ میں گیا کہ اس کے کفن دفن کا کچھ انتظام کروں۔ جب کپڑے لے کر پہنچا تو دیکھ رہا ہوں کہ غیب سے اس کی تکفین کی جا چکی ہے، اس کے علاوہ اس پر سبز رنگ کے دو جنتی حلے پڑے ہیں اور قریب جا کر نگاہ دوڑائی تو اس کے ایک بازو پر لکھا تھا :

لا الٰه الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه

اور دوسرے سمت پر لکھا تھا :

اَلاَ اِنَّ اَولِيَاءَ اللّٰهِ لاَ خَوفٌ عَلَيهِمُ وَلاَ هُمُ يَحزَنُونَ o

پھر اس کی تجہیز وتکفین سے فارغ ہوکر اُداس وغمگین اپنے حجرے میں چلے گئے۔ دو رکعت نماز پڑھ کر سو رہے، اسے خواب میں دیکھا کہ وہ جنت مین لعل وجواہر کے تاج پہنے، بہشتی لباس زیب تن کیے، پاؤں میں سرخ یاقوت کی جوتیاں ڈالے، آفتاب وماہتاب سے زیادہ روشن وتابندہ رخسار کے ساتھ محوخرام ہے۔

میں نے پوچھا: اے کنیز! تجھے یہ عظیم مقام کیسے ملا؟۔

کہنے لگی: فقرا ومساکین کی محبت، استغفار کی کثرت، اور مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دِہ چیزیں دور کرنے کے باعث۔(۱)

یوں ہی روایتوں میں آتا ہے کہ ایک کنیز طوافِ خانہ کعبہ کے دوران غلافِ کعبہ اپنے ہاتھوں میں تھامے ہوئے کہہ رہی تھی اے میرے مولا! تجھے تیرے چاہنے کی قسم، مجھے میرا دل واپس کردے۔ حضرت ابراہیم بن مہلب سائح رحمۃ اللہ علیہ وہیں موجود تھے، انھیں کنیز کی مناجات پر تعجب ہوا اور پوچھا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ تجھے چاہتا ہے؟۔

کنیز: اس کی عنایت آج مجھ پر کچھ نئی نہیں بلکہ میں پہلے سے جانتی ہوں، اس نے میرے لیے شکر روانہ کیے، مال خرچ کیے، مجھے مشرکوں کے علاقے سے نکال کر توحید کے گہوارہ میں بلایا، اور اپنی ذات کی معرفت کرائی۔ اے ابراہیم! کیا یہ سب مہربانیاں اور نوازشیں چاہنے کی نشانی نہیں ہیں!۔

ابن مہلب: اچھا یہ بتاؤ تجھے اس سے جو محبت ہے وہ کیسی ہے؟۔

کنیز: بہت عظیم وجلیل۔

ابن مہلب: اس کی کچھ کیفیت بتاؤ؟۔

کنیز: خوش ذائقہ مشروب سے زیادہ رقیق اور گل قند سے زیادہ شیریں۔ یہ کہہ کر وہ کنیز وہاں سے چلی گئی۔ سچ ہے(۲)۔

اس کے اَلطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا!

حضرت محمد بن مروان سدوسی رحمۃ اللہ علیہ (م۱۸۹ھ) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں خانہ کعبہ میں رکن یمانی کے قریب طواف کرنے میں مشغول تھا کہ اچانک چار لڑکیوں کو آتے دیکھا، ان کے چہروں پر برگزیدگی کے آثار نمایاں تھے۔ان میں سے سب سے بڑی نے غلافِ کعبہ سے لپٹ کر عاجزی واِنکساری کا اِظہار کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

إليک حجي لا للبيت و الحجر

و لا طواف بأركان و لا جــدر

یعنی مولا! میرا حج تو صرف تیرے لیے ہے، نہ بیت اللہ شریف کا اور نہ حجر اسود کا۔یوں ہی میرا طواف نہ تو (چاروں) ارکان کے لیے ہے اور نہ کعبہ کی دیواروں کے لیے۔

پھر اس نے اپنے سر کو بلند کر کے کہا: اے پروردگار! تیری محبت نے مجھے مضطرب کر دیا ہے اور میں عشق ومحبت میں وارفتہ ہوگئی ہوں۔اسی وارفتگی شوق نے دور سے کھینچ کر مجھے تیری دہلیز پر لاکر ڈال دیا ہے۔اے میرے مولا! اگر میری لغزشوں نے مجھے تیری بارگاہ سے لوٹا دیا تو مجھے میری محبت تیرے دروازے پر کھینچ لائے گی۔اگر میرے گناہوں نے مجھے تیرے دروازے سے دور کر دیا تو تیرے عفو وکرم کی اُمید مجھے تیرے قریب کر دے گی۔اگر میری خطاؤں نے مجھے قید کرا دیا تو تیری طرف رجوع میں میرا اخلاص مجھے آزاد کرا دے گا۔

اے مالک ومولا! مجھے تیرا وصال کب نصیب ہوگا، تیری بارگاہِ جمال تک کب پہنچوں گی؟ اے وحشت زدوں کے دوست، اے اہل محبت کے محبوب، اے خائفین کو پناہ

دینے والے، اے گنہ گاروں پر رحم کرنے والے، اے تائبین کی توبہ قبول فرمانے والے، اور اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے!! مجھ پر اپنی خاص رحمت کا نزول فرما اور میری مغفرت کا سامان کر۔ پھر اس نے لمبا سانس لیا اور چند اشعار پڑھے :

استغفر اللّٰه مما کان من زللي

و من ذنوبي و تفريطي و إصراري

يا رب هب لي ذنوبي يا کريم فقد

أمسکت حبل الرجاء يا خير غفار

یعنی میں اپنے گناہوں، لغزشوں، خطاؤں اور کوتاہیوں پر اصرار سے مغفرت چاہتی ہوں۔

اے میرے رب ذوالجلال! میرے گناہوں کی مغفرت فرما دے، اے بخشنے والے مہربان! میں نے امید کی رسی مضبوطی سے تھام لی ہے۔

پھر وہ غمگین و پریشان بیٹھ گئی اور دوسری مضطرب و بے قرار ہو کر گریہ وزاری کرتے ہوئے پکارنے لگی: اے تمام امیدوں کی انتہا! اے نیکوں کو نیک اعمال پر ابھارنے والے! اے عارفین کے دلوں میں محبت کی قندیل روشن کرنے والے! اے وحشت زدوں کے انیس! اے دلوں کے طبیب! اور اے گناہوں کو بخشنے والے! میرا جسم تیری محبت کی تپش سے پگھل رہا ہے، مجھے تیری بارگاہ میں پیش ہوتے ہوئے شرم دامن گیر ہوتی ہے۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! مجھ پر بھی اپنی خاص رحمت و انوار کا نزول فرما اور میرے جرم و خطا غلط فرما دے۔ پھر وہ اِدھر اُدھر گھومنے لگی اور اس کے لبوں پر یہ اشعار رقص کر رہے تھے :

أتيتک أشتکي سقمي و دائي　　وعندک يا منی قلبي دوائي

فلا أحد سواک إليه أشکو　　فيرحم عبرتي و يرىٰ بکائي

فیا مولی الوریٰ جد لي بعفو　　　و مـن بنظرة فیها شـفــائي

یعنی میں تیری بارگاہ میں اپنی کمزوری و بیماری کی درخواست لے کر حاضر ہوئی ہوں۔اے میرے دل کی آرزو! میرے مرض کی دوا تیرے پاس ہے۔

تیرے سوا کوئی نہیں جسے میں اپنی بیماری بتا سکوں اور وہ میری گریہ وزاری کو دیکھے اور میرے آنسوؤں پر رحم کرے۔

اے ساری مخلوق کے مالک ومولا! اپنی بخشش وکرم کی بارش فرما کر مجھ پر احسان فرما اور ایسی نظر رحمت فرمادے جس میں میری شفا کا سامان ہو۔

پھر وہ بیٹھ گئی اور تیسری کھڑی ہوئی، وہ بھی کافی دیر تک روتی رہی، پھر عرض کرنے لگی: اے پروردگار! میرے گناہوں نے مجھے تیرے دروازے سے دھتکار دیا ہے اور دائمی غفلت نے تیری بارگاہ سے دور کر دیا ہے۔ میں تیرے دروازے پر ذلت ومحتاجی کے ساتھ گناہوں اور خطاؤں کی معافی کی آس لگائے کھڑی ہوں، اور میں تیرے عذاب سے فرار ہوکر تیری پناہ میں آ گئی ہوں۔ پھر اس نے بھی چند اشعار پڑھے :

ببــابک ربي قــد انخت ركائبي　　　وما لي من أرجوه یا خیر واهــب

سواک فجد لي بالذي أنت أهله　　　لأعطي من الأفضال أسنی المواهب

إذا لم أمت شوقا إلیک و حسرة　　　عـلیک فلا بلغتُ منک مآربي

یعنی اے میرے پروردگار! تیرے دروازے پر میں نے ڈیرا ڈال رکھا ہے۔اے بہتر عطا فرمانے والے! تیرے علاوہ میرا ہے کون! جس سے میں کوئی امید رکھوں۔

مجھ پر اپنی شان کے مطابق جود وکرم فرما اور مجھے اپنا بہترین فضل عطا فرما۔

اگر میں تیرے شوقِ دید اور حسرتِ دیدار میں نہ مری تو اپنے مقصود سے ہاتھ

دھو بیٹھی۔

یہ اشعار پڑھ کر آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب لیے وہ ایک سمت میں بیٹھ گئی۔ پھر چوتھی لڑکی روتے ہوئے کھڑی ہوئی، اور حسرت کے عالم میں اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنے لگی۔ چنانچہ اس نے عرض کیا: یا الٰہی! تو نے عبادت وریاضت کرنے والوں کو حکم دیا کہ وہ تیرے دروازے پر کھڑے ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ میں ان میں سے ہوں یا نہیں۔ اے میرے پروردگار! اگر معاف کرنا تیری صفت نہ ہوتی تو عبادت ومجاہدہ کرنے والے جب گناہوں میں مبتلا ہوتے تو تیری بارگاہ میں نہ آتے۔ اے میرے مالک ومولا! اگر تو معاف نہ کرسکتا تو میں تجھ سے کبھی مغفرت کی اُمید نہ رکھتی۔ لیکن تیری یہ شان ہے کہ تو مجھ پر اپنی وسیع رحمت کے ساتھ کرم فرما سکتا ہے؛ لٰہذا اے وہ ذات جس سے کوئی پوشیدہ سے پوشیدہ شے بھی مخفی نہیں! اور اے وہ ذات جس کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں! تو میرے گناہوں کی پردہ پوشی فرما۔ تو میرے گناہوں کی پردہ پوشی فرما، بس تو ہی میرا مطلوب ومقصود ہے۔ پھر اس نے درجِ ذیل اشعار پڑھے :

تعطفت بفضل منک یا مٰلک الوریٰ — فأنت ملاذي سیدي و معیني

لئن أبعدتني عن جنابک زلتي — فإن رجائي فیک حسن یقیني

وظني جمیل إنني منک أرتجي — عواطفک الحسنی فخذ بیمیني

یعنی اے مخلوق کے مالک! اپنے فضل سے مجھ پر عنایت کی ہوا چلا دے۔ تو ہی میری پناہ گاہ، میرا مالک اور میری مدد فرمانے والا ہے۔

اگر میری لغزشوں نے مجھے تیری بارگاہ سے دور کر دیا ہے تو کوئی غم نہیں؛ کیوں کہ تیرے متعلق مجھے حسن ظن ہے۔

اور میرا حسن ظن یہ ہے کہ میں تجھ سے تیرے انعام واِکرام کی اُمید رکھتا ہوں؛ لٰہذا میری دستگیری فرما۔

حضرت محمد بن مروان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان لڑکوں کی عارفانہ گفتگو اور سوز آگیں دعا سن کر جہاں میری آنکھیں آنسوؤں میں ڈبڈبا گئیں وہیں ان کی پند ونصیحت سن کر میرا دل خوشیوں سے جھوم اُٹھا۔(۳)

حضرت جعفر خادی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی سے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ کسی سال میرا تن تنہا حج بیت اللہ کے لیے جانے کا اتفاق ہوا۔ میں کعبہ معظّمہ کے بالکل قریب ہی فروکش ہوا۔ جب رات کی تاریکی اچھی طرح پھیل گئی تو میں طواف کے اِرادے سے نکل کھڑا ہوا، دورانِ طواف کیا دیکھتا ہوں کہ ایک لڑکی والہ وشیفتہ ہوکر یوں اشعار گنگنا رہی ہے ؎

أبی الحب أن يخفی و كم قد كتمته   فـأصبح عنـد قـد أنـا خ و طنـبـا

إذا اشتد شوقي هام قلبي بذكره   و إن رمت قربا من حبيبي تقربا

و يمنـحني وصـلا فأحيا به لـه   و يسـكـرني حـتیٰ ألذ و أطربا

یعنی محبت الٰہی نے صیغہ راز میں رہنے سے انکار کردیا۔ میں نے اسے بہت چھپایا مگر اس نے میرے پاس ڈیرے ڈال لیے۔

جب میرا شوق شدت اختیار کرتا ہے تو محبوب حقیقی کی یاد سے میرا دل دیوانہ ہوجاتا ہے۔ اگر میں اپنے محبوب سے قرب حاصل کرنے کا اِرادہ کروں، اور وہ مجھے وصال کی دولت سے سرشار کردے تو میرا دل مطمئن ہوجائے اور پھر مجھ پر مدہوشی طاری ہوجائے، میں اس کے دیدار سے حظ اُٹھاؤں اور خوشی سے جھوم جھوم جاؤں۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: اے سعادت مند لڑکی! کیا حرم کعبہ میں تجھے اس طرح کے اَشعار پڑھتے ہوئے خدا کا کچھ خوف محسوس نہیں ہوتا؟۔ اب وہ میری طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی: اے جنید! اللہ اور اس سے محبت کرنے والوں کے

درمیان آپ رخنہ نہ بنیں۔ پھراس نے چند اشعار پڑھے :

لـولا التقي لم تـرني　　　هجرت طيب الوسن

إن الـهـوىٰ شـردني　　　كما ترى عن وطني

قد همت من حي له　　　فـحـبـه هـيـمـنـي

یعنی اگر محبوب حقیقی سے ملاقات کا معاملہ نہ ہوتا تو آپ مجھے یہاں نہ دیکھتے کیوں کہ میں میٹھی میٹھی نیندیں قربان کر کے یہاں پہنچی ہوں۔

محبت اِلٰہی نے مجھے بے وطن کر دیا ہے جیسے آپ میرے وطن سے متعلق خیال کر رہے ہیں۔

میں نے اپنے محبوب حقیقی سے ملاقات کا پختہ اِرادہ کرلیا ہے پس اس کی محبت نے مجھے دیوانہ بنا دیا ہے۔

پھر کہنے لگی: اے جنید! آپ خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں، کیا آپ نے رب کعبہ کو دیکھا ہے۔ میں نے کہا: تم نے ایسا دعویٰ کیا ہے جس پر دلیل پیش کرنا ضروری ہے۔ یہ سن کراس نے اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھالیا اور کہنے لگی: تو پاک ہے، تو پاک ہے، تیری شان کتنی بلند ہے، تیری بادشاہی کتنی عزت والی ہے، پتھر جیسی مخلوق خود پتھروں کا طواف کر رہی ہے۔ اس کے بعد پھراس نے یہ اشعار پڑھے :

يطوفون بالبيت العتيق تقربا إليك

و هـــم أقـسى قـلـوباً مـن الصـــخر

فلو يخلصون السر جادت صفاتهم

و قامت صفات الحق منهم على الذكر

یعنی لوگ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے ہیں جب ان کے دل چٹانوں سے کہیں زیادہ سخت ہیں۔

اگر وہ تنہائی میں مخلص ہوتے تو ان کی صفات عمدہ ہوجاتیں اوران کی ذات میں بیان کرنے کے لیے صفاتِ حق قائم ہوجاتیں۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ اس کا یہ عارفانہ کلام سن کر مجھ پر غشی طاری ہوگئی اور میں بیخود ہوکر رہ گیا جب ہوش میں آیا تو پھر میں نے اس عارفہ کو بہت تلاش کیا مگر کہیں نہ ملی۔(۴)

علامہ ابن جوزی کے پوتے شیخ ابومظفر فرماتے ہیں کہ ابن عقیل نے اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں زیارت حرمین شریفین کے لیے گیا،طوافِ خانہ کعبہ سے فارغ ہوکر جب میں ایک طرف ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ زمین پر بیش قیمت موتیوں کا ایک ہار پڑا ہوا ہے جس کے موتی سرخ لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔میں نے اسے اُٹھالیا۔کچھ دیر کے بعد ایک بوڑھا نابینا شخص ہار تلاش کرتے کرتے اس طرف آنکلا، وہ ہار لانے والے کے لیے سو دینار انعام کا اعلان بھی کر رہا تھا۔

میں نے ہار اسے واپس کردیا۔جب اس نے دینار دینا چاہے تو میں نے انکار کردیا اور شام کی طرف رختِ سفر باندھ کرنکل کھڑا ہوا،بیت المقدس کی زیارت کا شرف حاصل ہوا،اب میرا ارادہ بغداد واپس جانے کا تھا،مگر زادِ راہ بالکل ختم ہو چکا تھا اور بھوک نے بے تاب کر رکھا تھا۔چنانچہ میں سردی اور بھوک کی شدت سے نڈھال ہوکر ''حلب'' کی ایک مسجد میں پہنچا تو لوگوں نے مجھے نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھا دیا۔

نماز سے فراغت کے بعد انھوں نے مجھے کھانا کھلایا اور چوں کہ رمضان کی آمد آمد تھی اس لیے فرمائش کی کہ آپ رمضان میں ہمیں نماز پڑھائیں کیوں کہ ہمارے امام صاحب انتقال کر چکے ہیں۔میں نے حامی بھر لی، پھر انھوں نے کہا کہ ہمارے امام صاحب کی ایک جوان بیٹی بھی ہے، اس طرح انھوں نے اس سے میرا نکاح کرادیا۔ابھی ہمارے

نکاح کو کوئی ایک سال ہی گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک بیٹا عطا فرمایا مگر میری بیوی اس ولادت سے بیمار پڑ گئی، اور مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

ایک دن میں اس کے پاس بیٹھا سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک میری نظر اس کے گلے میں پڑے ہار پر جم گئی، یہ بالکل وہی ہار تھا جو مجھے طوافِ خانہ کعبہ کے دوران ملا تھا۔ میں نے بیوی سے ہار کا سارا قصہ ذکر کیا تو وہ سن کر رونے لگی اور کہنے لگی: بخدا! آپ وہی شخص ہیں۔ آپ کے جانے کے بعد میرا باپ رو رو کر یہ دعا کیا کرتا تھا کہ اے اللہ! میری بیٹی کو اس ہار لوٹانے والے شخص جیسا نیک شوہر عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے میرے باپ کی دعا کو کیسے عجب انداز سے قبولیت بخشی۔

پھر وہ دنیا سے رخصت ہوگئی اور ابن عقیل اس کا ہار وراثت کے طور پر لے کر یہ کہتے ہوئے بغداد لوٹ آئے کہ فصل گل سیر نہ دیدم و بہار آخر شد!۔(۵)

قبیلہ بنی مخزوم کی حکیمۃ نامی ایک عورت کا خانہ کعبہ کے ساتھ ایسا دلی لگاؤ تھا کہ ایک لمحے کے لیے اس کا فراق اسے برداشت نہ تھا۔ جب کبھی وہ خانہ کعبہ کھلتا دیکھتی چیخ اُٹھتی اور اس قدر زار و قطار روتی جس طرح نوحہ گر عورتیں رویا کرتی ہیں، اور اکثر ایسا ہوتا کہ اس پر غشی طاری ہو جاتی۔ مسجد حرام سے نکلنا اس کے لیے قیامت بن جاتا، سوائے طبعی ضرورتوں کے کبھی وہ باہر نہ جاتی تھی۔

ایک دن ایسا ہوا کہ خانہ کعبہ کھلا اور وہ کسی ضرورت سے باہر چلی گئی تھی، جب واپس آئی تو اس کی ہم مجلس ایک عورت نے کہا: آج جس شان سے پروردگار کا گھر کھلا اور طواف کرنے والے جس طرح دیوانہ وار طواف کر رہے تھے اور خانہ کعبہ کھلتے ہی جس طرح مالک و مولا کی طرف سے ان پر انوار و تجلیات کا چھڑکاؤ ہوا اگر تم دیکھ لیتی تو تمہاری آنکھ ٹھنڈی ہو جاتی۔ اتنا سننا تھا کہ حکیمہ زور سے چیخ مار کر زمین پر گر گئی اور دیر تک یوں ہی تڑپتی رہی،

کچھ دیر کے بعد جب دیکھا گیا تو اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔(۶)

یوں ہی روایتوں میں آتا ہے کہ اُموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کو کوفہ کی ایک بڑھیا کی نوجوان کنیز کے بارے میں بتایا گیا جو نہایت حسین وجمیل، ذہین وفطین اور اَدب آشنا ہونے کے ساتھ ساتھ شعروشاعری سے بھی دلچسپی رکھتی تھی۔ اس نے یہ اوصاف سن کر حکم دیا کہ والی کوفہ کو خط لکھو کہ اس کنیز کو اس کی مالکن سے خرید کر میرے پاس بھیج دے۔

ایک خادم یہ خط لے کر کوفہ روانہ ہو گیا۔ جب والی کو یہ حکم نامہ ملا تو اس نے بڑھیا کے پاس ایک آدمی بھیج کر اس کنیز کو دو لاکھ درہم اور پانچ سو مثقال کھجوروں کی سالانہ پیداوار کے حامل کھجوروں کے باغ کے بدلے خرید لیا اور اسے ہشام کی خدمت میں روانہ کر دیا۔

ہشام نے اس کے رہنے کے لیے الگ انتظام کیا جہاں زرق برق لباس، قیمتی زیورات اور اعلیٰ بچھونے موجود تھے۔ ایک دن وہ خوشبو سے مہکے ہوئے کمرے میں نہایت خوشگوار موڈ میں اس کے ساتھ باتوں میں مگن تھا کہ اسے چیخوں کی آواز سنائی دی۔ اس نے آواز کی جانب نگاہیں دوڑائیں تو اسے ایک جنازہ نظر آیا جس کے پیچھے عورتیں چلا رہی تھیں اور ایک عورت کہہ رہی تھی: میرے باپ کو کندھوں پر سوار کر کے مردوں کے پاس لے جایا جا رہا ہے، عنقریب اسے ویران قبرستان میں تنہا دفن کر دیا جائے گا۔

اے ابا جان! کیا آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوا ہے جو اپنا جنازہ اُٹھانے والوں سے کہتے ہیں: ذرا جلدی لے چلو...... یا......آپ کو ان لوگوں میں شامل کیا گیا ہے جو یہ کہتے ہیں: مجھے واپس لے چلو! مجھے کہاں لیے جا رہے ہو؟۔

اس کی یہ بات سن کر ہشام کی آنکھیں بھر آئیں اور وہ اپنی لذت کو بھول کر کہنے لگا: 'موت نصیحت کے لیے کافی ہے'۔

اس کنیز نے کہا: اس عورت نے میرا دل چیر کر رکھ دیا ہے۔ ہشام نے کہا: ہاں! کچھ

ایسی ہی بات ہے۔ پھر اس نے خادم کو آواز دی اور بالا خانے سے نیچے اُتر گیا جب کہ وہ کنیز وہیں بیٹھی بیٹھی سوگئی۔

اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اس سے کہہ رہا ہے: آج تم اپنے حسن سے دوسروں کو آزمائش میں ڈالتی ہو اور اپنی اداؤں سے دوسروں کو غافل کر دیتی ہو۔ اس دن جب صور پھونکا جائے گا، جب قبریں شق ہوں گی اور لوگ ان سے باہر نکلیں گے اور انھیں اپنی کرنی کا پھل بھگتنا پڑے گا......تو کیا ہوگا؟۔

وہ کنیز گھبراہٹ کے عالم میں بیدار ہوئی اور پانی پی کر اپنا حلق تر کیا۔ پھر پانی منگوا کر غسل کیا اور زرق برق لباس اور زیورات کی بجائے اونی کپڑے پہنے، ایک لاٹھی ہاتھ میں تھامی اور ہشام کے دربار میں پہنچ گئی۔ جب ہشام اس کو نہ پہچان سکا تو اس نے کہا: میں آپ کی وہی پسندیدہ کنیز ہوں جسے ایک ناصح کی نصیحت نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے اور میں آپ کے پاس اس لیے آئی ہوں کہ آپ مجھ سے اپنی خواہش پوری کر چکے ہیں؛ لٰہذا اب مجھے غلامی سے آزاد کر دیجیے۔

ہشام نے کہا: میں نے اللہ کی رضا کے لیے تجھے آزاد کیا۔ اب تم کہاں جانے کا اِرادہ رکھتی ہو؟ اس نے جواب دیا: میں کعبۃ اللہ کی طرف جاؤں گی۔ ہشام نے کہا: بہت خوب! اب تیری راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

کنیز شاہی محل سے نکل کر مکہ معظّمہ پہنچی اور وہیں مقیم ہوگئی۔ وہ سوت کات کر گزر بسر کرتی اور جب شام ہوتی تو مطاف میں پہنچ کر دیوانہ وار خانہ کعبہ کا طواف کرتی۔ اس کے بعد حطیم میں داخل ہو کر عرض کرتی: اے میرے پروردگار! تو ہی میرا سہارا ہے، میری اُمیدوں کو مت توڑنا۔ مجھے مقام امن میں رکھنا اور اپنی رحمتوں کی برکھا مجھ پر برسانا۔

یہ کنیز اسی طرح شب و روز عبادت و ریاضت میں مصروف رہی حتیٰ کہ اس محنت و مشقت اور دھوپ کی تمازت نے اس کی جلد کی رنگت کو تبدیل کر دیا اور نماز میں طویل

قیام کی وجہ سے اس کا بدن کمزور ونحیف ہوگیا۔ زیادہ رونے کے سبب اس کی آنکھیں خراب ہوگئیں اورسوت کاتنے کی وجہ سے اس کی انگلیوں میں زخم ہوگئے؛ بالآخرایک دن اسی حالت میں اللہ کو پیاری ہوگئی۔(۷)

خواتین محترم اور دخترانِ عزیز! بیان کیا جاتا ہے کہ طواف بیت اللہ کے دوران شیخ ابوالحسن سراج کی نظرایک عورت پر پڑی جونہایت ہی حسین وجمیل اور خوبروتھی۔ شیخ نے اپنے آپ سے کہا: بخدامیں نے آج تک ایسا حسین چہرہ نہیں دیکھا۔شاید یہ اس کی خوشحالی اورفکروغم کی آزادی کی وجہ سے ہے۔

عورت نے شیخ کی بات سن لی۔اس نے کہا کیا کہہ رہے ہیں؟ واللہ میں غموں میں گرفتاراورفکروں سے زخمی ہوں اورکوئی میرے ساتھ میراغم بانٹنے والانہیں!۔

شیخ نے کہا: تجھے کیاغم ہے؟۔

عورت بولی: میرے شوہر نے ایک بکری کی قربانی کی۔ میرے دوچھوٹے لڑکے کھیل رہے تھے،ایک شیرخوار گود میں تھا، میں کھانا پکانے میں مصروف تھی۔دونوں لڑکوں میں سے بڑے نے دوسرے سے کہا: آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ ابا جان نے بکری کو کیسے ذبح کیا؛ چنانچہ چھوٹے نے کہا: ہاں بتاؤ۔ بڑے نے چھری ہاتھ میں لی، بھائی کو زمین پر لٹایااورذبح کردیا۔

بھائی کا خون اورتڑپنا دیکھ کرخود پہاڑ پر بھاگ گیا،اس کا باپ اس کی تلاش میں گیا مگراسے نہ پاسکا؛ کیوں کہ اس بیٹے کو بھیڑیے نے پھاڑ کھایا تھا۔ میرا شوہر بھی پہاڑ سے زندہ نہ واپس آسکا، پیاس کی شدت اورگرمی نے اس کی بھی جان لے لی۔

ذبح شدہ لڑکے کی آوازسن کرمیں اسے دیکھنے گئی اورشیرخوار بچہ کو چولہے کے پاس چھوڑگئی تھی۔اس نے گرم ہانڈی اپنے اوپرانڈیل لی اورجل کر ہلاک ہوگیا۔

میری ان تمام بچوں سے بڑی ایک بیٹی بھی تھی جس کی شادی ہوچکی تھی۔ وہ اپنے

شوہر کے گھر رہتی تھی۔ ان واقعات کی خبراس کو پہنچی تو وہ صدمہ کو برداشت نہ کرسکی اور زمین پر تڑپ تڑپ کر مرگئی۔ اب صرف تنہا میں رہ گئی ہوں جو ان تمام غموں کا بوجھ لیے چل رہی ہوں۔

شیخ ابوالحسن نے سنا تو سخت متعجب ہوئے اور پوچھا: آخر تم اِن پر صبر کیسے کرتی ہو عورت نے جواب دیا۔ جو بھی صبر اور بے صبری کو الگ الگ کردے اسے دونوں کے درمیان نمایاں راہ مل جائے گی۔ خوش حالی ظاہر کرکے اگر صبر کرلیا تو اس کا انجام بہتر اور اس کا پھل میٹھا ہے اور اگر بے صبری میں مبتلا رہا تو اس کا کوئی اَجر وعوض نہ پائے گا۔ عورت نے شیخ سے یہ بات کہی اور ان کے پاس سے چلی گئی۔(۸)

انھیں چند واقعات پر میں اپنی بات ختم کرتی ہوں اور خداوند قدوس کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ وہ اللہ والیوں کے روحانی فیوض وبرکات سے ہمیں بھی حصہ عطا فرمائے اور اپنی زندگی کو اللہ ورسول کی طاعت وفرماں برداری میں گزارنے کی توفیق بخشے۔ آمین یارب العالمین۔

o و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین o

---

(۱) روض الریاحین:۱۵۳تا۱۵۵۔ بحوالہ: بزم اولیاء:۲۴۶تا۲۵۰۔

(۲) روض الریاحین:۱۰۴تا۱۰۵ بحوالہ بزم اولیاء:۱۷۹تا۱۸۰۔

(۳) الروض الفائق فی المواعظ والرقائق:۱۹۳تا۱۹۴۔

(۴) الروض الفائق فی المواعظ والرقائق:۱۹۶......روض الریاحین:۸۳تا۸۴ بحوالہ بزم اولیاء:۱۵۸۔

(۵) سیراعلام النبلاء:۱۹/۴۴۹۔

(۶) الروض الفائق فی المواعظ والرقائق:۱۹۴تا۱۹۵......صفۃ الصفوۃ:۱/۲۴۰۔

(۷) کتاب التوابین:۱۵۱۔

(۸) روض الریاحین:۱۳۳ بحوالہ بزم اولیاء:۲۱۹تا۲۲۰۔

اِصلاحِ معاشرہ میں والدین کا کردار

نحمده ونصلي ونسلم علىٰ رسوله الكريم و علىٰ آله وصحبه اجمعين .

دخترانِ عزیز اور خواتین ملت اِسلامیہ! انسان کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں اِرشاد ہوتا ہے :

وَ اِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لاَ تُحْصُوهَا o (سورۂ ابراہیم:۳۴/۱۴......سورۂ نحل: ۱۸/۱۶)

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو انہیں پورا شمار نہ کرسکو گے۔

اور ان نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت اُولاد بھی ہے، عام دستور ہے کہ نکاح کے بعد ہر مرد وعورت کی خواہش ہوتی ہے کہ ہماری اولاد ہو، اس کے لیے دعائیں مانگی جاتی ہیں، وظیفے پڑھے جاتے ہیں اور طرح طرح کی ترکیبیں کی جاتی ہیں؛ لیکن اللہ تعالی جسے چاہتا ہے اسی کو اس نعمت سے نواز دیتا ہے، کسی کو لڑکا اور کسی کو لڑکی اور کسی کو دونوں؛ جبکہ بعض کو اپنی کسی حکمت کی بنا پر اولاد نہیں دیتا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے :

يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ اِنَاثاً وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ الذُّكُور اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَاناً وَّ اِنَاثاً وَ يَجْعَلُ مَنْ يَّشَاءُ عَقِيْماً o (الشوری:۴۲/۴۹،۵۰)

جسے چاہتا ہے لڑکیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے بخشتا ہے۔ یا انہیں بیٹے اور بیٹیاں (دونوں) جمع فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ ہی بنادیتا ہے۔

اولاد کے متعلق شریعت کا حکم ہے :

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا قُوا اَنْفُسَکُمْ وَ اَھْلِیْکُمْ نَارًا o (سورۂ تحریم:۶/۶۶)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔

دین اسلام کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ اِسلام انسانی زندگی کے لیے ایک ایسا جامع نظام پیش کرتا ہے جو ہر دور کے لیے قابل عمل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام اپنے پیروکاروں کی ہر مرحلہ پر رہنمائی کرنے کی بھی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔

ہر باشعور اِنسان یہ جانتا ہے کہ مستقبل میں معاشرے کی تعمیر وتخلیق اور فروغ وترقی میں بنیادی کردار نئی نسل کا ہی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اولاد کی صحیح تربیت کرنے کو ایک قابل تحسین بلکہ حد درجہ ضروری قرار دیا ہے، اور احادیثِ مبارکہ میں اس کے بے شمار فضائل آئے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کی صحیح تربیت، ان کی دیکھ بھال اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنا والدین کے لیے کتنا ضروری ہے اور یہ ایسا پاکیزہ عمل ہے جو والدین کو جنت میں لے جانے کا باعث بنتا ہے؛ چنانچہ امام مسلم اپنی کتاب صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا :

من عال جاريتين حتى تبلغا جاء يوم القيام أنا و هو، وضم أصابعه. (۱)

یعنی جو شخص دو بچیوں کی بالغ ہونے تک کفالت کرے گا تو وہ قیامت میں اس طرح آئے گا کہ میں اور وہ اس طرح ہوں گے، اور آپ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر اشارہ کر کے بتلایا۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنی کتاب مسند احمد میں حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں :

من كان له ثلاث بنات وصبر عليهن وكساهن من جدته (أى ماله) كن له حجابا من النار . (۲)

یعنی جس شخص کی تین لڑکیاں ہوں اور وہ ان کو خوش دلی سے برداشت کرے اور اپنے مال سے ان کو کھلائے پلائے اور پہنائے تو وہ لڑکیاں اس شخص کے لیے دوزخ سے بچاؤ کا ذریعہ بنیں گی۔

یہاں ایک وضاحت ضروری ہے کہ ان احادیث مبارکہ میں جو فضائل وارد ہوئے ہیں وہ زیادہ تر لڑکیوں کی تربیت سے متعلق ہیں، جس سے کسی کے ذہن میں یہ اِشکال پیدا ہوسکتا ہے کہ یہ فضائل صرف لڑکیوں سے متعلق ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ فضائل لڑکے اور لڑکی دونوں کی تربیت کے حوالے سے ہیں۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لڑکیوں کی پیدائش کو برا سمجھا جاتا تھا، جس کی وجہ سے جناب نبی کریم ﷺ نے لڑکیوں کے حقوق کو نہایت وضاحت کے ساتھ ذکر کیا۔ اس لیے کہ بیٹے کی محبت زمانہ جاہلیت میں بھی بہت تھی، البتہ بیٹی کو زمانۂ جاہلیت میں موجبِ عار گردانا جاتا تھا اور یہ ایک ایسی رسم تھی جس کا قلع قمع کرنا نہایت ضروری تھا، اسی لیے اولاد کی تربیت کے حوالہ سے احادیث میں بیٹی کی تربیت کی ترغیب زیادہ وارد ہے۔ جس طرح اسلام نے اولاد کے لیے والدین کے حقوق مرتب کیے ہیں، اسی طرح اسلام بچوں کی تربیت کے حوالے سے والدین کے ذمہ بھی کچھ اصول وضع کرتا ہے اور ان کی پاسداری کی تلقین کرتا ہے، جن کا جاننا والدین حضرات کے لیے نہایت اہم ہے۔

مسلمان قوم جو اِبتدا میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علم وفضل اور مکارم و محاسن کے نور سے روشنی حاصل کرتی رہی اور تعلیم وتربیت کے سلسلے میں بھی انہی کے طور طریقوں کو اپنایا، جس کی وجہ سے ایسا پاکیزہ معاشرہ وجود میں آیا جس نے آگے چل کر ایک سنہری تاریخ رقم کی؛ تا آنکہ وہ دور آ گیا جب اسلامی معاشرے سے اسلامی احکام ختم

ہونے لگے اور روئے زمین سے خلافت اسلامیہ کے نشانات زائل ہونے لگے اور دشمنان اسلام سمجھنے لگے کہ اب ہم اپنے مذموم مقاصد اور ناپسندیدہ اغراض کی تکمیل کر لیں گے، دشمنان اسلام کی یہ آرزو عرصہ دراز سے ان کے دلوں میں پوشیدہ تھی لیکن یہ اسی وقت ممکن تھا جب مسلمان اسلام کے بنیادی اصولوں اور اس کے احکامات سے دور ہو جائیں اور ان کی ساری توجہ دنیاوی خواہشات اور لذتوں کے حصول کی طرف مبذول ہو جائے تاکہ ان کے سامنے کوئی واضح مقصد اور منزل موجود نہ ہو۔ چنانچہ وہ دور آ گیا جب مسلمان دین سے دور ہٹنے لگے اور ان میں باہمی اتحاد کی جگہ نفرتوں اور تفرقہ بازی نے لے لی، تو اَعدائے اِسلام نے ان پر یلغار کر دی؛ یہاں تک کہ ان کی سوچ اور تہذیب کو بدل ڈالا، جس کی وجہ سے معاشرے کا امن وسکون تہہ وبالا ہو کر رہ گیا۔

چنانچہ جب مسلمان قوم اپنے مقصد حقیقی سے پیچھے ہٹ گئی اور ان لا دین ملحدین کے نرغے میں آ گئی جنہوں نے روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے خوشنما نعروں کے ذریعے مسلمان قوم کو ورغلا کر انہیں اپنی تہذیب اور ثقافت سے دور کر دیا جس کے اثرات سے پورا معاشرہ متاثر ہوا، اور وہ مسلمان جو کل تک توحید کی امانت کو سینے میں لے کر پوری دنیا پر حکمرانی کا فریضہ انجام دے رہا تھا آج وہی مسلمان اپنے دین ومذہب کے دفاع کے لیے بھی غیروں کا محتاج ہو کر رہ گیا ہے۔

آج اگر ہم معاشرے کے زوال کے اسباب پر نظر دوڑائیں تو منجملہ اور اسباب کے ایک بڑا سبب یہ بھی نظر آتا ہے کہ مسلمان قومیں اسلامی تعلیمات سے ہٹ گئیں ہیں، انہیں یہ احساس ہی نہیں کہ اسلام زندگی کے تمام شعبوں کے لیے واضح لائحہ عمل رکھتا ہے، تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ وہی قومیں کامیاب ہوتی ہیں جو مستقبل کے معماروں کی تربیت اور اصلاح پر توجہ دیتی ہیں کیونکہ نئی نسل ہی قوم کا مستقبل ہوا کرتی ہے اور اس سلسلے میں والدہ کا کردار نہایت اہمیت کا حامل ہے، جیسا کہ عربی کا ایک شعر ہے :

و الأم مدرسة إذا أعددتها

أعددت شعبا طيب الأعراق

یعنی ماں ایک ایسا مدرسہ ہے کہ اگر تم نے اسے تیار کرلیا، تو ایک ایسی جماعت کو تیار کرلیا جو بہترین جڑوں اور بنیاد والی ہے۔

ماں کی گود اولاد کے لیے پہلا مکتب اور مدرسہ ہے اولاد کو جو کچھ سکھایا جاتا ہے اس کا اَثر بچے کی زندگی میں ہمیشہ نمایاں رہتا ہے ان کی صحیح دینی تربیت کے ذریعے سے ہی معاشرے کے لیے وہ اَفراد تیار کیے جاسکتے ہیں جو معاشرے سے برائیوں کا خاتمہ کرسکیں اور معاشرے کو ایک صحیح نہج پر ڈھال سکیں۔

ہم میں سے ہر ایک جب اس بات کا خواہاں ہے کہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ ہو اور ایک مثالی معاشرہ وجود میں آئے جس کے اَثرات وثمرات سے پوری دنیا میں امن وامان کا بول بالا ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم ان اسباب کو اپنائیں جو مثالی معاشرے کی تخلیق کا باعث ہوں اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ ذمہ داری ان والدین کی بنتی ہیں جو آنے والی نسل کے سربراہ ہیں کہ وہ اولاد کی ایسی تربیت کریں کہ آگے چل کر یہ نسل معاشرے کے لیے مفید ثابت ہو۔

آج اگر ہم ان کی ایسی تربیت کریں گے جو تربیت اسلامی اصولوں کے عین مطابق ہوگی تب تو بہتری کی اُمید رکھی جاسکتی ہے ورنہ حسرت ہی رہ جائے گی۔ اس سلسلے میں کچھ ہدایات واِشارات میں والدین کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کررہی ہوں؛ امید کی میری معروضات قبولیت کے کانوں سنی جائے گی۔

☆ تربیت کرنے والے کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس کی کیا کیا ذمہ داریاں ہیں۔ جب مربی اپنی ذمہ داریوں سے واقف ہوگا تب ہی وہ اپنی ذمہ داری کو پوری طرح نبھا

پائے گا۔

☆ انہیں گھر کے اندر ایسا دینی ماحول فراہم کیا جائے جس میں وہ پروان چڑھ سکیں اور ساتھ ساتھ اپنے مذہب اور دین کے بارے میں بھی آ گاہ ہو سکیں۔

☆ سب سے پہلے اپنی اولاد کو اللہ کی محبت اور رسول کے عشق کا سچا سبق دیں تا کہ اس کے دل کا ہر کونہ عشق و محبت کے رنگ میں رنگ جائے اور دنیاوی لہو ولعب اور خرافات کے لیے اس کے دل میں کوئی جگہ ہی نہ بچے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا جام اپنے بچوں کو ضرور پلائیں کیوں کہ یہ وہ جام ہے جو دونوں جہان میں کامیابی کی ضمانت فراہم کرے گا۔ یوں ہی اسلاف کرام کی زندگیوں کا نقشہ اوران کے اخلاق وکرامات بھی ان کے سامنے مسلسل بیان کرتے رہیں؛ کیوں کہ جب پانی کا رِستا ہوا ایک ایک قطرہ پتھر میں سوراخ کر سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ بچوں کو اگر بچپن ہی سے اخلاق حسنہ اور عمل صالحہ کا مسلسل درس دیا جاتا رہے تو ان کے اثرات ان کی زندگیوں میں ہویدا نہ ہوں!۔

☆ اسی طرح وہ والدین جو اپنے بچوں کو ایسے اسکولوں میں داخل کرتے ہیں جو اسکول غیر مسلموں کی نگرانی میں چلتے ہوں ان اسکولوں میں اپنے بچوں کو تعلیم دلانے میں احتیاط برتنی چاہیے کیونکہ اگر بچہ ایک ایسے اسکول میں تعلیم حاصل کرے گا جہاں کا ماحول اور اساتذہ لادین ہوں تو یقیناً اس کا اَثر اس بچے کے ذہن پر بھی پڑے گا اور آگے چل کر اس کے دل میں ایسے خیالات پیدا ہوں گے جو دین سے دوری کا سبب بنیں گے۔

☆ اسی طرح آ جکل اسکول اور کالجز میں مخلوط تعلیم کا جو سلسلہ چل نکلا ہے اس سے بھی ازحد اِحتیاط کی ضرورت ہے؛ کیونکہ ماحول کا اَثر بچے کی شخصیت پر فوری اثر انداز ہوتا ہے، مرد وعورت کے باہمی اختلاط کی وجہ سے جو قباحتیں اور قیامتیں ہیں وہ سب کے سامنے ہیں، جس کی وجہ سے بچہ کی توجہ تعلیم سے زیادہ دیگر غیر اخلاقی سرگرمیوں میں صرف ہوتی ہے۔

☆ والدین اپنی ناپختہ ذہن اولاد کو جہاں تک ممکن ہو موبائل فون وغیرہ سے دور رکھیں، جس کے غلط اور بے جا استعمال نے معاشرے کو اخلاقی پستی کی جانب ڈھکیلنے میں نہایت اہم کردار اَدا کیا ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ آج پوری قوم ان موبائل فونوں کے زیرِ اثر آ چکی ہے اور بچے ہی نہیں بڑے بھی اس شکنجے میں بری طرح جکڑے ہوئے ہیں اور لاکھوں روپے اس گناہ بے لذت میں اُڑائے جا رہے ہیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ والدین اولاد کو اس فتنے سے دور رکھیں اور بالفرض اگر اس کے دینے کی اشد ضرورت پیش آ بھی جائے تب بھی والدین کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ بچوں کی نگرانی کریں، اس لیے کہ ایسی کئی مثالیں ہمارے سامنے ہیں کہ والدین نے بچوں کو موبائل فون خرید کر دیا اور بے فکر ہو گئے جس کا نتیجہ یوں نکلتا ہے کہ وہ بچہ غیر اخلاقی سرگرمیوں میں ملوث ہو جاتا ہے اور والدین کو اس کی خبر ہی نہیں ہوتی۔

☆ اسی طرح والدین کا یہ بھی فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے بچے کی تعلیم کے ساتھ اس کے اخلاق اور سیرت و کردار پر بھی بھرپور توجہ دیں؛ اس لیے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :

ما نحل والد ولدا من نحل فضل من أدب حسن .(۳)

یعنی کسی باپ نے اپنے بیٹے کو عمدہ اور بہترین ادب سے زیادہ اچھا ہدیہ نہیں دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

أكرموا أولادكم و حسنوا أدبهم . (۴)

یعنی اپنے بچوں کا اکرام کرو اور انہیں اچھی تربیت دو۔

غور کیجئے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس قدر سہل انداز میں بچوں کی تربیت کے متعلق زرّیں اِرشادات بیان فرمائے ہیں، یقیناً جو کوئی آپ کے فرمودات کی روشنی میں اس عزم کے ساتھ اپنی اولاد کی تربیت کرے گا کہ حضور اکرم ا کے یہ فرامین

ہماری اولاد کی بہترین تربیت میں مددگار ثابت ہوں تو -انشاء اللہ الرحمٰن- امید رکھی جاسکتی ہے کہ آنے والا وقت برکتیں لے کر آئے گا۔

آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ صحیح تربیت نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے مستقبل کے یہ معمار اعدائے اسلام کی نقالی اوران کے حلیوں کو اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں اوران کی تہذیبوں سے ثقافتوں سے پوری طرح باخبر ہوتے ہیں جب کہ اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ اور ناآشنا ہوتے ہیں،شاید کہ انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ترقی کی علامت یہی ہے کہ لادین ملحدین کی نقالی کی جائے،ان کے بیہودہ اور غیر اسلامی تہذیبوں اور ثقافتوں کو اپنایا جائے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لیے نہ دین کی طرف سے کوئی رکاوٹ ہے اور نہ ضمیر کی طرف سے کوئی روک ٹوک ہے،یہی وجہ ہے کہ آج کی نوجوان نسل اہل باطل سے مقابلہ کرنے سے قبل ہی خود اپنی شخصیت اور اِرادے سے شکست کھا چکی ہے،جس کی وجہ سے اہل مغرب کو آج کی نوجوان نسل سے کوئی خطرہ لاحق نہیں؛ کیونکہ وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ آج کا مسلمان ہم سے اس درجہ متاثر ہو چکا ہے کہ وہ ہماری تہذیب اور ثقافت کو اپنانے میں ذرا سی بھی عار محسوس نہیں کرتا۔اس میں قصور کس کا ہے؟۔بقول اکبر الہ آبادی مرحوم ؎

بچوں میں کیا خوٗ آئے ماں باپ کے اَطوار کی
دودھ ہے ڈبے کا اور تعلیم ہے سرکار کی

☆ والدین کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ خود بھی ایسے کاموں سے اجتناب کریں جن کا غلط اَثر ان کی اولاد پر پڑسکتا ہے اور اپنی اولاد پر بھی نظر رکھیں؛اس لیے کہ بچہ اپنے اردگرد کے ماحول کا اَثر فوری قبول کرتا ہے۔

☆ اسی طرح والدین کی یہ بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اِبتداہی سے بچے کی دینی اوراخلاقی تربیت ایسی کریں کہ جن کاموں سے اللہ اوراس کے رسول ﷺ نے منع کیا ہے ان کاموں سے خود بھی رکیں اوراپنی اولاد کو بھی شروع سے یہ بات سمجھائیں اوراس چیز کا خوف ان کے دلوں میں بٹھائیں کہ وہ کام جن کے کرنے سے اللہ اوراس کے رسول ناراض ہوتے ہوں ان کاموں سے بچو، ورنہ اللہ تعالی ناراض ہوجائے گا۔

اس وقت المیہ یہی ہے کہ والدین اپنے بچوں کی تربیت اس انداز میں نہیں کرتے ، جو اندازِ تربیت مسلمانوں کا شعار رہا ہے؛ حالانکہ شریعت مطہرہ نے اس سلسلے میں بھی بنی آدم کو تنہا نہیں چھوڑا بلکہ بچے کی تربیت سے متعلق تمام تر باتیں نہایت وضاحت کے ساتھ ذکر کردی ہیں۔ جناب نبی کریم ﷺ کا جو مشفقانہ رویہ اور محبت بچوں کے ساتھ ہوا کرتی تھی اس کا ذکر احادیثِ مبارکہ میں کثرت کے ساتھ موجود ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ جل شانہ نے ماں باپ کے دلوں میں جو قابل قدر جذبات ودیعت کرر کھے ہیں ان میں سے بچوں پر رحم ،شفقت ومحبت اور الفت و پیار بھی ہے اور یہ ایسا جذبہ ہے جو بچوں کی تربیت و اصلاح کے سلسلے میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کا دل، رحم سے خالی ہوتا ہے وہ شخص ترشروئی ،سختی اور قساوت جیسی بری خصلتوں کا مالک ہوتا ہے جن کا اولاد پر نہایت برا اَثر پڑتا ہے اور آگے چل کر ان میں بغاوت اور انحراف کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے۔

اسی وجہ سے شریعت مطہرہ نے انسان کے دلوں میں محبت اور رحم کے جذبے کو راسخ کیا اور بڑوں کو خواہ وہ اساتذہ ہوں یا ماں باپ یا پھر کسی بھی شعبے کے سربراہ سب کو ان اوصاف کے اختیار کرنے اور ان سے آراستہ ہونے کی ترغیب دلائی ہے۔اس سلسلے میں آپ چند احادیث سماعت فرمائیں اور دیکھیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے رحم کے موضوع کو کتنی اہمیت دی اور لوگوں کے اندر اس وصف کو پیدا کرنے کے لیے آپ نے کس

قدر احکیمانہ اسلوب کے ساتھ متوجہ کیا؛ چنانچہ ابوداؤداور ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

لیس منا من لم یرحم صغیرنا و لم یعرف حق کبیرنا (۵)

یعنی وہ شخص ہم میں سے نہیں جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کے حق کو نہ پہچانے۔

اسی طرح امام بخاری اپنی کتاب الادب المفرد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت لائے ہیں کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جس کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا، جس کو وہ اپنے آپ سے چمٹا رہا تھا تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا تمہیں اس بچہ پر رحم آتا ہے؟ اس نے جواب میں عرض کیا: جی ہاں! تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

فاللّٰہ أرحم بک منک بہ وھو أرحم الراحمین .(۶)

یعنی اللہ تعالی تم پر اس سے زیادہ رحم کرنے والا ہے جو تم اس بچہ پر کر رہے ہو اور وہ تو ارحم الراحمین ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کسی صحابی کو اپنے بچوں پر رحم کرتا نہیں دیکھتے تو نہایت شدت سے ان صحابی کو تنبیہ فرماتے ؛ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک دیہاتی صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت حاضر ہوئے اور عرض کیا: کیا آپ اپنے بچوں کو چومتے ہیں؟ ہم تو نہیں چومتے ! تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

أو أملک لک أن نزع اللّٰہ من قلبک الرحمة . (۷)

یعنی اگر اللہ تعالی تمہارے دل سے رحم نکال دے تو میں تمہارے لیے کیا کرسکتا ہوں!۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ بعض والدین بچوں کے ساتھ یا تو نہایت سختی کا معاملہ کرتے ہیں جس کا اثر بچے کے اوپر منفی پڑتا ہے اوراس کے اندر احساس کمتری کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے یا پھر بعض والدین بچے کے ساتھ نہایت نرمی کا معاملہ کرتے ہیں اس کی کوتاہیوں کو یکسر نظرانداز کرتے رہتے ہیں چنانچہ یہ چیز بھی بچے کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔

☆ والدین بچوں کی تربیت سے متعلق دینی کتابوں کا مطالعہ کریں تاکہ وہ یہ جان سکیں کہ شریعت مطہرہ نے بچے کی نفسیات کو کس بہتر انداز میں سمجھ کر اس کے متعلق مختلف ایسے حکیمانہ اسلوب وضع کیے ہیں جن کی روشنی میں بچے کی تربیت بہت سہل انداز میں کی جاسکتی ہے ۔الغرض یہ تمام تر وہ ذمہ داریاں ہیں جو والدین حضرات پر عائد ہوتی ہیں لہٰذا والدین حضرات اپنی ذمہ داری محسوس کریں اور سمجھیں کہ اس پرفتن دور میں جو ذمہ داری اولاد کی تربیت کے حوالے سے ان کے کاندھوں پر عائد ہوتی ہے اس کا اِدراک نہایت ضروری ہے،اگر ہم آج اس ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اپنا فرض نبھائیں گے تو انشاءاللہ آنے والا وقت ہمارے لیے سکون واطمینان اور برکتیں لے کر آئے گا۔

ایک خاص بات جو اس بیان کے اخیر میں کرنی ہے وہ یہ کہ مردوں کی خواہش تو ہوتی ہی ہے کہ بچہ پیدا ہو عورتیں بھی اسی تمنا میں ہوتی ہیں؛ مگر یہ درست نہیں۔ وہ کبھی بھی لڑکی کی پیدائش کو زحمت نہ سمجھے۔ چہرہ افسردہ نہ کرے، دل کو غمزدہ نہ کرے، حسرت وافسوس کے باعث اپنی ہتھیلی نہ ملے، اور ناامیدی ومایوسی کا چراغ نہ جلائے، کیوں کہ یہ کسی مسلمان عورت کے لیے مناسب نہیں ہے۔

بلکہ خدا کا شکر ادا کرے کہ اس نے اس عظیم نعمت سے نواز دیا ہے اور اس کی گود بھر دی ہے، اس کے خاموش آنگن میں رنگت بھرنے والی بچی آچکی ہے جو اس کے لیے رحمت بن کر آئی ہے اپنا رزق اپنے ساتھ لے کر آئی ہے، یہ تو خداوند قدوس کے قبضہ وقدرت میں ہے، جس کو چاہے بیٹا دے جس کو چاہے بیٹی دے۔

وہی شکم مادر میں صورت گری کا حکم دیتا ہے، اس کی قدرت میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے، اس کی عطا کردہ نعمت پر شکرادا کرے، سینے سے لگائے، اس کو پیار و محبت کی نظر سے دیکھے، اس کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دے تاکہ وہ سرمایہ آخرت بنے اور جنت میں جانے کا سامان فراہم ہو، اس کو زحمت خیال کرنا اوراس کی پیدائش پر غمزدہ ہوجانا ایمان کی کمزوری کی علامت ہے، جو کفار کا طریقہ کار ہوتا ہے، معاشرے میں پھیلی ہوئی یہ ایک ایسی بیماری ہے، جس کی کڑی دور جاہلیت سے ملتی ہے، دین اسلام سے اس کا کوئی رشتہ نہیں ہے جیسا کہ قرآن مقدس میں اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔

آپ کو وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ یاد ہوگا کہ ایک بار رات میں گشت لگارہے تھے، ایک مکان کے قریب سے گزرے، جہاں ماں اور بیٹی کے درمیان کسی بات پر بحث ہورہی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا ماں بیٹی سے کہہ رہی ہے کہ دودھ میں پانی ملادو؛ مگر بیٹی انکار کرتے ہوئے جواب میں کہہ رہی ہے کہ امیر المومنین نے منع فرمایا ہے۔ ماں نے کہا یہاں امیر المومنین تو نہیں دیکھ رہے ہیں!۔ بیٹی نے جواب دیا امیر المومنین تو نہیں دیکھ رہے ہیں ان کا خدا تو دیکھ رہا ہے۔ ان کا یہ مکالمہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بغیر کچھ کہے گھر چلے گئے اور اپنے بیٹے عاصم سے کہا کہ تم اس لڑکی سے نکاح کرلو، انہوں نے پیغام بھیجا اور نکاح کردیا، انہی کی نسل سے عمر بن عبد العزیز جیسا عادل، اور دین پرور خلیفہ امت کو عطا ہوا، جس پر اُمت جتنا چاہے فخر کرے کم ہے۔

تو آج رفتہ رفتہ ہمارے قدم پھر دور جاہلیت کی جانب بڑھ رہے ہیں، بچیوں کی پیدائش ایک بار پھر زحمت خیال کی جارہی ہے، ان کی پیدائش پر خوشیوں کے بجائے سوگ منایا جاتا ہے-نعوذ باللہ- یہ سب ایمان کی کمزوری ہے۔ اللہ کی قدرت پر کامل یقین رکھئے کہ جس نے اس لڑکی کو وجود بخشا ہے وہی اس کے رزق کا مالک ہے، ان کو بھی رزق دے گا اور آپ کو بھی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی ہمیں حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور سیدھے راستے کی جانب

ہماری راہنمائی فرمائے اور ہماری اولاد کو نیک سیرت اور اعلیٰ کردار والا بنائے اور انہیں دنیا وآخرت میں ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے۔ آمین۔

و ما علينا إلا البلاغ المبين

(۱) صحیح مسلم: ۴/۲۰۲۷ حدیث: ۲۶۳۱...... مصنف ابن شیبہ: ۲۲۲/۵ حدیث: ۲۵۴۳۹...... مشکوٰۃ المصابیح: ۳/۳۷ حدیث: ۴۹۵۰...... معجم اوسط طبرانی: ۲/ ۶۷ حدیث: ۵۶۸...... ریاض الصالحین: ۱/ ۱۹۲ حدیث: ۳۔

(۲) سنن ابن ماجہ: ۲/۱۲۱۰ حدیث: ۳۶۶۹...... سنن ترمذی: ۴/۳۱۹ حدیث: ۱۹۱۳...... مسند احمد بن حنبل: ۴/۱۵۴ حدیث: ۱۷۴۳۹...... مسند ابی یعلی موصلی: ۴/۳۳۲ حدیث: ۱۷۲۵...... الادب المفرد: ۱/۴۱ حدیث: ۷۶...... جمع الجوامع: ۱/۲۴۲۰۳...... کنز العمال: ۱۶/۶۰۹ حدیث: ۴۵۳۶۸۔

(۳) سنن ترمذی: ۴/۳۳۸ حدیث: ۱۹۵۲...... مشکوٰۃ المصابیح: ۳/۹۷ حدیث: ۴۹۷۷...... مستدرک حاکم: ۴/ ۲۹۲ حدیث: ۷۶۷۹ ...... مسند احمد بن حنبل: ۳/۴۱۲ حدیث: ۱۵۴۳۹...... مسند شہاب قضاعی: ۲/۲۵۱ حدیث: ۱۲۹۵...... مسند عبد بن حمید: ۱/۱۴۱ حدیث: ۳۶۲...... مجمع الزوائد: ۸/۸۱ حدیث: ۱۳۵۰۳...... شعب الایمان بیہقی: ۲/۲۵۳ حدیث: ۱۶۷۳...... کنز العمال: ۱۶/۶۲۴ حدیث: ۴۵۴۱۱۔

(۴) سنن ابن ماجہ: ۲/ ۱۲۱۱ حدیث: ۳۶۷۱...... مسند شہاب قضاعی: ۱/ ۳۸۹ حدیث: ۱/ ۳۸۹ حدیث: ۶۶۵...... الجامع الکبیر سیوطی: ۱/۴۶۵۰ حدیث: ۸۴...... المسند الجامع: ۳/۳۸۹ حدیث: ۱۰۱۶...... تحفۃ الاشراف: ۳/ ۱۲۹ حدیث: ۵۲۰...... اطراف الغرائب والافراد: ۲/۸۳...... کنز العمال: ۱۶/۶۲۳ حدیث: ۴۵۴۱۰۔

(۵) سنن ابوداؤد: ۲/۷۰۳ حدیث: ۴۹۴۳...... سنن ترمذی: ۴/۳۲۱ حدیث: ۱۹۱۹...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/۲۱۴ حدیث: ۲۵۳۵۹...... مستدرک حاکم: ۱/۱۳۱ حدیث: ۲۰۹...... مسند احمد بن حنبل: ۲/۱۸۵ حدیث: ۶۷۳۳...... مسند ابویعلی موصلی: ۹/۲۷۸ حدیث: ۴۱۳۲...... مسند حمیدی: ۲/۲۶۸ حدیث: ۵۸۶...... مشکوہ المصابیح: ۳/ ۷۷ حدیث: ۴۹۷۰...... شعب الایمان: ۷/ ۴۵۸ حدیث: ۱۰۹۷۷ ...... بغیۃ الحارث: ۱/ ۲۵۱ حدیث: ۷۹۹...... الادب المفرد: ۱/ ۱۲۹ حدیث: ۳۵۳...... شرح السنۃ بغوی: ۶/ ۲۸۲...... مسند بزار: ۴/۲۹۰ حدیث: ۲۷۱۷...... کنز العمال: ۳/۳۰۷ حدیث: ۵۹۸۱۔

(۶) الادب المفرد بخاری: ۱/۱۳۷ حدیث: ۳۷۷...... مسند جامع: ۴۳/۲۲۵ حدیث: ۱۴۱۴۹۔

(۷) صحیح بخاری: ۵/۲۲۳۵ حدیث: ۵۶۵۲...... صحیح مسلم: ۴/۱۸۰۸ حدیث: ۲۳۱۷...... مسند احمد: ۶/۵۶ حدیث: ۲۴۳۳۶...... مشکوٰۃ المصابیح: ۳/۳۷ حدیث: ۴۹۴۸...... شعب الایمان: ۷/ ۴۶۶ حدیث: ۱۱۰۱۳...... الادب المفرد بخاری: ۱/۴۶ حدیث: ۹۰...... الآداب بیہقی: ۱/۱۲ حدیث: ۱۴۔

اِسلام کی اِشاعت وترقی میں خواتین اسلام کی قربانیاں

الحمد لِلّٰہِ الَّذِیْ بَعَثَ رَسُولَهُ الْمُصْطَفیٰ لِیُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأخْلاقِ، أحْمَدُ سُبْحَانَهُ وَ هُوَ الوَاحِدُ الرَّزَّاقُ، وَ أشْهَدُ أن لَّا إلٰهَ إلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْکَ لَهُ، وَ أشْهَدُ أنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ، شَفِيْعُ المُوَحِّدِيْنَ يَومَ التَّلاَقِ، صَلى اللّٰه عَلَيْهِ وَعَلىٰ آلِهِ وَ صَحْبِهِ وَ سَلَّمَ تَسْلِيْماً مَزِيْداً. أما بعد: فأعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم .

وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا٥ (سورۂ عنکبوت:٦٩)

خواتین ملت اسلامیہ! سب سے پہلے تو ہم کو اللہ رب العزت کا شکر اَدا کرنا چاہیے کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا، اسلامی ماحول میں ہماری آنکھیں کھولیں، اور آقاے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری پیاری اُمت سے ہمیں کیا۔ ہم تو چوں کہ مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئی ہیں؛ اس لیے اسلام کی صحیح قدر و قیمت ہمیں نہیں معلوم، اور نہ ہی ہم اسلام کی اِشاعت وترقی کے لیے کچھ کر رہی ہیں، دین کے نام پر ہمارے اندر جیسے کوئی درد ہے ہی نہیں۔ مگر آیئے، تاریخ اسلام کھولیے اور دیکھئے کی اسلام کی عظیم بیٹیوں نے اسلام کی اِشاعت وترقی میں کتنا سنہرا رول اَدا کیا ہے۔ یہ وہ خواتین اسلام تھیں جن کی نس نس میں اسلام کی محبت سمائی ہوئی تھی؛ اس لیے انھوں نے اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دیا مگر

اسلام کے دامن پر کوئی داغ دھبہ نہیں لگنے دیا؛ چوں کہ انھیں اسلام کی عظمت کا پتا تھا کہ اسلام کتنا عظیم دین ہے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات کی کتنی عظیم دولت ہیں؛ اس لیے انھوں نے اِس راہ میں آنے والی ہر تکلیف و اَذیت کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور اللہ و رسول کی نگاہوں میں سرخرو ہوکر اس دنیا سے گئیں۔

میری پیاری ماؤں اور بہنو! آپ نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا نام سنا ہوگا۔ یہ اسلام کی وہ عظیم بیٹی ہیں جنھوں نے نہ صرف اپنا لختِ جگر بلکہ خود اپنا خونِ جگر دے کر شجر اسلام کی آبیاری کی ہے، اور اس کے پھلوں پھولوں کو بہارِ تازہ سے ہمکنار کیا ہے۔ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ سب سے پہلے اسلام میں آپ ہی کا خون بہایا گیا؛ اس لیے آپ اسلام کی سب سے پہلی شہیدہ ہیں، انھوں نے مرتبہ شہادت پر فائز ہوکر اور ایسا مقام بلند حاصل کر کے انسانی دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ اسلام کی آبیاری اور اس کی اشاعت و ترقی میں عورتوں کا کردار مردوں سے کم نہیں ہے۔

حضرت سمیہ، مشہور صحابی رسول حضرت عمار کی اہلیہ اور نامور صحابی حضرت یاسر کی والدہ تھیں۔ مکہ کے اندر ایک کنیز کی حیثیت سے زندگی بسر کرتی تھیں۔ یہ ان کے بڑھاپے کا زمانہ تھا کہ کوہِ فاران سے اسلام کی صدا بلند ہوئی، حضرت سمیہ، حضرت یاسر، اور حضرت عمار تینوں نے اس دعوت پر لبیک کہا اور اسلام کے سایۂ عاطفت میں آ گئے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان تینوں کے کچھ دن تو اطمینان سے گزرے؛ مگر پھر اس کے بعد کفار مکہ نے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے شروع کر دیے، اور یہ درجہ بدرجہ بڑھتا چلا گیا؛ نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ جو ایرا غیرا شخص بھی مسلمان پر قابو پالیتا، اسے طرح طرح کی دردناک اور ناقابل برداشت تکلیفیں پہنچاتا۔

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو بھی اس خاندان نے بارہا شرک پر مجبور کیا جس خاندان کی وہ کنیز تھیں؛ لیکن وہ اپنے عقیدۂ حقہ پر نہایت سختی سے قائم رہیں جس کا صلہ ان کو یہ ملا کہ کفارِ

ناہنجاران کو مسلسل مکے کی جلتی تپتی ریت پر لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا رکھتے تھے لیکن اسلام کے نام پر بک جانے کے بعد وہ عزم واستقلال کا پہاڑ بن گئیں اور کفار ومشرکین کی ہزار دھمکیاں اور ان کی طرح طرح کی اذیتیں بھی ان کو ذرا سا اِدھر اُدھر نہ کر سکیں۔ اور ان کی محبت اسلام کے چھینٹوں کے سامنے کافروں کا آتش کدہ ہمیشہ ٹھنڈا پڑ جاتا تھا۔ اس دوران مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی اُدھر سے گزرتے تو ان کی یہ حالت زار دیکھ کر فرماتے کہ اے آلِ یاسر! صبر کرو، اس کے عوض اللہ نے تمہارے لیے جنت لکھ دی ہے۔

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو دن بھر اس ناقابل برداشت مصیبت میں رہ کر شام کو نجات ملتی تھی۔ ایک مرتبہ جب شام کو گھر تشریف لائیں تو ابوجہل نے ان کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا لیکن جواب میں آپ نے کچھ نہ کہا اور آپ کی طرف سے مکمل خاموشی رہی۔ ابوجہل کو ان کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا، اور وہ بدبخت غیظ وغضب میں ڈوبا ہوا اُٹھا اور اُٹھ کر انھیں ایسی برچھی ماری کہ حضرت سمیہ کی روح ہی ہمیشہ کے لیے پرواز کر گئی۔ اللہ اکبر! یہ تھا ان مسلمان خواتین کا جذبہ حوصلہ جنھوں نے جب اسلام کو گلے سے لگایا تو پھر انھیں اس میں زندگی کا ایسا لطف آیا کہ ان کے سامنے موت بھی ہیچ تھی۔

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا شہید ہو گئیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے نام پر انھوں نے اپنی جان قربان کر دی۔ ان کے جلیل القدر فرزند حضرت عمار کا اپنی والدہ کی بے کسی پر اِظہارِ افسوس فطر اَمر تھا۔ انھوں نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ! ظلم وستم کی اِنتہا ہو گئی ہے اور کفار ومشرکین دہشت وبربریت کی آخریں حدیں پھلانگ گئے ہیں، ہمیں بھی کچھ کرنے کی اجازت دیں۔ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو صبر کی تلقین فرمائی اور دعا کی کہ خداوندا! آلِ یاسر کو جہنم سے بچا۔

حضرت سمیہ کی شہادت کا واقعہ ہجرت نبوی سے پہلے کا ہے۔ ہجرت کے بعد جب مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا اور پہلی ہی باقاعدہ جنگ'

غزوۂ بدر میں دو بچوں کی بہادری سے بد بخت ابو جہل مارا گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمار سے فرمایا کہ عمار! دیکھو تمہاری ماں کے قاتل کا فیصلہ خدا نے کر دیا ہے ۔ یہ ہے ایک مسلمان خاتون کا اللہ کے نزدیک مقام و مرتبہ۔

پیاری اسلامی ماؤں اور بہنو! اگر دین کی راہ میں کسی پر کوئی مصیبت آتی ہے اور وہ صبر و شکیب سے کام لیتی ہے، پھر اسے دین کی راہ میں بے کس و بے سہارا سمجھ کر مار ڈالا جاتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا سہارا بن جاتا ہے اور خود اس کا بدلہ لیتا ہے۔

یہ دیکھیں حواء بنت یزید بن سنان انصاریہ ہیں۔ حضرت سعد بن معاذ جن کے ماموں اور قیس بن حطیم جن کے شوہر ہیں۔ بیعت عقبہ کی شب ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کے اسلام لانے کی خبر دی جا چکی تھی؛ چوں کہ ان کے شوہر ابھی تک کفر کی وادی میں بھٹک رہے تھے؛ اس لیے انھوں نے اپنے اسلام پر پردہ ڈال رکھا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو ان کا شوہر ان کے دین کی راہ میں رکاوٹ بن جائے، لیکن قیس کے کانوں میں کچھ پڑ چکا تھا اس لیے گاہے بگاہے اسلام قبول کرنے کی پاداش میں انھیں زدوکوب کرتے رہتے تھے، ایسا بھی ہوا کہ انھیں سجدے میں دیکھا تو سر کے بل پلٹی کھلا دی، کبھی حالت نماز میں ان کا کپڑا اُٹھا کر ان کے سر پر دے مارتے اور کہتے: نہ معلوم تم نے کیسا دین اختیار کر لیا ہے کہ جس کا معمہ مجھے آج تک سمجھ میں نہیں آیا۔ لیکن ان سب مصائب ومشکلات کے باوجود وہ عورت صبر وشکیب کا پہاڑ بنی رہی اور اسلام کی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور دامن اسلام ہاتھ سے نہ چھوٹنے دیا۔

جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی اور ان کے شوہر کی داستان معلوم ہوئی تو مکہ تشریف لانے کے بعد آپ کچھ انصاریوں کی معیت میں ان کے پاس گئے اور قیس کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہاری بیوی سلسلہ اسلام سے منسلک ہو چکی ہے؛ لہٰذا آئندہ اسے مشق ستم نہ بنانا۔ چنانچہ قیس نے ایسا ہی کیا۔ جب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ وہ اس کی ایذا رسانی سے باز آ گئے تو آپ نے فرمایا کہ قیس نے ہمارے ساتھ کیے ہوئے وعدے کی لاج رکھ لی۔

میری ماؤں اور بہنو! آپ اندازہ نہیں کر سکتیں کہ خواتین اسلام کی کتنی قربانیوں اور جانفشانیوں کے بعد آج اسلام ہم تک پہنچا ہے۔ ہم تو چوں کہ مسلمان گھر میں پیدا ہوئیں؛ اس لیے اسلام کی صحیح قدر و قیمت کا ہمیں اندازہ نہیں ہے۔ اسلام کی اہمیت ان خواتین اسلام سے پوچھیں جنھوں نے اس کی خاطر گالیاں سنیں، طعنے برداشت کیے، ظلم وستم کی آندھیوں سے ٹکرائیں، وقت کی طاغوتی قوتوں سے ٹکرا گئیں، ماں باپ کی محبتوں کو خیر آباد کہہ دیا، اپنا وطن چھوڑ دیا، تن من دھن سب وار دیے، لخت جگر کے ساتھ ساتھ ضرورت پڑی تو خونِ جگر تک قربان کر دیا؛ کیوں! صرف اس لیے اللہ سے کیا ہوا عہد نہ ٹوٹنے پائے، اور رسول اللہ کے ہاتھوں پر بک جانے کے بعد اب کوئی اور ہمارا سودا نہ کر سکے۔ پھر ان ساری قربانیوں کے بعد ان کے دل میں یہ حسرت مچلتی رہی کہ ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی ☆ حق تو یہ ہے کہ حق اَدا نہ ہوا

یہ دیکھیں اَسما بنت عمیس بڑی جلیل القدر صحابیہ ہیں۔ وقت کی بڑی عالمہ ہیں، صبر وشکیب اور صوم وصلوٰۃ میں اپنی مثال آپ ہیں۔ سرکار کے دارِ ارقم تشریف لے جانے کے پہلے ہی دامن اسلام میں آباد ہو چکی تھی۔ آپ اپنے شوہر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کر چلیں، اور وہیں ان کی کچھ اولادیں پیدا ہوئیں۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے جام شہادت نوش کر لینے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حبالہ عقد میں دے دیا جن سے حضرت محمد بن ابوبکر پیدا ہوئے، پھر اخیر میں وہ حضرت علی بن ابی طالب کے نکاح میں آئیں۔ ان کے صبر کا عالم یہ تھا کہ جس وقت مصر میں ان کے صاحبزادے حضرت محمد بن ابوبکر شہید کیے گئے، تو آپ کو اس کا بے پناہ قلق وغم ہوا۔ آپ شکر مولا کے لیے اپنے گھر کی مسجد میں کھڑی ہو گئیں، مگر اندر سے ٹوٹ

پھوٹ کر اس طرح بکھر چکی تھیں کہ کہا جاتا ہے کہ آپ کے سینے سے خون کے پھوارے جاری ہوگئے تھے۔ اس سے اسلام کی راہ میں درپیش ہونے والے مصائب و آلام پر آپ کے صبر و تحمل کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

قرآن کی عاشقہ انگریز لڑکی

اب اخیر میں میں موضوع کی مناسبت سے ایک عاشقہ قرآن' انگریز نژاد خاتون کی ایمان افروز اور روح پرور داستان سنانا چاہتی ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ ہنری ہشتم شاہِ انگلستان کے عہد میں سر ولیم اسکیو ایک نہایت دولت مند، پاک طینت اور اپنے مذہب کا پکا شخص تھا۔ این اسکیو نامی اس کی ایک بیٹی بھی نہایت شریف الطبع اور نیک خصلت تھی۔ اس نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ قرآن مجید کی تعلیم بطورِ خاص حاصل کی تھی، حالاں کہ مذہباً وہ عیسائی تھی۔ وہ روزانہ نہایت توجہ سے قرآن پڑھا کرتی تھی بلکہ قرآن کے ہر ہر نکتہ کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش بھی کیا کرتی تھی۔ اس نے اپنی زندگی کے بیشتر اصول قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق بنا رکھے تھے۔

سر ولیم اسکیو ایک قدامت پسند آدمی تھا؛ اس نے این اسکیو کی شادی اس کی صلاح کے بغیر ایک دولت مند شخص کے ساتھ کر دی تھی۔ بدقسمتی سے این اسکیو اور اس کے شوہر کے خیالات کے درمیان زمین و آسمان کا فرق تھا۔ این اسکیو جس قدر پاکباز اور اُصول پسند لڑکی تھی اس کا شوہر اتنا ہی کمینہ اور بے اصول شخص واقع ہوا تھا۔ این اسکیو کو اگرچہ اپنے شوہر کی جانب سے گاہے بگاہے تکلیف پہنچتی رہتی تھی مگر اس کی شرافت نے کبھی بھی باپ کے کانوں کو اس کی خبر نہ ہونے دی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ باپ سے ایسے شخص کی برائیاں بیان کرے جس کو خود اس کے والد نے اس کے لیے منتخب کیا تھا۔

این اسکیو کے لیے شوہر کی ہر قسم کی سختیاں قابل برداشت تھیں صرف ایک بات نہایت ناگوار تھی اور وہ یہ کہ اس کا شوہر رومن کیتھولک عقائد کے مطابق اس کو تلاوتِ

قرآن سے روکتا رہتا تھا۔ این اسکیو شروع شروع میں تو اس کو معمولی بات سمجھ کر ٹالتی رہی اور حسب دستور تلاوت کرتی رہی لیکن جب اس کے خاوند کی تنبیہ نا قابل برداشت ہوگئی تو ایک دن اس نے اپنے شوہر سے صاف کہہ دیا کہ تمہارا ہر حکم میرے سر آنکھوں پر مگر میں اس بات کو منظور نہیں کرسکتی؛ چنانچہ وہ بدستور اپنے کام میں مصروف رہی۔ اُدھر مذہبی ٹھیکیداروں نے اس کے شوہر کو پریشان کرنا شروع کر دیا اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے اس پر دباؤ ڈالا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے این اسکیو کو فوراً گھر سے نکل جانے کی دھمکی دی۔

این اسکیو نے خوشی کے ساتھ شوہر کے اس حکم کو سنا اور اپنے دونوں بچوں کو لے کر اپنے باپ کے گھر چلی آئی۔ یہاں آکر وہ اطمینان کا سانس لینا چاہتی تھی؛ مگر لوگوں نے اسے یہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا اور اسکیو ایک شب خفیہ طور پر لندن روانہ ہوگئی۔ لندن پہنچ کر اسے کسی قدر سکون میسر آیا مگر چند ہی دن بعد شریروں نے اس کا پتا لگا لیا اور اس کے پیچھے خفیہ جاسوس لگا دیے، ساتھ ہی لندن کے پادری کو بھی این اسکیو کے بدعتی ہونے اور اپنا دیس چھوڑ کر لندن میں پناہ گزیں ہونے کی اطلاع دے دی۔ کچھ عرصہ کے بعد اسکیو کو پادری کے حضور طلب کیا گیا تا کہ وہ اپنے خیالات کے متعلق جواب دہی کرے۔

پادری نے اسکیو سے متعدد ایسے سوالات کیے جن کا جواب کمسن لڑکی کے لیے مشکل ہی نہیں قطعی ناممکن تھا لیکن وہاں تو کوئی دوسری طاقت کام کر رہی تھی۔ پادری کے ہر سوال کا اسکیو نے اس قدر معقول جواب دیا کہ پادری سمیت سارے اہل مجلس دنگ رہ گئے۔ آخر کار جب پادری سوالات کرتے کرتے تھک گیا بلکہ یہ کہیں کہ اسکیو کے جوابات سے لاجواب ہوگیا تو اسکیو کو شہر کے حاکم کے پاس بھیج دیا گیا۔

اسکیو کو حاکم کے حکم سے زیر حراست رکھا گیا، اس کی سخت نگرانی کی گئی اور بشپ کے حکم سے ایک پادری این اسکیو کے پاس بھیجا گیا تا کہ وہ اس کے خیالات میں تبدیلی پیدا کر سکے مگر پتھر میں جونک کب لگ سکتی ہے۔ پادری' این اسکیو کو اس کے عقائد سے ایک انچ نہ

ہٹا سکے۔ جب کوئی شخص کسی طریقے سے اسکیو کو گمراہ کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا تو اس معاملہ کولندن کے بشپ بونر نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سنتے ہیں بشپ بونر نہایت عقلمند، سنجیدہ اور عالم فاضل شخص تھا۔ بونر نے اسکیو سے ملاقات کی اور دورانِ ملاقات اس سے بہت سے سوال کیے لیکن ہر سوال کا ایسا مثبت جواب پایا کہ بونر اپنی ناکامی پر جھلا اُٹھا اور غصہ میں بھرا ہوا وہاں سے واپس چلا گیا، پھر تھوڑے ہی دن بعد این اسکیو کو رہا کر دیا گیا۔

ایک سال گزر گیا، کوئی خاص واقعہ ظہور میں نہ آیا۔ حسن اتفاق سے ملکہ کیتھرائن اور این اسکیو میں بڑی محبت ہوگئی۔ ہر وقت اسکیو' ملکہ کے ساتھ رہنے لگی۔ یہ دیکھ کر حاکمانِ نصاریٰ کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں ملکہ کیتھرائن کا ایمان نہ متزلزل ہو جائے، چنانچہ انھوں نے این اسکیو کو پھر سے گرفتار کر کے شاہی مجلس کے روبرو پیش کیا۔ اس سے پہلے کی طرح بہت سے سوالات کیے گئے جس کا اس نے بہت ہی معقول جواب دیا، اس طرح اس مرتبہ بھی ان لوگوں کو سزا دینے کا موقع ہاتھ نہ لگا؛ بالآخر اس سے شوہر کی علاحدگی کا سبب دریافت کیا گیا اور کہا گیا کہ بادشاہ سلامت چاہتے ہیں کہ تم خود ہی صاف صاف اپنے شوہر سے علاحدگی کی وجہ بتاؤ۔

این اسکیو نے برجستہ جواب دیا کہ اگر یہ خواہش بادشاہ کی ہے تو وہ خود مجھ سے تنہائی میں دریافت کر سکتے ہیں۔ دو دن تک بادشاہ کے سامنے اسکیو کا بیان ہوتا رہا مگر معاملہ جہاں تھا وہیں رہا۔ اسکیو سے دریافت کیا گیا کہ یہ عقائد تم نے کہاں سے حاصل کیے ہیں؟ اسکیو نے کہا کہ قرآن مجید سے۔ اتنا سننا تھا کہ بشپ غصہ سے تھرا اُٹھا اور بولا کہ تم کو زندہ جلا دیا جائے گا اور اس کے بعد اسے پھر جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھیج دیا گیا۔ اسے ملکی مجرم ٹھہرایا گیا اور اس کے خلاف مقدمہ چلایا گیا۔

حاکم نے حکم دیا کہ اسے زندہ جلا دیا جائے، اس حکم کو این اسکیو نے نہایت دلیری سے ہنستے ہوئے سنا۔ مخالفین کو تو یقین کامل تھا کہ اسکیو اس حکم سے ڈر کر اپنے اسلامی خیالات سے باز رہنے کا وعدہ کرلے گی لیکن ان کو اس کی یہ جرأت ایمانی دیکھ کر سخت حیرت

ہوئی۔این اسکیو کو سب سے محفوظ اور مضبوط قید خانہ میں نظر بند کر دیا گیا۔

ایک مرتبہ پھر اس کے پاس مذہبی ٹھیکیدار کا ایک وفد پہنچا اور اسے ہر طرح سے بہلا نا پھسلانا چاہا مگر بے سود رہا۔حاکم نے داروغہ جیل کو حکم دیا کہ اس کو شکنجہ میں کھینچ کر سخت ترین اَذیت پہنچائی جائے۔داروغہ جیل کو اسکیو کی حالت پر ترس آیا، اول تو وہ اس حکم کو ٹالتا رہا ،آخر کار اس نے یہ کہہ کر حکم ماننے سے انکار کر دیا کہ لڑکی بہت کمزور ہے۔جب حاکمانِ نصاریٰ نے دیکھا کہ داروغہ حکم ماننے سے انکار کرتا ہے تو ان میں سے دو شخص خود ہی شکنجہ پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور شکنجہ کو اپنی پوری قوت سے دبا دیا جس کی وجہ سے اسکیو کے بدن کا ہر عضو ہل گیا، اس قدر تکلیف کے بعد پھر ان پادریوں نے اسکیو سے اپنے خیالات درست کرنے کو کہا مگر اسکیو کے صاف صاف جواب سے وہ اپنا منہ لے کر رہ گئے۔

خواتین ملت اسلامیہ! اندازہ لگائیے کہ اسکیو نے قرآن کی محبت میں سب کچھ برداشت کر لیا اور اسے قرآن مجید سے اتنا عشق تھا کہ اس نے اپنے جان تک کی پرواہ نہ کی؛ لیکن افسوس آج ہمارے اوپر ہے کہ ہم مسلمان ہو کر بھی قرآن کی تعلیمات سے کوسوں دور ہیں۔جب کبھی جی میں آیا تلاوت کر لیا، پھر اسے طاق پر سجا دیا، اس کو سمجھنا اور اس میں غور و فکر کرنا تو ہماری سوچ سے بھی باہر ہے۔حالاں کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ جابجا فرماتا ہے کہ لوگو! تم اِس میں غور کیوں نہیں کرتے......تم اس میں عقل و دماغ کیوں نہیں لگاتے اور تم قرآن کے اندر تحقیق و تفتیش کیوں نہیں کرتے!۔حیرت ہے کہ آج ہم حامل قرآن ہو کر بھی کچھ نہیں کر رہی ہیں جب کہ مغربی دنیا اِسی قرآن سے روشنی پا کر نئی نئی دریافتیں اور نت نئے انکشافات ہر روز پیش کر رہی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نورِ قرآن سے منور ہونے اور اپنی آئندہ نسلوں کو قرآن کی تعلیمات و ہدایات سے آراستہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین یا رب العالمین۔

وَ مَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلاَغُ الْمُبِیْنُ o

ماں بچوں کی تربیت کیسے کرے

اَلحَمدُ لِلّٰہِ الحَلِیمِ الکَرِیمِ، غَافِرِ الذَّنبِ الجَسِیمِ، وَ وَاھِبِ الأجرِ العَظِیمِ، اَلحَمدُ لِلّٰہِ، إحسَانُہٗ قَدِیمٌ، وَ فَضلُہٗ عَمِیمٌ، أشھَدُ أن لَّا إلٰہَ إلَّا ھُوَ الرَّبُّ الرَّحِیمُ ، وَ ھُوَ بِکُلِّ شَیءٍ عَلِیمٌ ، وَ أصَلِّي وَ أسَلِّمُ عَلَی المَبعُوثِ بِالھُدیٰ وَالذِّکرِ الحَکِیمِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحبِہٖ وَالتَّابِعِینَ وَ عَلَینَا مَعَھُم أجمَعِینَ مِن یَومِنَا ھٰذَا إلٰی یَومِ الدِّینِ. امَّا بَعدُ!

آج کی نسل جنریشن گیپ(Generation Gap) کی قائل نہیں، ماں باپ اپنے بچوں سے بے تکلفانہ اور دوستانہ مراسم رکھتے ہیں یہ بات ایک حد تک درست ہے مگر یہ بے تکلفی اتنی بھی نہیں ہونی چاہیے کہ ادب واحترام ملحوظ خاطر رکھنے کو تکلف خیال کیا جائے۔ والدین اور بچوں کا رشتہ کتنا ہی قریبی اور دوستانہ روابط پر منحصر کیوں نہ ہو اس میں بے ادبی اور گستاخی کا پہلو ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض مائیں چھوٹے بچوں کی بدتمیزیوں اور بے ادب لہجے کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیتی ہیں کہ ابھی بچہ ہے بڑا ہوگا تو خود ہی سمجھ آ جائے گی۔ بچہ ڈھیل پا کر مزید سرکشی اور گستاخی پر اتر آتا ہے۔

مائیں انہیں ڈانٹنے ڈپٹنے کی بجائے لاڈ کر کے مزید سر پر چڑھا لیتی ہیں اور یہی عادتیں پختہ ہو کر ان کی شخصیت کی خامی بن جاتی ہیں۔ ظاہر سی بات ہے جن بچوں کی ہر غلط بات کو بھی صحیح سمجھا گیا ہو اسے صحیح یا غلط میں تمیز ہو گی بھی تو کیسے؟ جسے بچپن سے ہی ضد کر کے رو پیٹ کر اپنی ہر جائز و ناجائز منوانے کی عادت پڑ جائے وہ بڑا ہو کر بھی اسی طریقے کو خود پر لاگو کئے رکھتا ہے۔ جو بدتمیزی اور بے ادبی والا ماحول اسے بچپن میں میسر ہوتا ہے وہ

بڑا ہو کر بھی اسی بے تکلفی پر مائل رہتا ہے۔

ماں باپ چاہے کسی بھی کلاس سے تعلق رکھتے ہوں ان بچے کے ان کی یکساں توجہ اور محبت کے طالب ہوتے ہیں۔محل میں رہنے والا بچہ بھی ماحول اور کردار سے تربیت پاتا ہے۔جھونپڑی میں رہنے والا بھی ماں باپ کی محبت اور شفقت کی طرح ان کی کلاس بھی تخصیص کی قائل نہیں مگر جدت پسند اور روشن خیال ماں باپ اس محبت کو بھی کلاس، اور اسٹیٹس کے پیمانوں سے ماپنے لگے ہیں۔

ہائی کلاس کے والدین اپنے بچوں کی پرورش کھلے ڈھلے ماحول اور دوستانہ مراسم کے ساتھ کرتے ہیں۔ان کی محبت ان کے لہجے، باتوں اور لاڈ پیار سے زیادہ پر تعیش زندگی اور بے تحاشہ عیش وعشرت سے منسوب ہوتی ہے وہ اپنے بچوں کی ہر خواہش، ضرورت اور تمنا کا حاصل روپے پیسے کو سمجھتے ہیں ان کے پاس وقت بھی محدود ہوتا ہے۔

بزنس، گیٹ ٹو گیدرز، پارٹیاں اور کلب ان کے بچوں کی تربیت اور پرورش سے زیادہ اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔بچے ان کی بے اعتنائی اور لاتعلقی سہہ کر بڑے ہوتے ہیں۔اس لیے جب ان کے کیرئر یا شادی وغیرہ کی بات آتی ہے تو وہ ہمیشہ کی طرح اپنی پسند کو ترجیح دیتے ہیں اور پھر والدین کے لیے اپنے بچوں کی شادی ایسا موضوع ہوتا ہے کہ یہاں آ کر انہیں سارے حقوق وفرائض یاد آ جاتے ہیں۔یہاں آ کر انہیں خبر ہوتی ہے کہ ان کی تعلیم وتربیت میں کہاں کمی رہ گئی تھی۔

ہر بات اور ہر کام اپنے بچوں کی منشا پر ڈال دینے والے بہت سے والدین اس موقع پر آ کر اپنی مرضی اور اختیار استعمال کرنے لگتے ہیں۔جو بچے شروع سے بغیر روک ٹوک کے آزادانہ زندگی گزار رہے ہوتے ہیں ماں باپ اس موڑ پہ آ کر ان پر پابندیاں اور حدود وقیود عائد کرنے لگیں تو اس کا نتیجہ کورٹ میرجز کی صورت میں نکلتا ہے۔یہی نہیں آج کل تو اچھے اچھے گھرانوں کے بچے منشیات (ڈرگس) اور نشہ آور اشیا کے عادی ہوتے

ہیں۔شراب و کباب تو خیر امرااور روسا کے لیے اسٹیٹس سمبل بن چکا ہے تا ہم شوقیہ اسمگلنگ، ڈاکہ زنی اور ریپ وغیرہ کے کیسیز بھی امیر گھرانوں کے بچوں کے معمولات میں شامل ہو چکے ہیں۔

سونے کا نوالہ منہ میں لے کر پیدا ہونے والے بھی موبائل چھیننےاوراسٹریٹ کرائمز میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ان کی راہ میں کوئی مجبوری حائل نہیں مگر ناقص تربیت ان کی شخصیت کو کھوکھلا کر دیتی ہے وہ باہر سے کتنے ہی مکمل کیوں نہ ہوں ان کا اندر اتنا ہی خالی ہوتا ہے ان کی شخصیت بظاہر مضبوط اور بھرپور دکھائی دیتی ہے مگر ان کی باطنی شخصیت اتنی ہی کھوکھلی اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتی ہے۔

بات متوسط طبقے اور نچلے گھرانوں کی کی جائے تو یہاں بھی حالات خاصے قابل رحم ہو چکے ہیں۔خصوصاً نچلے طبقات میں تو والدین کی تعلیم وتربیت کا کوئی تصور ہی موجود نہیں ہے۔ماں باپ بچوں کو پیدا کر کےان کی تعلیم وتربیت سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔یہاں بچوں کی بہتات تو ہوتی ہے مگر ان کے پیٹ بھرنے کے علاوہ ماں کو کسی شے سے سروکار نہیں ہوتا۔ان کے بچے یونہی گلیوں،سڑکوں اور جھونپڑیوں میں رل کر پل بڑھ جاتے ہیں اور یہی وہ معاشرتی ناسور بنتے ہیں جو شر پسند اور تشدد پسند کہلاتے ہیں،جن کا معاشرتی جرائم میں بڑا حصہ ہے۔سو میں ستر فیصد مجرمانہ ذہنیت کے حامل چھوٹی چھوٹی خواہشوں اور حسرتوں کے لیے کلپتے یہ معصوم بچے ہوتے ہیں جو کم عمری سے ہی چوری چکاری اور دیگر جرائم میں ملوث ہو جاتے ہیں جن کی مائیں ان کی تربیت سے یکسر لاتعلق رہتی ہیں۔

خانہ بدوش، گداگروں اور فقرا کے بچے نہ صرف ماں باپ کے پیشے اختیار کرتے ہیں بلکہ ان کی ناقص تربیت انہیں نسل در نسل ان کو آبائی پیشوں سے وابستہ رکھتی ہے۔تعلیم کا تو خیر ایسے گھرانوں میں کوئی کردار ہوتا ہے نہ تصور،اور تربیت بھی نایاب شے ہے۔یہی چھوٹے چھوٹے بچے فٹ پاتھ اور خیراتی اداروں کی زینت بنتے ہیں۔نشہ آور منشیات

کے عادی ہو کر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جانے والے اکثر پھول سڑکوں کے کناروں پر مسلے پڑے رہتے ہیں۔ ان کی زندگی کا بنیادی مقصد پیٹ بھرنا ہوتا ہے ان کا شخصی کردار ان کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا۔

وقت اتنا آگے سرک چکا ہے۔ ماں باپ انتہائی روشن خیال اور وسیع النظر ہو چکے ہیں۔ دنیا کمپیوٹر کی سکرین میں سمٹ چکی ہے۔ مگر نچلے گھرانوں کی ماں آج بھی صدیوں پہلے والی ماں ہے۔ اپنے بچوں کی ذاتی شخصیت میں اس کا حوالہ موجود ہوتا ہے لیکن کردار نہیں۔ اپنی اولاد کے لیے اس کی ممتا وہی ہے، محبت وہی ہے تاہم اس کے خواب عام ماں سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس کے لیے زندگی کھانے، پینے، سونے، جاگنے اور ہاتھ پھیلا کر مانگنے کا نام ہے اور یہی عمل اور سوچ نسل در نسل اس کے بچوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ افسوس ہوتا ہے ایسی ماں پر جو جانوروں کی طرح اپنے بچے پیدا کر کے پھینک دیتی ہیں جن کے نزدیک ماں کا کام صرف بچے پیدا کرنا ہے وہ اپنی تعلیم و تربیت کے خود ذمہ دار ہوتے ہیں۔

درمیانہ طبقہ جو ہمارے وطن کی ستر فیصد آبادی پر مشتمل ہے اور جس کی نسل نو کا اس ملک کی ترقی میں اہم کردار ہے۔ یہاں بھی ماں دو حصوں میں منقسم ہو چکی ہے۔ ایک طرف ماں اتنی حساس، سمجھ دار اور باشعور ہے کہ اس کی تربیت اور بہترین درس زندگی اس کے بچوں کو معزز شہری اور باہمت شخصیت کے طور پر سامنے لاتی ہے تو دوسری طرف ماں اس قدر لاپرواہ اور لاتعلق ہوگئی ہے کہ بچے کیا کرتے ہیں؟ کہاں جاتے ہیں؟ کہاں گھومتے ہیں؟ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔

یاد رکھیں کہ بچوں کی شخصیت کو بگاڑنے اور سنوارنے میں ماں کا کردار انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ایک پڑھی لکھی اور ایک جاہل ماں میں بہت فرق ہوتا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی ممتا یا محبت میں فرق آ جائے۔ ماں جب ایک بچے کی تربیت و پرورش کرتی

ہے تو وہ ایک بچے کی نہیں بلکہ ایک نسل کی تربیت کر رہی ہوتی ہے۔ آج کل کے مادیت پسند دور نے ماں کو بھی تھوڑا سا خود غرض بنا دیا ہے لیکن یہ خال خال ہے۔

خواتین ملت اسلامیہ! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ماں اور بچے کا رشتہ انمول ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ماں اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو بہتر طور پر سمجھے؛ تاکہ وہ ایک نسل کی تربیت قابلِ فخر اور شخصی بنیادوں پر کر سکے۔ ماں پڑھی لکھی ہو یا جاہل کسی بھی طبقے کی ہو اس کی ممتا منقسم نہیں ہوسکتی۔ اسٹیٹس اور معاشی حالات کے پیشِ نظر ماں کے کردار کو صرف ماں ہی ہونا چاہیے۔ وہ ممی ہو مما ہو یا اماں اس کی گود اگر پہلی درس گاہ ہے تو اسے اس بات کی پرواہ نہیں ہونی چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو پہلا سبق کیا دیتی ہے؟۔ اس کی ابتدائی تربیت کن خطوط پر کرتی ہے بچپن ہی سے ماں کو ہر رشتے اور تعلق کو اسی تکریم اور احترام سے متعارف کروانا چاہیے جس کا وہ مستحق ہے۔

کسی کی تذلیل وتحقیر کرنے سے قبل اسے اپنے بچوں کے معصوم ذہنوں کا بھی خیال رہنا چاہیے۔ والدین جو بھی فعل کرتے ہیں بچہ اسے ضرور اختیار کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باپ کو بچوں کے سامنے سگریٹ نوشی وغیرہ سے منع کیا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض مائیں بھی خاصی بے تکلفی کا مظاہرہ کرتی رہتی ہیں۔ کسی کو لعن طعن کرنا ہو تو بھی مہذب دائرے میں رہ کر، کسی غلط کام پر ٹوکنا ہو، کسی غلط فعل پر ممانعت کرنی ہو، کسی ناجائز خواہش پر سمجھانا ہو، کسی ضد پر بچے کو بہلانا ہو، ہر ہر کام اور فعل میں تربیت کا پہلو مدنظر رکھنا چاہیے۔

بچہ ہر عمل، ہر بات، ہر حرکت اور ہر عادت سے سیکھتا ہے۔ اسے بچپن میں جیسا ماحول دیا جائے اس کی شخصیت ویسی ہی ہوتی ہے۔ بچپن سے ہی بچے کو منصفی کے پیمانے پر پورا اتر کر دکھانا چاہیے۔ یہ نہیں کہ ایک بچے کو زیادہ چیز دی اور دوسرے کو کم۔ ایک سے لاڈ پیار زیادہ جتانا اور دوسرے سے کم۔ معصوم بچے ہر ہر حرکت کو ذہن میں رکھ کر اس کے محرک پر غور وخوض کرتے ہیں۔ ان میں تجسس کا مادہ حد سے سوا ہوتا ہے وہ کیا؟ کیوں؟

کیسے؟ سے سیکھتے ہیں۔

ہر ماں کے لیے اولاد کتنی ہی ہو ہر بچے کے لیے ماں ایک ہی ہوتی ہے۔ماں ہر بچے کے لیے انسٹی ٹیوٹ کا درجہ رکھتی ہے۔آج کل کی ماں پڑھی لکھی تو ہے لیکن باشعور ہونے کے ساتھ ساتھ وہ روشن خیال بھی ہوگئی ہے۔اسی لیے ہر ماں سے گزارش ہے کہ وہ ابتدائی چند سالوں تک بچوں کو دوسروں کے رحم وکرم پر چھوڑنے کے بجائے اپنے ذاتی مقصد اور شخصیت کو پس پشت ڈال کر صرف اس کی بہترین تربیت پر توجہ دے۔

اسے اپنے بچے کو شروع سے ہی باادب اور مہذب ماحول دینا چاہیے۔بچپن سے ہی مال بانٹ کر کھانے کا سلیقہ سکھانا چاہیے۔بڑوں کے ادب واحترام اور چھوٹوں سے محبت بھرے سلوک پر زور دینا چاہیے، ہر جائز و ناجائز پر امنا صادقا کہنے کی بجائے صرف جائز ضروریات اور خواہشات کے حصول پر عمل کرنا چاہیے۔ہر ضد اور خواہش پوری کرنا بچے سے محبت نہیں اس پر ظلم ہے۔کیونکہ جسے بچپن سے نہ سننے کی عادت نہ ہو۔وہ بڑا ہو کر بھی انکار نہیں سننا چاہتا، چاہے مقصد یا مطمع نظر کچھ بھی ہو۔حد سے زیادہ سختی کی طرح حد سے زیادہ لاڈ پیار بھی بچے کی شخصیت کو بگاڑ دیتا ہے۔ہر شے اور ہر کام اعتدال میں ہونا چاہیے۔

سب سے بڑھ کر ماں کو ماں ہی رہنا چاہئے۔کوئی ماڈل، شوپیس یا میم نہیں، جسے اپنے بچوں کی تربیت سے زیادہ اپنے کپڑوں، جیولری اور میک اپ کی فکر دامن گیر رہے۔درحقیقت ماں ایسا وجود ہے، جس کا چہرہ پرنور اور لب دعاؤں سے مسکراتے ہیں آج کل کی ماں بھی کوئی ماں ہے۔وہ تو چلتا پھرتا اشتہار بن گئی ہے۔اللہ اس کے حال پر رحم کرے جو قدموں تلے جنت رکھ کر اس پر چھ چھ انچ کی ہیل لیے پھرتی ہے، اور جس کی ہتھیلیوں میں مقدس دعاؤں کی بجائے اب مہنگے مہنگے موبائل فون، پرس اور بیش قیمت زیورات ہوتے ہیں۔جس کے وجود سے ممتا کی بجائے ڈیوڈرنٹ اور پرفیومز کی مہک آتی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر لطف وکرم فرمائے اور توفیق خیر سے نوازے۔

خواتین اسلام
اور وقت کی قدر و قیمت

الحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی، وَ قَدَّرَ فَهَدٰی، وَأَغْنیٰ وَ أَقْنیٰ، وَجَعَلَنَا مِنْ خَیْرِ أُمَّةٍ تَأمُرُ وَ تَنْهیٰ، وَالصَّلاۃُ وَ السَّلامُ عَلیٰ خَیْرِ الْوَریٰ، مَا ضَلَّ وَ مَا غَویٰ، وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الهَویٰ، إنْ هُوَ إلاَّ وَحْیٌ یُّوحیٰ، وَعَلیٰ آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَ مَنْ سَارَ عَلیٰ نَهْجِهٖ وَ اقْتَفیٰ . أما بعد !

فأعوذ باللّٰه من الشیطان الرجیم، بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم

وَ الفَجْرِ وَ لَیَالٍ عَشْرٍ وَالشَّفْعِ وَ الوَتْرِ o

محترم خواتین اسلام! آج کی اِس مجلس کے لیے میں میں نے جس آیت کریمہ کی تلاوت کو اپنے خطاب کا موضوع بنایا ہے، وہ اپنے اندر بہت سے معنی ومفہوم رکھتی ہے۔ مگر میں سر دست یہاں وقت کی قدر و قیمت اور اس کی افادیت واہمیت پر روشنی ڈالنا چاہتی ہوں؛ کیوں کہ اس دنیا میں ایک شخص کی کل پونجی اس کا وقت ہی ہے، بلکہ وقت ہی انسان کی کل کائنات ہے، وقت کو ضائع کرنا عمر گنوانے کے مترادف ہے؛ وقت' مال سے کہیں زیادہ قیمتی شے ہے۔ دیکھیں نا کہ ایک شخص کے چل چلاؤ کا جب وقت آجاتا ہے، اور دم نزع سانسیں اُکھڑنے لگتی ہیں تو اس کے سارے مال واسباب اس کے سرہانے رکھے رہ جاتے ہیں وہ چاہتا ہے کہ اپنا سب کچھ قربان کر کے عمر کے خزانے میں صرف ایک دن کا اِضافہ کرالے تو کیا اسے ایک دن کی مہلت مل جاتی ہے! نہیں کبھی نہیں۔ قرآن نے دو مقامات پر

بیان فرمایا ہے کہ انسان کو ضیاعِ وقت پر ندامت وخجالت لاحق ہوتی ہے مگر اس وقت کف افسوس ملنا کچھ بھی نفع رساں نہیں۔

پہلا مقام تو وہی کہ جب انسان کی جان پر بن آئے، وہ دنیا کے گورکھ دھندوں کو ہاتھوں سے جاتا اور آخرت کی سچائیوں کو قریب آتا دیکھتا ہے تو شدید خواہش کرتا ہے کہ کاش! اسے ایک لمحے کی مہلت مل جاتی اور اس کی موت کا وقت ذرا سا موخر کر دیا جاتا تاکہ وہ اپنے اعمال کی اِصلاح اور اپنی کوتاہیوں کا تدارک کر لیتا۔قرآن کریم کی شہادت دیکھیں :

وَ أَنْذِرِ النَّاسَ يَومَ يَأْتِيهِمُ العَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلٰى أَجَلٍ قَرِيبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ أَوَ لَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِنْ زَوَالٍ ○ (سورۂ ابراہیم:۴۴)

آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرائیں جب ان پر عذاب آپہنچے گا تو وہ لوگ جو ظلم کرتے رہے ہوں گے کہیں: اے ہمارے رب! ہمیں تھوڑی دیر کے لیے مہلت دے دے کہ ہم تیری دعوت کو قبول کرلیں اور رسولوں کی پیروی کرلیں۔(ان سے کہا جائے گا کہ) کیا تم ہی لوگ پہلے قسمیں نہیں کھاتے رہے کہ تمہیں کبھی زوال نہیں آئے گا۔

نیز ارشاد ہوتا ہے :

حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ المَوتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونَ لَعَلِّي أَعْمَلَ صَالِحاً فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَ مِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلٰى يَومِ يُبْعَثُونَ ○ (سورۂ مومنون:۹۹تا۱۰۰)

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجائے گی (تو) وہ کہے گا: اے میرے رب! مجھے (دنیا میں) واپس بھیج دے، تاکہ میں اس (دنیا) میں کچھ نیک

عمل کرلوں جسے میں چھوڑ آیا ہوں۔ ہرگز نہیں، یہ وہ بات ہے جسے وہ (بطورِ حسرت) کہہ رہا ہوگا اور ان کے آگے اس دن تک ایک پردہ (حائل) ہے (جس دن) وہ (قبروں سے) اُٹھائے جائیں گے۔

ندامت وافسوس کا دوسرا مقام آخرت میں اس وقت درپیش ہوگا جب ہر جان کو اس کے کیے کا بھرپور صلہ مل رہا ہوگا، اور اس کی کمائی کا اسے بدلہ چکایا جا رہا ہوگا۔ جب اہل جنت، بہشت میں شاداں وفرحاں جا رہے ہوں گے، اور اہل دوزخ، جہنم کے لیے گھسیٹے جا رہے ہوں گے، تو اس وقت دوزخیوں کے دل میں ایک خواہش وتمنا جاگے گی کہ کاش! انھیں دنیا میں ایک بار اور جانے کا موقع مل جاتا تاکہ وہ ازسرِنو نیک عمل کا آغاز کر پاتے۔ اس منظر کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

وَ لَو تَرَى الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَ سَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحاً إِنَّا مُوقِنُونَ وَ لَو شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَ لٰكِنْ حَقَّ الْقَولُ مِنِّي لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ أَجْمَعِيْنَ فَذُوقُوا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَاءَ يَومِكُمْ هٰذَا إِنَّا نَسِيْنَاكُمْ وَ ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ (سورۂ سجدہ: ۱۲ تا ۱۴)

اور اگر آپ دیکھیں (تو ان پر تعجب کریں) کہ جب مجرم لوگ اپنے رب کے حضور جھکائے ہوں گے (اور کہیں گے:) اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور ہم نے سن لیا، پس (اب) ہمیں (دنیا میں) واپس لوٹا دے کہ ہم نیک عمل کرلیں بے شک ہم یقین کرنے والے ہیں۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم ہر نفس کو اس کی ہدایت (اَزخود ہی) عطا کردیتے لیکن میری طرف سے (یہ) فرمان ثابت ہو چکا ہے کہ میں ضرور سب (منکر) جنات اور انسانوں سے دوزخ کو بھر دوں گا۔ پس (اب) تم مزہ چکھو کہ تم نے اپنے اس دن کی پیشی کو بھلا رکھا تھا، بے شک ہم

نے تم کو بھلا دیا ہے اور اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے رہے تھے دائمی عذاب چکھتے رہو۔

لہٰذا عقلمند وہی ہے جو وقت پر اپنی گرفت مضبوط رکھے، وقت کے تئیں حساس ہو اور اسے تعمیری کاموں کے اندر لگانے میں جٹ جائے۔

میری پیاری ماؤں اور بہنو! وقت کی قدر و قیمت کا اندازہ اس سے بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ جل مجدہ نے قرآن مجید میں بہت سی جگہوں پر وقت کی قسم اُٹھائی ہے۔ وہ مالک و مختار ہے جس کی چاہے قسمیں اُٹھائے مگر اہل علم کو پتا ہے کہ قسم ہمیشہ عظیم چیز کی کھائی جاتی ہے، حقیر چیزیں قسم کے لائق نہیں ہوتیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَ الفَجرِ وَ لَیَالٍ عَشرٍ وَالشَّفعِ وَ الوَترِ وَاللَّیلِ إِذَا یَسرِ هَلْ فِي ذَلِکَ قَسَمٌ لِذِي حِجرٍo

اس صبح کی قسم (جس سے ظلمت شب چھٹ گئی)۔اور دس (مبارک) راتوں کی قسم۔اور جفت کی قسم اور طاق کی قسم۔اور رات کی قسم جب گزر چلے۔بے شک ان میں عقل مند کے لیے بڑی قسم ہے۔

تو فجر، لیالی عشر، اور شفع و وَتر کی قسمیں وقت کی اہمیت کو بھی اُجاگر کررہی ہیں۔مگر ان سے فائدہ کون اُٹھاتا ہے تو قرآن نے اسے بھی واضح کر دیا کہ صرف اہل عقل وخرد ہی ان سے مستفید ہوتے ہیں اور ان کا صحیح استعمال کرتے ہیں۔عقل کو یہاں پر حجر سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ وہ عقلمند کو غیر مناسب اَفعال واَقوال سرانجام دینے کی اجازت نہیں دیتی۔

محترم خواتین اسلام! وقت کی نگہداشت اور اسے عمل خیر میں صرف کرنے کا عمل صرف اُمت کے مردوں ہی میں محدود نہیں بلکہ آقا کی امت کی بہت سی عورتیں بھی ایسی ہوئی ہیں جن کے یہاں وقت کے قدر کا تصور نمایاں نظر آتا ہے، اور وقت کا بہتر استعمال

کر کے وہ تاریخ کے صفحات کا انمٹ حصہ بن گئیں۔ اس سلسلہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سرخیل نظر آتی ہیں جو اہل اسلام کا مرجع تھیں، جب بھی صحابہ کرام فقہ وفرائض اور شعر واَدب وغیرہ کے کسی مسئلے میں الجھتے تو سیدھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں رجوع کرتے تھے۔

کہا گیا ہے کہ اگر صرف حضرت عائشہ کا علم کائنات بھر کی عورتوں کے علم کے برابر رکھ کر وزن کیا جائے تو آپ کے علم کا پلڑا وزنی ہوگا۔ حضرت عائشہ علم وفضل کی اس بلندی پر کیسے پہنچیں اور حدیث رسول کے مشہور رُواۃ میں کیسے شامل ہوئیں یقیناً اس میں اُن کے اپنے وقت کو صحیح مصرف میں لانے اور وقت کی قدر ومنزلت کرنے کا بڑا دخل ہے۔

یہ دیکھیں سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ربیبہ حضرت زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہما ہیں جن کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنے وقت میں مدینہ کی سب سے بڑی فقیہہ خاتون تھیں۔

یوں ہی انصاریہ فقیہہ حضرت عمرۃ بنت عبد الرحمٰن بن اَسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں طبقاتِ ابن سعد کے اندر موجود ہے کہ وہ دین کی بڑی عالمہ اور مسائل میں فقیہانہ شان رکھتی تھیں۔ یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خاص تربیت یافتہ اور اُن سے مروی احادیث کی امین تھیں۔

حضرت اُم الدرداء کا شمار فہم وفراست، زہد وتقویٰ اور دانش وبینش رکھنے والی خواتین میں سرفہرست ہوتا تھا۔ فضل وکمال اور علم وعمل سے انھیں حصہ وافر عطا ہوا تھا۔ وقت کے اوپر ان کی گرفت بھی بہت مضبوط تھی۔ پوری زندگی انھوں نے نظام الاوقات کی پابند رکھا۔ عالم یہ تھا کہ اپنے شوہر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے ساتھ فقہ وحدیث کے درسوں میں جانے کا خاص اہتمام کیا کرتی تھیں۔

عالمات کی فہرست میں حضرت جلیلہ بنت علی بن حسن بن حسین کا نام نہایت روشن

ہے۔اہل علم کا ان کے بارے میں متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ اپنے دور کی عظیم محدثہ،اور قرآن کی بہترین قاریہ تھیں،حدیث کی تلاش وجستجو میں انھوں نے عراق وخراسان کے شہروں تک کی گرد چھان ڈالی تھی۔امام سمعانی نے ان کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ بچوں کو قرآن کریم کی خصوصی تعلیم دیا کرتی تھیں۔

انہیں میں ایک حضرت خیرہ بھی ہیں جو عورتوں کو علمی واخلاقی قصے سنایا کرتی تھیں اور انھیں دینی احکام ومسائل سکھایا کرتی تھیں۔بات یہیں ختم نہیں ہوجاتی بلکہ بعض عورتوں نے وقت کی قدر کرتے ہوئے فقہ وحدیث میں وہ مقام حاصل کیا کہ امام شافعی جیسے امام ان کے خوانِ علم کے خوشہ چیں بنے۔

امام شافعی کی جلالت شان،فقہی مقام اور حدیث میں ان کا تبحر دیکھئے مگر وہ بھی نفیسہ بنت حسن بن زید بن حسین بن علی بن ابی طالب کے سلسلہ فیض سے بندھے نظر آتے ہیں۔اور یہ سن کر تو حیرت اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے کہ وہ کوئی عربیہ بھی نہیں بلکہ ایک اُمیہ تھیں، اس کے باوجود وہ قرآن اور بہتیری حدیثوں کی حافظہ وعالمہ تھیں، اور یہی وہ فضیلت ہے جس نے انھیں یکے از مشائخ امام شافعی بنادیا۔

امام ابن کثیر نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اپنے وقت کی عظیم عابدہ وزاہدہ اور کثرت کے ساتھ خیروتعاون کرنے والی خاتون تھیں، چوں کہ اللہ نے دولت سے نوازا تھا؛ اس لیے لوگوں پر احسان کرنا اور غربا ومساکین حاجتیں پوری کرنا ان کی کل زندگی کا معمول تھا۔

اورعہد رسالت میں کچھ ایسی عورتیں بھی ہوئیں ہیں کہ جو وقت کی نگہداشت میں اپنا جواب آپ ہیں۔

یہ دیکھیں نسیبہ بنت کعب انصاریہ ہیں۔عالمہ ہونے کے ساتھ مجاہدہ بھی تھیں، غزوات میں شریک ہوتی رہتی تھیں۔بہت سے صحابہ اور بصرہ کے کبار تابعین ان سے غسل

میت دلواتے تھے۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب نے تحریر فرمایا ہے۔ وہ جنگوں میں جا کر مریضوں کی دیکھ ریکھ کرتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ صاحبزادیِ رسول کے غسل میت کے وقت وہ موجود تھیں۔

اور آگے چلیں، یہ دیکھیں چھٹی صدی کی ایک عظیم عالمہ' جسے دنیا نعمۃ بنت علی بن یحییٰ الفراح کے نام سے یاد کرتی ہے، ۶۰۴ ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ وہ اہل دمشق کی شیخہ تھیں، محدثین میں انھیں بلند مقام حاصل تھا۔ انھوں نے روایت بھی کی اور ان سے اخذ وسماع بھی کیا گیا۔

امام خطیب بغدادی ''کتاب الکفایہ فی معرفۃ الروایہ'' میں فرماتے ہیں کہ نعمۃ نے اپنے دادا سے سماعِ حدیث کیا۔ ان کے دادا امام یحییٰ کی وفات ۵۳۰ ھ میں ہوئی جب کہ نعمۃ کی ولادت ۵۱۸ ھ میں ہوئی، تو اگر اخیر وقت میں بھی نعمۃ کے اپنے دادا سے حدیث سننے کی بات فرض کی جائے تو اس وقت ان کی عمر کوئی بارہ سال بنتی ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علم کے ساتھ ان کا تعلق کتنا گہرا تھا اور عہد طفولیت ہی سے انھیں وقت کا صحیح استعمال کرنے کی کتنی فکر تھی!۔

خواتین ملت اسلامیہ! حضرت نعمۃ کی ایک مثال کو آپ کے سامنے پیش کرنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ صرف عہد صحابیات ہی میں وقت کی صحیح قدر و قیمت رہی، بعد کے عہد کی خواتین نے وقت کا بہتر استعمال نہ کیا اور خود کو فقہ وحدیث کی روشنی سے محروم رکھا؛ بلکہ الحمدللہ آج تک وہ سلسلہ خیر جاری ہے، اور امت کی ذمہ دار خواتین آج بھی وقت کی قدر و قیمت کرتے ہوئے اسے تعمیری وفلاحی کاموں میں صرف کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق خیر سے نوازے۔ آمین یارب العالمین۔

و ما علینا الا البلاغ المبین

تاریخ اِسلام کی عظیم مائیں

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ، نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَھْدِیْہِ وَنَسْتَغْفِرُہٗ، وَنَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُورِ أنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئَاتِ أعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ، وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَ أشْھَدُ أنْ لَّا إلٰہَ إلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَ شَرِیْکَ لَہٗ، وَ أشْھَدُ أنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُولُہٗ . أمَّا بَعْدُ ! فأعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ .

وَلَقَدْ أنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ آیَاتٍ مُّبَیِّنَاتٍ وَّ مَثَلاً مِّنَ الَّذِیْنَ خَلَوا مِنْ قَبْلِکُمْ وَمَوعِظَۃً لِلْمُتَّقِیْنَ o (سورۂ نور:۳۴/۲۴)

خطبہ مسنونہ کے بعد جس آیت کریمہ کی تلاوت کا میں نے شرف حاصل کیا، اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اس کے متعلق حق بولنے اور آپ کو حق سننے کی توفیق عطا فرمائے۔

معزز خواتین اسلام! آج کی نشست میں جو موضوع لے کر میں آپ کے روبرو حاضر ہوں وہ یہ ہے کہ تاریخ اسلام میں ماؤں کا کیا کردار رہا ہے، اسلام کی اشاعت وترقی کے لیے انھوں نے کن کن مشکلات کا سامنا کیا ہے، اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لیے انھوں نے کیسی کیسی قربانیاں پیش کی ہیں، اور شمع اسلام کی روشنی کو تیز تر کرنے کے لیے انھوں نے کیسے کیسے عظیم سپوتوں کو جنم دیا ہے۔

گرچہ یہ بات بنیادی اہمیت کی حامل ہے کہ لڑکیوں کی تربیت اسی طرح کی جائے کہ وہ بچوں کی تعلیم کے حوالے سے پھولوں کی طرح نرم ونازک اور محبت کرنے والی اُستاد ہوں؛ لیکن وہ سچائی کی بھی زبردست محافظ ہوں۔ ورنہ ہم انہیں نرمی اور لچک پیدا کرنے کی کوشش میں بے ہمت اور بزدل بنادیں گے ہمیں یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ شیرنی مادہ

ہونے کے باوجود شیرنی ہی ہوتی ہے۔

وہ پہلا مدرسہ جہاں ہمیں سب سے اہم اور ضروری تعلیم ملتی ہے اور جسے بہترین ہونا چاہیے وہ گھر ہے ایک اچھی نسل اور صحتمند سماجی نظام یا ڈھانچے کی تعمیر میں گھر سب سے اہم مقام ہے تمام زندگی یہ ذمہ داری گھر کے ذمے ہوتی ہے۔ گھر کے جو اثرات ہم پر مرتب ہوتے ہیں ہم انہیں آئندہ کی زندگی میں مٹا نہیں سکتے کھلونوں اور دوسری چیزوں کے حوالے سے گھر میں ملنے والی تربیت اور کنٹرول آئندہ سکول کی زندگی میں بھی ہم پر اثر انداز ہوتا ہے مثلاً سکول میں دوست بنانے، کتابوں کے انتخاب اور سیر وتفریح کی جگہوں کے انتخاب کے حوالے سے اس کے اثرات ہم پر رہتے ہیں۔ والدین کو چاہیے کہ بچے کا ذہن علم اور سائنسی معلومات سے بھر دیں اس سے پہلے کہ ان کا ذہن خرافات اور فضولیات سے اَٹ جائے کیونکہ سچائی کی روشنی سے محروم رو حیں اس کھیتی کی مانند ہیں جہاں شیطانی سوچ کی فصل بوئی اور کاٹی جاتی ہے۔

گھر پر بچے اچھی تعلیم صحتمند خاندانی ماحول کی موجودگی میں ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ بچوں کی شرارت اور بدتمیزی سے دراصل اس ماحول کا پتہ چلتا ہے جس میں بچہ پروان چڑھا۔ٹوٹ پھوٹ کا شکار خانگی زندگی بچے کی شخصیت پر گہرا اثر ڈالتی ہے اور نتیجتاً اس کا اثر معاشرے پر پڑتا ہے۔

ویسے تو حصولِ علم ہر مرد وزن کا حق ہے؛ لیکن مردوں کی نسبت خواتین کے لیے تعلیم کا حصول بہت ضروری ہے کیونکہ انہوں نے آخر آنے والی نسل کی اچھی تعلیم و تربیت جو کرنی ہوتی ہے۔ آئندہ آنے والی نسل کی اچھی تعلیم و تربیت ایک پڑھی لکھی ماں ہی بہتر طور پر سرانجام دے سکتی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ نیک اور صالح مائیں ایک قیمتی سرمایہ ہوتی ہیں جو اپنے عمل و کردار سے اپنے گھرانوں میں ایسا انقلاب برپا کر دیتی ہیں جو صدیوں تک آئندہ نسلوں

میں منتقل ہوتا رہتا ہے اور قوموں کی تعمیر میں خاص اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

خواتین ملت اسلامیہ! آپ نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا نام سنا ہوگا، جنھوں نے اپنا خون دے کر شجر اسلام کی آبیاری کی ہے۔ اسلام کی آپ وہ پہلی خاتون ہیں جنھیں ہر طرح کے ظلم وستم کا نشانہ بننا پڑا اور بالآخر اُن کا خون اللہ کی راہ میں بہا دیا گیا۔

اور یہ دیکھیں حضرت ربیعہ بن عبد الرحمٰن کی عظیم ماں ہیں جنھوں نے شوہر کے نہ ہونے کے باوجود اپنے بیٹے ربیعہ کی ایسی بے مثال تربیت کی اور انھیں علم وحکمت کے زیور سے اس طرح آراستہ کیا کہ تاریخ اسلام میں ان کی مثال نہیں ملتی۔

اَمر واقعہ یہ ہے کہ اہل مدینہ کے بیان کے مطابق بنو امیہ کے زمانے میں حضرت ربیعہ [1] کے والد ابوعبد الرحمٰن فروخ، خراسان کی کسی جنگ میں لڑنے چلے گئے، اور ربیعہ اس وقت رحم مادر میں تھے۔ جاتے جاتے فروخ اپنی بیوی کو تیس ہزار دینار بھی دیتے گئے کہ نہ معلوم کب تک واپسی ہوگی۔ پھر کوئی ستائیس سال کے بعد مدینہ لوٹ کر آئے۔ مجاہدانہ شان کے ساتھ گھوڑے پر سوار تھے اور آپ کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا۔ گھوڑے سے اُترے اور نیزے سے اپنے گھر کے دروازے کو دھکا دیا۔ آواز سن کر ربیعہ باہر نکلے اور کہا: اللہ کے بندے! کیا میرا گھر ڈھانے آئے ہو؟۔ فروخ نے کہا نہیں، مگر یہ بتاؤ کہ تم جوان آدمی میرے گھر میں کیا کر رہے ہو؟۔

اس بات کو لے کر دونوں آپس میں جھگڑ پڑے اور ایک دوسرے کو سخت وسست کہنا شروع کر دیا، ان کا شور شرابا سن کر پڑوسی جمع ہو گئے، حضرت مالک بن انس اور مدینہ کے دیگر بزرگ حضرات بھی آپہنچے اور ربیعہ کی طرفداری کرنے لگے۔

ربیعہ نے کہا: قسم بخدا! میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں، میں یہ قضیہ سلطان کی دہلیز تک پہنچا کر رہوں گا۔ اور فروخ نے کہا: اللہ کی عزت کی قسم! میں بھی تمہیں نہیں چھوڑوں گا

اور سلطان کے پاس تمہارا فیصلہ کرواہی کے دم لوں گا کہ تم اِس بھری جوانی میں میری بیوی کے پاس کیا کر رہے تھے!۔

جب اُن کا مسئلہ سنگین صورت اِختیار کرتا چلا گیا تو حضرت مالک نے فرمایا: اے فروخ! کیا ضروری ہے کہ آپ اسی گھر میں رہیں مدینہ میں اور بھی بہت سے مکانات ہیں کہیں جا کر آپ پناہ گزیں ہو جائیں۔ یہ سن کر فروخ نے کہا: آپ کیا باتیں کر رہے ہیں یہ میرا اپنا گھر ہے، اور میں بنی فلاں کا غلام فروخ ہوں۔ جب ان کی بیوی نے ان کی آواز سنی فوراً باہر آئی اور کہنے لگی: یہ میرے شوہر فروخ ہیں۔ اور یہ ربیعہ ان کا بیٹا ہے، جہاد میں جاتے وقت اسے میرے شکم میں امانت چھوڑ گئے تھے۔ یہ سن کر دونوں بغل گیر ہو گئے اور دیر تک روتے رہے۔ پھر جب فروخ گھر میں داخل ہوئے تو بیوی سے پوچھا کہ یہی میرا بیٹا ہے؟، کہا: ہاں۔ پوچھا: وہ مال کہاں ہے جو جاتے وقت میں تیرے حوالے کر گیا تھا، اور یہ دیکھو چار ہزار دینار میرے پاس اور ہیں۔ بیوی نے کہا: وہ مال تو میں نے دفن کر دیا ہے، کچھ دنوں بعد نکال کر آپ کے حوالے کر دوں گی۔

حضرت ربیعہ مسجد میں چلے گئے اور اپنی درسگاہ مسجد نبوی میں آراستہ کر دی۔ حضرت مالک بن انس، حسن بن زید، ابن علی لہبی، مساحقی اور مدینہ کی سربرآوردہ ہستیاں ان کے حلقہ درس میں آ کر بیٹھ گئیں، جب سامعین کا ایک جم غفیر ہو گیا تو ربیعہ کی ماں نے فروخ سے کہا کہ جائیں اور جا کر مسجد نبوی میں نماز پڑھ آئیں۔ چنانچہ فروخ آئے، اور اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا کہ لوگوں کا ایک امنڈتا ہوا سیلاب مسجد میں موجود ہے، آپ قریب ہوئے اور اس حلقہ درس کا حصہ بن گئے، مگر چوں کہ لوگوں کی اتنی کثرت تھی کہ ربیعہ کو پہچان نہ سکے۔ انھوں نے پوچھا: یہ درس دینے والے عالم کون ہیں؟۔

لوگوں نے کہا: آپ انھیں نہیں جانتے، حیرت ہے، یہ ربیعہ بن ابوعبدالرحمٰن ہیں۔ کہا: کیا کہتے ہو، یہ میرا اَپنا بیٹا ہے، اللہ نے اسے اتنی عزت و رفعت بخشی ہے۔ خوشی میں

جلدی سے گھر آئے اور ربیعہ کی ماں سے کہا: تمہارے بیٹے کو میں نے علم وفقہ کی اس منزل پر فائز پایا جہاں کم ہی لوگ پہنچ پاتے ہیں۔ بیوی نے کہا: اب آپ بتائیں کہ آپ کیا لیں گے۔ وہ تیس ہزار دینار چاہیے، یا ایسا سعادت مند بیٹا؟ ۔فروغ نے کہا: قسم بخدا! مجھے ایسا نیک بخت بیٹا منظور ہے۔ کہا: اللہ کی عزت کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ وہ سارا مال میں نے ربیعہ کی حسن تعلیم وتربیت پر خرچ کیا اور اس میں سے ایک پائی بھی ضائع ہونے نہیں دیا ہے۔ (۲)

حضرت رمیصاء اُم سلیم سے فرماتی ہیں کہ میرا ایک لڑکا کچھ بیمار تھا، اس کی سانس بہت پھول رہی تھی، علاج معالجہ سب بیکار ثابت ہوا، پھر اس کا اس حال میں انتقال ہوگیا کہ اس کے والد گھر پر موجود نہ تھے۔ میں نے اسے گھر کے ایک گوشے میں لٹا دیا اور اوپر سے کپڑا ڈال دیا۔ کچھ دیر بعد ابوطلحہ تشریف لائے۔ میں نے اُٹھ کر ان کے لیے بہترین قسم کا کھانا تیار کیا، ان کے سامنے دسترخوان چن دیا، انھوں نے شکم سیر ہوکر کھانا تناول فرمایا۔ اسی دوران انھوں نے لڑکے کے بارے میں دریافت کیا۔ میں نے کہا: الحمد للہ اچھے حال میں ہے، اور اس کی سانس رک گئی ہے۔

حضرت ابوطلحہ نے سمجھا کہ چوں کہ اسے سانس پھولنے کا مرض تھا، تو لگتا ہے کہ اب وہ مرض جاتا رہا۔ حالاں کہ ام سلیم کی مراد اس سے کچھ اور تھی۔ حضرت ام سلیم کہتی ہیں کہ پھر میں نے اچھے کپڑے پہنے اور اپنے آپ کو خوب بنایا سنوارا، یہاں تک وہ مجھ سے ہم بستر ہوئے۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ ذرا سوچیں کہ ہمارے ہمسائے کو ایک چیز مانگنے سے ملی تھی۔ جب دینے والے نے وہ چیز اس سے واپس لے لی تو وہ شور مچانے لگا۔

حضرت ابوطلحہ نے فرمایا: ہمسائے نے اچھا نہیں کیا، اس کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔

اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اسی طرح آپ کا بیٹا ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی

طرف سے اَمانت تھا، جب تک چاہااس نے وہ امانت ہمارے پاس رکھی، پھراس نے اپنی امانت واپس لے لی۔ انھوں نے اللہ کا شکرادا کیا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ صبح کو وہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ عرض کیا تو آقا علیہ السلام (ام سلیم کی اس دانشمندی سے) بہت خوش ہوئے اور فرمایا :

اللّٰهم بارک لهما في ليلتهما. (۳)

اے اللہ! ان دونوں کی رات کے معاملے میں برکت عطا فرما۔

راوی کہتے ہیں کہ اس دعا کا یہ اَثر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں نولڑکے عطا کیے اور وہ سب کے سب قرآن کے حافظ وقاری ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ بصرہ میں کچھ عبادت گزار بیبیاں تھیں جن میں سے ایک کا نام ابراہیم الھاشمیہ تھا انہی دنوں دشمنوں نے مسلمانوں کی کسی سرحد پر حملہ کر دیا اس حملے سے دفاع کے لئے مجاہدین کی ضرورت تھی۔ اس وقت کے (ایک عالم دین بزرگ) عبدالواحد بن زید بصری رحمہ اللہ (م ۱۷۷ھ) نے لوگوں میں جذبۂ جہاد پیدا کرنے کے لئے تقریر کے دوران حورعین کا تذکرہ چھیڑا اور ان کے اوصاف بیان فرمائے اور ان کی شان میں چند اشعار پڑھے (جن کا مفہوم کچھ یوں ہے) :

وہ نوجوان لڑکیاں ہیں۔ نازونخرے میں پلی ہوئیں، خوبصورت چال چلنے والی۔ ان سے وہ سب کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے جس کی چاہت کی جائے۔ وہ حسن پاکیزگی سے بنی ہیں اور ہر تمنا اور ہر خواہش ان سے پوری کی جا سکتی ہے۔ وہ خوبصورت جسم والی اور کالی آنکھوں والی ہیں۔ مشک کی خوشبو ان کے رخساروں سے چھلکتی ہے۔ ان کے چہروں پر خوشی کی چمک اور نازونعمت کی دمک رقصاں رہتی ہے۔ جب نرگسی باغوں میں پیالوں کا دور چل

رہا ہوگا اور وہاں کی ہوا میں خوشبو مہک رہی ہوگی، تب وہ اپنے پیغام دینے والے (خاوندوں) کو اپنی خوبصورت آواز میں کہتی ہیں اور ان کی آواز میں ایسی محبت بھری ہوتی ہے جو خالص اور دل کو باغ باغ کرنے والی ہو: اے میرے محبوب! میں تمہارے علاوہ کسی کو نہیں چاہتی اور جب تمہاری دنیا سے جدائی ہوگی تب ہمارے ملاپ کا آغاز ہوگا، تم ان لوگوں کی طرح مت ہوجانا جو منزل کے قریب پہنچ کر سرکشی اختیار کرلیتے ہیں۔ اے محبوب! مجھے غافل لوگ پیغام نکاح نہیں دے سکتے مجھے تو وہ لوگ پیغام دیتے ہیں جو اللہ کے سامنے گڑ گڑانے والے ہوتے ہیں۔

یہ اشعار سن کر مجمع (شوقِ آخرت میں) بے قرار ہوگیا اور وہ خاتون اچانک کھڑی ہوگئیں اور کہنے لگیں: اے ابو عبیدہ (یہ شیخ عبدالواحد کی کنیت ہے) کیا تم میرے بیٹے ابراہیم کو نہیں جانتے، بصرہ کے بڑے بڑے مالدار اور رئیسوں نے اس کے لئے اپنی لڑکیوں کے پیغام بھیجے ہیں مگر میں نے کسی لڑکی کو پسند نہیں کیا لیکن آج آپ نے جس لڑکی (یعنی حور عین) کا تذکرہ کیا وہ مجھے بہت پسند آئی ہے اور میں اسے اپنی دلہن بنانا چاہتی ہوں۔ مہربانی کر کے آپ دوبارہ اس کی خوبیاں اور اس کا حسن و جمال بیان فرمائیں۔

یہ سن کر شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ نے پھر حورِعین کی خوبیاں بیان فرمائیں اور پھر یہ اشعار پڑھے (جن کا مفہوم یہ ہے):

ان کے چہرے کے نور سے اصلی نور پیدا ہوتا ہے اور ان کے خوشبودار بدن سے لگنے والی ہوا عطر کے مقابلے میں فخر کرتی ہے۔ اگر وہ پتھروں اور کنکریوں پر اپنا جوتا رکھ دیں تو بارش کے بغیر مشرق و مغرب سرسبز و شاداب

ہو جائیں۔اگر تم ان کی کمر کو گرہ لگانا چاہو تو ریحان کی سبز پتوں والی ڈالی کی
طرح تم آسانی سے گرہ لگالو گے۔اگر وہ اپنا لعاب کھاری سمندر میں ڈال
دیں تو زمین کے لوگ ان سمندروں کو (شہد سمجھ کر) مزے سے پی جائیں۔
قریب ہے کہ آنکھ کی جھپک ان کے نازک رخساروں کو زخمی کر دے اور دل
کے خیالات ان کی پیشانی پر پڑھے جائیں۔

یہ اشعار سن کر لوگوں کا شوق اور بے چینی اور زیادہ بڑھ گئی اور خاتون دوبارہ کھڑی ہوئیں اور کہنے لگیں: مجھے یہ لڑکی پسند آئی ہے، میں دس ہزار دینار مہر دے کر اسے اپنے بیٹے کی دلہن بنانا چاہتی ہوں۔اے شیخ عبدالواحد! میرے بیٹے کا اس لڑکی سے نکاح کرا دیجیے، وہ اس لڑائی میں آپ کے ساتھ نکلے گا، ممکن ہے اللہ تعالی اسے شہادت نصیب فرما دے اور قیامت کے دن میری اور اپنے والد کی شفاعت کا ذریعہ بن جائے۔

شیخ عبدالواحد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اے خاتون! اگر آپ نے اپنے بیٹے کو جہاد میں بھیج دیا تو وہ بھی کامیاب ہو جائے گا اور آپ اور اس کا والد بھی بڑی کامیابی پائیں گے۔

پھر اس خاتون نے اپنے بیٹے کو آواز دی۔ بیٹا ابراہیم۔

آواز سن کر مجمع میں سے ایک نوجوان تیزی سے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: میں حاضر ہوں امی جان۔

خاتون نے کہا اے بیٹے! کیا تو اس لڑکی (یعنی حورعین) کو اس شرط پر بیوی بنانے کے لئے تیار ہے کہ تو اپنی جان اللہ کے راستے میں قربان کرے گا اور گناہوں میں واپس نہیں لوٹے گا؟۔

جوان کہنے لگا: امی جان! خدا کی قسم! میں بخوشی اس شادی پر راضی ہوں۔

یہ سن کر وہ خاتون کہنے لگیں: اے میرے پروردگار! تو گواہ رہنا کہ میں نے اپنے

بیٹے کی شادی اس لڑکی سے اس شرط پر کردی ہے کہ میرا بیٹا اپنی جان تیری راہ میں قربان کرے گا اور گناہوں کی طرف کبھی نہیں لوٹے گا۔ اے ارحم الراحمین! میری طرف سے اسے قبول فرمالے۔

اس کے بعد وہ خاتون گھر گئیں اور دس ہزار دینار لاکر شیخ عبدالواحد کو دیے اور فرمانے لگیں: یہ اس لڑکی کا مہر ہے۔ آپ اپنے لئے اور دوسرے مجاہدین کے لئے اس سے سامانِ جہاد خریدیں۔ پھر وہ واپس ہوگئیں اور انہوں نے اپنے بیٹے کے لئے عمدہ گھوڑا خریدا اور بہترین اسلحہ اسے دیا پھر جب شیخ عبدالواحد اس لشکر کو لے کر روانہ ہوئے تو ابراہیم بھی دوڑتا ہوا ساتھ نکلا اور کچھ قرآن مجید کے قاری اس کے اِردگرد یہ آیت پڑھتے ہوئے جارہے تھے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ o (سورۂ توبہ:۱۱۱)

بیشک اللہ نے اہلِ ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے مال، ان کے لئے جنت کے عوض خرید لئے ہیں۔

وہ خاتون بھی لشکر کو رخصت کرنے کے لئے نکلیں جب وہ واپس ہونے لگیں تو انہوں نے اپنے بیٹے کو کفن اور خوشبو دی اور فرمایا: اے پیارے بیٹے! جب دشمن سے مقابلے کے لئے نکلنا تو یہ کفن باندھ لینا اور خوشبو لگالینا اور اللہ کے راستے میں لڑتے ہوئے کوتاہی مت کرنا۔ پھر انہوں نے اسے سینے سے لگایا اور اس کی پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا: پیارے بیٹے! میری دعا ہے کہ اللہ تعالی اب ہم دونوں کو قیامت کے میدان میں ہی ملائے۔

عبدالواحد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب ہم محاذ پر پہنچ گئے اور جنگ کا اعلان ہوگیا تو کچھ لوگ آگے لڑنے کے لئے نکلے، ان میں ابراہیم سب سے آگے تھا، اس نے بہت

سارے دشمنوں کو قتل کیا مگر پھر دشمنوں نے اسے گھیر کر شہید کر دیا۔

جب ہم بصرہ کی طرف واپس آنے لگے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابراہیم کی والدہ کو اس کے بیٹے کی شہادت کی خبر نہ کرنا کہیں ایسا نہ ہو وہ غم میں اپنا اجر ضائع کر بیٹھے۔

جب ہم بصرہ پہنچ گئے تو لوگ آکر ہم سے ملنے لگے۔ان لوگوں میں ابراہیم کی والدہ بھی تھیں۔انہوں نے جیسے ہی مجھے دیکھا فرمانے لگیں: اے ابوعبیدہ! اگر اللہ تعالیٰ نے میرا ہدیہ قبول کرلیا ہے تو میں خوشی مناؤں۔اور اگر واپس لوٹا دیا ہے تو میری تعزیت کی جائے۔

میں نے کہا: بخدا اللہ تعالی نے تمہارا ہدیہ قبول کرلیا ہے اور تمہارا بیٹا حقیقی زندگی پا کر شہدا کے ساتھ کھا پی رہا ہے۔

یہ سنتے ہی وہ شکر ادا کرتی ہوئی سجدے میں گر گئیں اور کہنے لگیں۔اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے مایوس نہیں کیا اور میری قربانی کو قبول فرمایا۔اس کے بعد وہ واپس چلی گئیں۔

اگلے دن وہ پھر مسجد میں آ گئیں اور سلام کر کے کہنے لگیں۔مبارک ہو اے ابوعبیدہ! رات خواب میں میں نے اپنے بیٹے کو ایک خوبصورت باغ میں ایک سبز محل میں دیکھا، وہ موتیوں کی مسہری پر تاج پہنے بیٹھا مجھے کہہ رہا تھا: مبارک ہو امی جان! آپ کا دیا ہوا مہر قبول کرلیا گیا اور دلہن کی رخصتی ہوگئی۔

یہ سچا واقعہ ماضی کی ایک مسلمان ماں کا ہے اور یہ واقعہ پکار پکار کر ہمیں بتا رہا ہے کہ اگر کل ایسی مائیں پیدا ہوسکتی تھیں تو آج بھی امت مسلمہ بانجھ نہیں ہوگئیں بلکہ آج بھی ایسی مائیں پیدا ہوسکتی ہیں بلکہ موجود ہیں جو ابراہیم کی والدہ کی طرح اپنے بیٹوں کا نکاح حورعین سے کرانا چاہتی ہیں اور اپنے لئے اللہ کی محبت اور جنت کے باغات کی طلب گار ہیں۔اگر کل کی اس ماں کی گود میں ابراہیم جیسا ایک بیٹا تھا تو آج کی ماں کی گود بھی خالی نہیں ہے۔

آج کی مائیں بھی کئی کئی جوان بیٹے پال رہی ہیں۔

کل کی وہ ماں اگر دس ہزار سونے کے دینار دے کر اپنے بیٹے کو عزت وعظمت کی راہوں پر چلا رہی تھی تو آج کی ماں کے پاس بھی سونے کی کمی نہیں ہے؛ البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ آج کی ماں کو دین کی حقیقت سمجھائی جائے۔ آج کی ماں کو بھی آخرت کی فکر دلائی جائے۔ آج کی ماں میں بھی غیرتِ ایمانی کو بیدار کیا جائے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی ماں کے حوالے سے آتا ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ فرمایا: بیٹا فرید! جب تو پیدا ہوا تو میں نے تجھے دوسال دودھ پلایا۔ آپ نے عرض کیا: اماں جان! جب سے میں نے ہوش سنبھالا، اللہ کا شکر ہے کبھی میری تہجد قضا نہیں ہوئی ۔والدہ نے فرمایا: بیٹا فرید! اس میں تیرا کمال نہیں، میرے دودھ کا کمال ہے۔ خدا کی عزت کی قسم! میں نے جتنی مدت تجھے دودھ پلایا کبھی بے وضو دودھ نہیں پلایا۔

علامہ اِقبال کی عظیم ماں

شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی والدہ محترمہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب علامہ اقبال کی پیدائش ہوئی تو ان کی نیک سیرت ماں نے ایک بکری منگوا کر گھر میں رکھ لی۔ ان کے شوہر کے لیے یہ امر نہایت تعجب انگیز تھا؛ اس لیے انہوں نے ان سے پوچھا کہ بکری منگوانے کا کیا مقصد ہے؟۔ اس پر اُم اقبال نے جو جواب دیا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

بولیں: آپ کی آمدنی مجھے مشکوک نظر آتی ہے، اس لیے میں اپنے دودھ سے اپنے بچے کی پرورش نہیں کروں گی، بلکہ اسے بکری کا دودھ پلایا کروں گی۔ میں نہیں چاہتی کہ میرے بیٹے کے جسم میں ذرا سی بھی حرام غذا شامل ہو۔

یہ جواب سن کران کے شوہر نے وہ پیشہ فوراً ترک کردیا۔

محترم خواتین اسلام! دراصل یہ بھی سمجھانے کا ایک انداز تھا۔ جہاں تک ان کے شوہر کے پیشے کا تعلق ہے تو وہ صریحاً حرام اور ناجائز نہ تھا بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ مشکوک پیشہ تھا لیکن نیک نہاد بیوی نے یہ بھی گوارا نہیں کیا۔ اب ذرا اس واقعہ کے بعد کے نتائج پر بھی نظر ڈالیے کہ صالح بیوی کی نیک نیتی، خلوص اور حکمت تبلیغ سے شوہر نے فی الفور وہ پیشہ ہی چھوڑ دیا جس پر محض شک کیا گیا تھا۔ پھر صالح ماں کے صالح دودھ سے پرورش پاکر وہ بچہ بڑا ہوکر عالم اسلام کی ایک بڑی شخصیت بن گیا، جسے دنیا آج علامہ اقبال کے نام سے جانتی ہے۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ پڑھی لکھی مائیں اپنے بچوں کی صحت وتعلیم اور تربیت کا زیادہ بہتر طور پر خیال رکھتی ہیں۔ جس کی وجہ سے اس کے بچے زیادہ توانا اور تعلیم کے میدان میں جلدی ترقی کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس ان پڑھ یا کم پڑھی لکھی خواتین اپنے بچوں کا ویسے خیال نہیں رکھ پاتی ہیں۔ جس طرح سے اس کو دیکھ بھال کرنی چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے بچے بھی زیادہ بیماریوں کا شکار رہتے ہیں کیونکہ وہ حفظان صحت کے اصولوں کے مطابق اپنے بچوں کی پرورش نہیں کر پاتی ہیں۔ جبکہ پڑھی لکھی مائیں بچے کی شروع دن سے ہی بہترین خیال رکھتی ہیں اور خوراک مناسب ہونے دینے کی وجہ سے وہ صحت مندر ہتے ہیں۔

نپولین بوناپارٹ کا مشہور مقولہ تو آپ نے ضرور سن رکھا ہوگا کہ تم مجھے اچھی مائیں دو میں تمہیں بہترین قوم دوں گا۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بہترین قوم اس وقت بنتی ہے جب مائیں پڑھی لکھی اور باشعور وسمجھ دار ہوتی ہیں۔

آج جب ہر طرف میڈیا اپنے اثرات لوگوں پر مرتب کر رہا ہے انٹرنیٹ، کیبل

اور ویڈیو گیمز بھی بچوں کے اخلاق کو بگاڑنے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں ایسے میں ایک پڑھی لکھی اور باشعور ماں ہی اپنے بچوں کو میڈیا کے ان اثرات سے محفوظ رکھ سکتی ہے اور وقت کے تقاضوں کے مطابق اپنے بچوں کی تربیت درست طور پر کر سکتی ہے۔ کیونکہ تعلیم یافتہ و باشعور ہونے کی وجہ سے وہ اچھے برے کی تمیز بہتر طور پر کر سکتی ہے جو کہ اس کے بچوں کو ایک اچھا انسان اور مفید شہری بنانے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

آج بھی ہمیں ایسی ہی صالح فطرت اور دین شناس ماں کی ضرورت ہے۔ اسی صورت میں معاشرتی اصلاح فروغ پذیر ہوگی، معاشرہ دین کی ڈگر پر چلے گا، کرۂ ارض پر اقامت دین کی تحریکیں پھلے پھولیں گی اور دنیا صالح اور پرسکون پیغام سے آشنا ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر کرم فرمائے اور اپنی رضا کے کام کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین یارب العالمین۔

و ما علینا الا البلاغ المبین

---

(۱) حضرت ربیعہ بن ابی عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ (م ۱۳۶ھ) کا شمار اپنے دور کے اکابر فقہا میں ہوتا تھا، مسجد نبوی میں ان کی خصوصی درسگاہ لگتی اور تابعین کا جم غفیر آپ کو سماعت کیا کرتا تھا۔ آپ نے کافی لمبی عمر پائی؛ مگر آپ کی پوری زندگی عبادت وریاضت سے عبارت رہی، رات کا قیام اور شب بیداری آپ کے معمولات میں خصوصیت اہمیت کے حامل تھے۔

حضرت مالک بن انس فرماتے ہیں کہ جب سے ربیعہ کا جنازہ اُٹھا ہے ایسا لگتا ہے علم فقہ کا مزا جاتا رہا۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے بھی ان کے خوانِ علم وفقہ سے کچھ لقمے چنے ہیں۔

(۲) صفۃ الصفوۃ: ۱/۲۰۹۔

(۳) مسند احمد بن حنبل: ۳/۲۸۷ حدیث: ۱۴۰۹۷...... معجم کبیر طبرانی: ۱۸/۲۹۴ حدیث: ۲۰۷۹۶...... دلائل النبوۃ بیہقی: ۶/۴۰۸ حدیث: ۲۴۵۷...... حلیۃ الاولیاء: ۲/۵۹...... الجمع بین الصحیحین البخاری ومسلم: ۲/۳۸۲...... مسند جامع: ۲/۲۹۶ حدیث: ۵۷۶...... احیاء علوم الدین: ۵/۴۰۶۔

ماں اوراس کی ذمہ داریاں

الْحَمْدُ لِلّٰہِ الْعَزِیْزِ الوَھَّابِ، الَّذِیْ خَلَقَ الأَسْبَابَ، وَ قَدَّرَ الْمَقَادِیْرَ، فَمَا شَاءَ اللّٰہُ کَانَ، وَ مَا لَمْ یَشَأ لَمْ یَکُنْ،لاَ إِلٰہَ إِلَّا ھُوَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ، أَحْمَدُ رَبِّی وَ أَشْکُرُہُ، وَ أَتُوبُ إِلَیْہِ وَأَسْتَغْفِرُہُ، وَ أَشْھَدُ أن لَّا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہُ لاَ شَرِیْکَ لَہُ شَھَادَۃً مُبَرَّأَۃً مِنَ النِّفَاقِ وَ الارْتِیَابِ ، وَ أَشْھَدُ أَنَّ نَبِیَّنَا سَیِّدَنَا مُحَمَّداً عَبْدُہُ وَ رَسُولُہ المُنْعَم عَلَیْہِ بِأَفْضَلِ کِتَاب، صَلَّی اللّٰہُ وَ سَلَّمَ وَ بَارَکَ عَلَی عَبْدِکَ وَ رَسُولِکَ مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ الأَصْحَابِ. أما بعد !

قال النبي صلی اللہ علیہ وسلم : کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ . -رواہ البخاري-

محترم المقام خواتین اسلام! شخصیت کی تعمیر وترقی کا انحصار صحیح تعلیم وتربیت پر ہے۔ صحیح تعلیم وتربیت ایسا عنصر ہے جو شخصیت کے بناؤ اور تعمیر میں اہم رول ادا کرتا ہے۔ یہ کام بچپن ہی سے ہو تو زیادہ موثر اور دیرپا ہوتا ہے۔ بچوں کی تعلیم وتربیت اور شخصیت کی تعمیر میں صحیح رول ماں ہی اَدا کرسکتی ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ ماں کی گود بچے کا پہلا مدرسہ ہوتا ہے۔ بچوں کی تعمیر وترقی کا سرچشمہ ماں کی گود ہی ہے، یہیں سے ان کی تعلیم وتربیت کا آغاز ہوتا ہے۔ اس پہلی درسگاہ میں جو کچھ وہ سیکھتے ہیں اس کی حیثیت پتھر کی لکیر سی ہوتی ہے۔ یہ علم ایسا مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے جو زندگی بھر تازہ رہتا ہے۔ کسی مفکر کا قول ہے :

”ابتدائی زندگی کے نقوش خواہ مسرت کے ہوں یا ملال کے ہمیشہ گہرے ہوتے ہیں، اور یہی ابتدائی نقوش مسلسل ترقی کرتے رہتے ہیں“

لہٰذا اگر ماں ابتدا سے اپنے بچوں کوکلمہ توحید کی لوری دے تو یقیناً وہی کلمہ اُن کے دل ودماغ میں اُتر جائے گا اور مستقبل میں تناور درخت کی شکل اختیار کرے گا، اس کے برخلاف اگر مائیں بچپن ہی سے اپنے بچوں کو غیر اسلامی باتیں سکھائیں یا بچوں کا اٹھنا بیٹھنا غلط قسم کے لوگوں کے ساتھ ہو جائے تو وہی باتیں ان کے دل ودماغ پر مرتسم ہوں گی، اور بچے ان ہی لوگوں کا اثر قبول کریں گے پھر ایسے بچوں سے مستقبل میں خیر کی امید نہیں کی جاسکتی۔ اسی لیے شیخ سعدی علیہ الرحمہ کو کہنا پڑا۔

خشت اول چوں نہد معمار کج ☆ تا ثریا می رود دیوار کج

یعنی معمار جب پہلی اینٹ (بنیاد) کی ٹیڑھی رکھتا ہے تو اخیر تک دیوار ٹیڑھی ہی رہتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچوں کی حفاظت اور تربیت کا ذمہ دار ماں کو ٹھہراتے ہوئے فرمایا: عورت اپنے شوہر کے گھر اور اولاد کی نگران کار ہے۔(بخاری) عورتیں اس ذمہ داری سے اسی وقت بخوبی عہدہ برآ ہوسکتی ہیں جبکہ وہ خود اسلامی تعلیمات کی پابند اور اسلام کے سانچے میں ڈھلی ہوں؛ اس لیے کہ نیک اور صالح خاتون ہی راہ حق کے فدائیوں اور شیدائیوں کو تیار کرسکتی ہے۔ نپولین بوناپارٹ نے کہا تھا: ''تم مجھے اچھی مائیں دو، میں تمہیں اچھی قوم دوں گا''۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

الام مدرسة اذا اعددتها ☆ اعددت شعبا طیب الاعراق

یعنی ماں ایک مدرسہ ہے اگر آپ اسے تیار کرتے ہیں تو گویا آپ ایک اچھی نسل تیار کرتے ہیں۔

تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ بہترین ماں نے ہی حقیقت میں قوم وملت کو ایسے سپوت عطا کیے جنہوں نے تاریخ کو عظمت بخشی۔

حضرت حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما جنہوں نے ایک نئی تاریخ بنائی ان کی

شخصیت سازی میں بھی ان کی ماں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے بچوں کو رضائے الٰہی کی بنیاد پر ہر کام کرنے کی تاکید کیا کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بچپن میں دونوں بھائی کسی بات پر لڑ پڑے، جب معاملہ ماں کے سامنے پیش ہوا تو ماں نے دونوں کی باتیں سننے کے بعد ایک کو بے قصور اور دوسرے کو قصوروار قرار دینے کی بجائے جو بات کہی وہ یقیناً شخصیت سازی کے باب میں آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ انہوں نے کہا: میں یہ نہیں جاننا چاہتی کہ کس نے کس پر ظلم کیا ہے، میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ جھگڑا کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ تم دونوں نے آپس میں لڑ جھگڑ کر اللہ تعالی کو ناراض کر دیا ہے، دونوں میری نظروں سے دور ہو جاؤ جن سے اللہ ناراض ان سے میں بھی ناراض۔

یہ سن کر دونوں بھائیوں کو اپنی غلطی کا اِحساس ہو گیا، دونوں نے آپس میں صلح کر لی، اور ماں سے معافی مانگتے ہوے درخواست کی کہ اللہ تعالی سے ان کے حق میں دعائے مغفرت کی جائے۔

ماں کی اسی تربیت کے نتیجہ میں حضرت حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایسی شخصیت بنی کہ وہ تاریخ کے صفحات کا روشن باب بن گئے۔

آج کی ماں پر ضروری ہے کہ سب سے پہلے اپنی اصلاح کریں، جو خاتون نیک ہو، اس کے اندر اللہ کی فرماں برداری، شکر واحسان، زہد وقناعت، اپنے شوہر کی اطاعت اور اولاد کی بہترین تربیت کا جذبہ ہو وہ کامیاب خاتون ہے اور یقیناً اپنے شوہر کے لیے بہترین دولت ثابت ہو گی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

الدنیا کلها متاع و خیر متاع الدنیا المراة الصالحة .

یعنی دنیا پوری کی پوری پونجی ہے اور بہترین پونجی نیک بیوی ہے۔

آج امت کی نئی نسل کا مستقبل خواتین اسلام کے ہاتھوں میں ہے، ماؤں کو چاہیے

کہ وہ اپنی اولاد کو صحابۂ کرام، تابعین عظام اور اسلامی شخصیتوں کے عبرت آموز واقعات سنائیں، ان میں ان کے نقش قدم پر چلنے کا شوق پیدا کریں، تاکہ ان کے اندر دینی جذبہ پیدا ہو، ان میں اعلائے کلمۃ اللہ کی تڑپ ابھرے اور نئی نسل اسلامی تعلیمات کا جیتا جاگتا نمونہ بن سکے۔

یہ ایک سچائی ہے کہ دنیا کی سبھی قوموں کا قیمتی سرمایہ بچے ہوا کرتے ہیں اگر اِس وقت وہ گود کا کھلونا ہیں تو آگے چل کر وہی مستقبل کے معمار بنیں گے۔ ماں کی گود بچے کی پہلی درسگاہ ہوتی ہے۔اسی عظیم درسگاہ سے وہ اخلاق حسنہ، اطاعت وفرمانبرداری اور دنیا میں زندگی گزارنے کے سلیقے، ڈھنگ اور طور طریقے لے کر معاشرے کا حصہ بنتا ہے؛ اس لیے ماں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت اس طرز پر کرے کہ بچوں کے رگ و ریشے میں دین کی روح پھونک دے؛ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ماں پہلے از خود صفاتِ کاملہ سے آراستہ ہو کیوں کہ بچہ جیسے ماں کو دیکھے گا ویسا ہی بننے کی کوشش کرے گا۔ ماں تو کہتے ہی اسے ہیں جس میں ہمدردی، خیر خواہی، ایثار و محبت، نصیحت وہدایت اور تحمل و برداشت کوٹ کوٹ کر بھرا ہو۔

آپ دیکھیں نا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماں کو کتنی عزت دی ہے کہ اس کے قدموں تلے جنت رکھ دی، اور ایسا اس لیے ہوا کہ اولاد کے لیے اس کی قربانیاں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ماں اپنے اندر باپ سے کئی گنا زیادہ دلسوزی، دردمندی اور خیر خواہی کے جذبات رکھتی ہے اور تلخ کلامی اور سخت بیانی سے کوسوں دور رہتی ہے۔

بچوں کے تربیت و اصلاح جان جوکھوں کا کام ہے بلکہ شاید دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ایک ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لیے بسا اوقات سالہا سال کی محنت درکار ہوتی ہے۔ ماؤں کو باپوں کے مقابلے میں اولاد کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے

کا موقع میسر آتا ہے۔ باپ عام طور پر طلب رزق اور دیگر معاملات کی انجام دہی کی خاطر گھر سے باہر رہتے ہیں اور عورتوں کا تو اصل ٹھکانہ ہی گھر کی چہار دیواری ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے دلچسپی کی صورت میں خواتین کو مردوں کے مقابلے میں اولاد کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے بہت زیادہ مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ اولاد کا باپ کے مقابلے میں ماں سے تعلق عام طور پر زیادہ گہرا اور شدید ہوتا ہے۔ اس بات کے شواہد میں سے ایک یہ ہے کہ بچے اپنے دل کی باتیں باپوں کی بہ نسبت ماؤں سے زیادہ کرتے ہیں۔

کتنے ہی ایسے بیٹے ہیں کہ ان کے باپ انھیں کسی بات کے سمجھانے اور منوانے کی خاطر بہت زیادہ وقت اور محنت صرف کرتے ہیں لیکن ساری سعی و کوشش بے اثر ثابت ہوتی ہے۔ لیکن جب اسی بارے میں مائیں مداخلت کرتی ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے شیریں اور نرم و نازک چند کلمات میں ایسی تاثیر ڈال دیتا ہے کہ افکار میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے، خواہشات یکسر تبدیل ہو جاتی ہیں، عزائم کا رخ مکمل طور پر پلٹ جاتا ہے، منصوبوں کی سمت بدل جاتی ہے بلکہ زندگی کا نقشہ ہی یکسر مختلف ہو جاتا ہے۔

بسا اوقات پیاری ماؤں کی آنکھوں سے ٹپکنے والے چند آنسو بتوفیق الٰہی ایسے نتائج پیدا کرتے ہیں جو کہ بیسیوں تقریریں اور دروس پیدا نہیں کر پاتے۔ ماں کی آنکھوں سے بہنے والے چند قطرے بسا اوقات بیٹوں بیٹیوں سے وہ بات بآسانی منوا لیتے ہیں جن کے منوانے سے قوت و طاقت والے عاجز رہتے ہیں۔

باپ کی مخالفت کے باوجود ماں کے کہنے پر ننھے انس رضی اللہ عنہ کا کلمہ توحید پڑھنا ماں کی شدت تاثیر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیندار عورت سے نکاح کرنے کا جو حکم اِرشاد فرمایا ہے شاید اس کی ایک حکمت یہ بھی ہو کہ وہ بذات خود اگر نیک ہوگی تو اولاد بہتر طریقے تربیت کر سکے گی؛ لہٰذا اسی اہمیت اور

افادیت کے پیشِ نظر مثالی ماں کے عنوان سے چند بنیادی اُصول وقوانین آپ کے گوش گزار کر رہی ہوں؛ تاکہ جہاں آپ عظیم ماں بنیں وہیں آپ کے بچے بھی قوم کے لیے عظیم سرمایہ بن سکیں۔

بچوں کو سلام کرنے کی عادت ڈالنا

ماں کو چاہیے کہ اپنے بچوں کو سلام کرنے کا ڈھنگ سکھلائے کہ جب بچہ کسی سے ملاقات کرے یا کسی کا فون آئے تو بجائے ہیلو کے سب سے پہلے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے۔اس حوالے سے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا :

وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوهَا o (سورۂ نساء:۸۶/۴)

اور جب (کسی لفظ) سلام کے ذریعے تمہاری تکریم کی جائے تو تم (جواب میں) اس سے بہتر (لفظ کے ساتھ) سلام پیش کیا کرو یا (کم از کم) وہی (الفاظ جواب میں) لوٹا دیا کرو۔

اس آیت میں اللہ رب العزت نے سلام اور اس کے جواب کے آداب بتلائے ہیں؛ لہٰذا مسلمان مائیں اپنی اولاد کی اس طرح تربیت کریں کہ وہ اس کلمہ کو رسمی طور پر عام لوگوں کی طرح اَدا نہ کریں بلکہ اس کی حقیقت کو سمجھ کر اختیار کریں اور سلام کو پھیلانا اپنی عادت بنالیں۔کیونکہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :

لاَ تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُومِنُوا وَ لاَ تُومِنُوا حَتّٰى تَحَابُوا، اَوَلاَ اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ؟ اَفْشُوا السَّلاَمَ بَيْنَكُمْ .
–رواه مسلم–(۱)

یعنی تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوسکتے جب تک مومن نہ ہو اور تمہارا اِیمان (اس وقت تک) مکمل نہیں ہوسکتا جب تک آپس میں ایک

دوسرے سے محبت نہ کرو۔ میں تم کو ایسی چیز بتاتا ہوں کہ اگر تم اس پر عمل کرلو تو تمہاری آپس میں محبت قائم ہوجائے گی۔ وہ یہ ہے کہ آپس میں سلام کو عام کرو۔یعنی کثرت سے ایک دوسرے کوسلام کیا کرو۔

اس کے علاوہ بچوں کو اُڑھنے بیٹھنے چلنے پھرنے اور بولنے بات کرنے کے طور طریقے بتائے۔موقع ومحل کی مناسبت سے ان شاء اللہ، ماشاء اللہ،سبحان اللہ، الحمدللہ، استغفراللہ،نعوذباللہ، لاحول ولاقوۃ الا باللہ وغیرہ کے کلمات اس طرح انھیں اَزبر کرادے کہ وہ بے تکلف ان کلمات کو برمحل اَدا کرنے پر قادر ہوجائیں۔

بے جالاڈ پیار بچے کے لیے نقصان دہ

ہر اولاد اپنی ماں کو بے پناہ پیاری ہوتی ہے۔لیکن اس لاڈ وپیار کی ایک حد ہونی چاہیے؛ کوئی بھی چیز جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو وہ نقصان دہ بن جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ بعض دفعہ بچوں کے ساتھ بہت زیادہ پیار ومحبت مستقبل میں انھیں برا انسان بنا دیتا ہے۔اس لیے ایک ماں کا موقع شناس ہونا بھی از حد ضروری ہے۔

مثلاً اگر بچہ کھانا زیادہ کھا رہا ہے تو اسے روکا جائے اور بتایا جائے کہ زیادہ کھانا جانور کھاتے ہیں،انسان تھوڑا کھاتا ہے تاکہ اس کے اندر پھرتی قائم رہے۔

یوں ہی اگر وہ کھانا ضائع کررہا ہے تو اس کو سمجھانا چاہیے کہ بیٹے !اس طرح اللہ پاک کی ناشکری ہوگی اور اگر اللہ پاک ہم سے ناراض ہوگیا تو پھر جتنی چیزیں اس نے ہمیں دی ہیں وہ واپس لے لے گا؛ لہٰذا ایسی حرکت آئندہ کبھی نہ کرنا۔

اگر بچے کی بے جا شرارتوں اور غلط حرکات کو بروقت حکمت ومصلحت کے ساتھ سدھارا نہیں گیا تو پھر آگے چل کر بچے کے اَخلاق وکردار میں بگاڑ آجانا فطری بات ہے۔

بچوں کی ضد

ضد اور ہٹ دھرمی کی عادت بہت بری ہے۔ ماں باپ اگر بچوں کی خیر خواہی اور بھلائی چاہتے ہوں تو اُن کی یہ ذمہ داری ہے کہ بچے میں ضد کی خصلت پیدا ہوتے ہی اس کو دَبا دیں اگر ایسا نہ کریں گے تو بچہ بھی ہاتھ سے جائے گا اور خود بھی مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ مثلاً اگر بچہ نقصان دہ چیز مانگنے کی ضد کر رہا ہے تو اس کا نقصان اس کو اچھی طرح سمجھائیں اور پھر اسے کسی دوسرے کام میں مشغول کر دیں۔ اگر دو چار مرتبہ اس کی بے جا ضد پوری نہ کی گئی تو وہ سمجھ جائے گا کہ رونے دھونے اور ضد کرنے سے کچھ نہیں ہوگا اور پھر وہ اپنی عادت سے اِن شاءاللہ باز آ جائے گا۔

بچوں کی نفسیات کا مطالعہ

ایک ذمہ دار ماں کا یہ بھی اَخلاقی فرض ہے کہ بچے کی حرکات وسکنات اور اس کی سرگرمیوں پر نظر رکھے۔ اس طرح ماں کو معلوم ہوگا کہ بچے کا قد اور وزن پچھلے ماہ کے مقابلے میں کتنا بڑھا ہے۔ اسکول کے مختلف مضامین میں اس کی ترقی کیا ہے۔ وہ کون سا کھیل پسند کرتا ہے؟ دوستوں کے ساتھ اس کے مراسم کیسے ہیں؟ اس کا پسندیدہ مضمون کون سا ہے؟ فارغ وقت میں کیا کرتا ہے؟ بہترین تربیت کے حوالے سے بچے کی عمر کے لحاظ سے والدین کو باہم غور وفکر اور مشاورت بھی کرتے رہنا چاہیے۔

بچوں کی خود مختاری

ہر بچے کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ لوگوں میں اس کی حیثیت ممتاز ہو اور وہ اپنے گھر میں نمایاں مقام رکھتا ہو۔ اس تقاضا کے تحت وہ مشکل سے مشکل کام بھی سرانجام دے لیتا

ہے۔ بچے کا شعور جیسے جیسے پختہ ہوتا جاتا ہے اس میں عزت نفس اور خودداری کا احساس تقویت پاتا ہے۔

قدرت نے تمام انسانوں کو اشرف المخلوقات بنایا ہے؛ اس لیے ہر بچہ اپنی انفرادیت کا خواہاں ہوتا ہے۔ بچے کی خودمختاری اور اس کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے متوازن اور مناسب رویہ اختیار کریں نہ بہت زیادہ آزادی دیں کہ بچہ شرم وحیا اور اپنی ذمہ داری کا احساس نہ کرے اور نہ ہی اتنا باندھ کر رکھیں کہ وہ دیواریں پھلانگنے پر مجبور ہو جائے اور اس کی فطری صلاحیتیں بھی دب کر رہ جائیں۔

بچوں کی دیکھ بھال اور تربیت ودعا

عقل منداور تجربہ کار عورتیں اپنی اولاد کی تربیت پر گہری نظر رکھتی ہیں، ان کو عظیم انسان بنانے کی کوشش کرتی ہیں، سلیقہ وخوبی اور پیار ومحبت سے ان کی تربیت کرتی ہیں۔ آمدنی تھوڑی ہونے کے باوجود حسن انتظام سے گھر چلاتی ہیں۔

بچوں کی تربیت کا مرحلہ اتنا اَہم ہے کہ اس کی ابتدا ماں کے پیٹ سے شروع ہوجاتی ہے جس قسم کے خیالات ونظریات اور رجحانات ماں کے ہوں گے وہی خیالات لے کر بچہ دنیا میں آتا ہے۔ بہر حال یہ بات ضرور ہے کہ بچوں کے پیدا ہونے کے بعد ان کی اصلاح ماں کے اختیار میں ہے۔

ماں کو چاہیے کہ بچپن ہی سے بچوں کے لیے دعا مانگنے کا اہتمام کرے۔ اور بچوں کو بھی دعا مانگنے کا طریقہ سکھائے، اور بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے تعلق کو مضبوط کردے۔ نیز ماں بچوں کی صحیح تعلیم وتربیت، ان کے اچھے رشتے، ان کی روزی میں برکت اور زندگی میں صحت وعافیت کی بھی دعائیں مانگے۔

بچوں کو خوش رکھنے کی فضیلت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

ان فی الجنة دارا یقال لها دار الفرح لایدخلها الا من فرح الصبیان . (۲)

یعنی جنت میں ایک گھر ہے جسے دار الفرح (خوشیوں کا گھر) کہا جاتا ہے اس میں صرف وہ لوگ داخل ہوں گے جو اپنے بچوں کو خوش رکھتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کو خوش رکھنا اللہ کی رضا مندی کا سبب بھی ہے۔ بچوں کو خوش رکھنے کے کئی طریقے ہیں مثلاً بچوں کے ساتھ کبھی کبھار ان کے کھیل میں شریک ہونا۔ ان کی جائز ونھی خواہشات کا احترام کرنا، ان کے ساتھ اچھے اخلاق اور خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آنا، کبھی کبھار کوئی ایسا لطیفہ سنانا جس سے وہ خوش ہوکر بے اختیار ہنس پڑیں لیکن مزاح میں بھی جھوٹ کا دخل نہ ہو۔

اس کا سبق بھی ہمیں سیرت پاک سے ملتا ہے کہ آقا علیہ السلام سے ایک مرتبہ ایک بوڑھی عورت نے کہا کہ میرے لیے دعا فرما دیں کہ میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جنت میں تو بوڑھے داخل ہی نہیں ہوں گے۔ اس پر وہ رونے لگی۔ آپ مسکرا پڑے اور فرمایا: جنت میں سب مرد وعورت جوان ہوکر داخل ہوں گے۔ اگر اس طرح کا مزاح ہو جس میں نہ کسی کی دل آزاری ہو نہ جھوٹ کا دخل ہو تو بچے تہذیب کے دائرے میں رہتے ہوئے خوش اخلاقی اور خندہ روئی کو پروان چڑھا سکتے ہیں۔

یاد رکھیے کہ محض بڑے سکولوں اور مدرسوں میں داخلہ دلوا دینا یا محض اچھا نصاب پڑھا دینا ہی بچوں کی کل تعلیم نہیں ہے؛ بلکہ محبت و ہمدردی، سچائی و دیانت داری، خدمت خلق اور تہذیب واَدب سکھانے کا نام تعلیم ہے۔

بچوں کو نصیحت کرنا

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس باتوں کی وصیت فرمائی ان میں سے آخری دو یہ ہیں :

و لا ترفع عنهم عصاک ادبا و اَخِفُهُم فِی اللّٰه . (۳)

یعنی اَدب وتنبیہ کے واسطے ان پر سے لکڑی نہ ہٹانا اور اللہ رب العزت سے ان کو ڈراتے رہنا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بچوں کی نماز کی نگرانی کیا کرو اور اچھی باتوں کی ان کو عادت ڈالو۔

حضرت لقمان حکیم کا ارشاد ہے کہ باپ کی مار اولاد کے لیے ایسی ہے جیسا کہ کھیتی کے لیے پانی۔

آقا علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنی اولاد کو تنبیہ کرے یہ ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

بچوں کی تربیت کا مسنون طریقہ

کتب احادیث میں آقا علیہ السلام کا بچوں کو تربیت دینے کا ایک واقعہ لکھا ہے۔حضرت رافع ابن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں بچہ تھا تو انصار کے کھجور کے درختوں پر پتھر پھینکا کرتا تھا (ایک دن) انصار مجھے پکڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: لڑکے تو کھجوروں کے درخت پر پتھر کیوں پھینکتا ہے؟۔

میں نے عرض کیا کھجوریں کھاتا ہوں (یعنی کھجوریں کھانے کے لیے ان کے درختوں پر پتھر مارتا ہوں (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بیٹے! پتھر نہ پھینکا کر بلکہ وہاں جو کھجوریں درخت کے نیچے گری پڑی ہوں ان کو کھالیا کر۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور فرمایا! اے اللہ تو اسے سیر فرما۔آ قا علیہ السلام نے ہمیں اپنی سنت کے ذریعے بات سمجھادی اور سب سے پہلے اس کی وجہ پوچھی جائے۔

پھر نہایت شفقت کے ساتھ نصیحت فرمائی دیکھئے بچے کی کھجوریں کھانے کی خواہش بھی پوری ہوگئی اور جو لوگوں کو تکلیف تھی کہ ان کے درختوں پر پتھر پڑتے تھے جس سے اور کھجوریں بھی خراب ہوتی تھیں وہ بھی دور ہوگئی۔

بچوں کے لیے نیک صحبت کا انتخاب

آ قا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: انسان اپنے دوست کے طریقہ پر ہوتا ہے۔اس لیے تم میں سے ہر شخص یہ دیکھ لے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔ماں کو چاہیے کہ جب ان کے بچے سن شعور میں قدم رکھیں تو ان کے لیے ایسے نیک صالح اور سمجھدار ساتھیوں کا انتخاب کرے جو انہیں اسلام کی حقیقت سمجھائیں اور ایسی بنیادی باتیں سکھائیں جو ہر چیز پر محیط ہیں۔

بالغ بچوں کو شرعی مسائل کی تعلیم

ہمارے ہندوستانی معاشرے میں بچوں کو شرعی مسائل کی تعلیم کے حوالے سے اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ ماں اور باپ اپنے بچوں سے شرم وحجاب میں ان کو ضروری شرعی مسائل تک سے ناواقف رکھتے ہیں لہٰذا ہونا یوں چاہیے کہ جیسے ہی والدین محسوس کریں کہ

اولاد بالغ ہونے کے قریب ہے اوران میں دینی وشرعی مسائل سمجھنے کی صلاحیت موجود ہے تو وہ انہیں نہایت حکمت سے کچھ ضروری باتیں سمجھادیں۔

خواتین اسلام اور دخترانِ عزیز! موقع کی مناسبت سے عہد کے رسالت مآب علیہ السلام کے عظیم بچوں کے کچھ واقعات بھی سنتے چلیں اور ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ ایسے بچوں کی تربیت میں ماؤں میں کیسا رول اَدا کیا ہوگا!۔

امام بخاری وغیرہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے- جو کہ ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے- یہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے کہ جس کے پتے نہیں جھڑتے اور وہ (نفع پہنچانے میں) مسلمان کی طرح ہوتا ہے، بتلاؤ! وہ کون سا درخت ہے؟۔

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ لوگ وادی کے مختلف درختوں کے بارے میں بتلانے اور سوچنے لگے اور میرے دل میں معاً یہ خیال پیدا ہوا کہ ہو نہ ہو یہ کھجور کا درخت ہے؛ لیکن شرم کی وجہ سے میں نے اَکابر صحابہ کے سامنے لب کشائی نہ کی۔

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہی ہمیں بتلا دیں کہ وہ کون سا درخت ہے؟۔

قال: **ھی النخلة** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما خاموش ہیں؛ اس لیے میں نے بات کرنا مناسب نہ سمجھا۔ پھر جب وہاں سے رخصت ہوئے تو میں نے اپنے والد ماجد سے اپنے دل میں آنے والا خیال ظاہر کیا تو انہوں نے فرمایا، بیٹے! اگر تم یہ بات اُس وقت کہہ دیتے تو مجھے سرخ اُونٹوں کے حصول سے زیادہ خوشی حاصل ہوتی۔

امام مسلم حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ عیہ وسلم کے پاس کوئی مشروب (پینے کی چیز) لایا گیا۔ آپ نے اسے نوش فرمایا۔ اس وقت آپ کے داہنی جانب ایک نوعمر جوان (یعنی حضرت ابن عباس) بیٹھے تھے، اور بائیں جانب عمر رسیدہ حضرات بیٹھے تھے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن نوعمر صاحبزادے سے فرمایا: **أ تأذن لي أن أعطى هؤلاء؟** یعنی کیا تم مجھے اس بات کی اجازت دیتے ہو کہ میں پہلے ان حضرات کو دے دوں؟ تو اس نوجوان نے کہا: نہیں بخدا ہرگز نہیں! آپ سے حاصل ہونے والے متبرک حصہ کے بارے میں میں کسی کو ہرگز ترجیح نہیں دے سکتا۔

سبحان اللہ! آپ ذرا سوچیں کہ انھوں نے کیسی فراست و دانش مندی کی بات فرمائی۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صاحب اپنے بیٹے کی نافرمانی کی شکایت کرنے آئے۔ تو حضرت عمر نے لڑکے کو بلایا اور والد کی نافرمانی اور حقوق کے اَدا نہ کرنے پر اسے تنبیہ کی۔

لڑکے نے کہا: اے امیر المومنین! کیا لڑکے کے لیے والد کے ذمہ کچھ حقوق نہیں ہیں؟ حضرت عمر نے فرمایا: کیوں نہیں!۔

لڑکے نے پوچھا: اے امیر المومنین! وہ حقوق کیا ہیں؟۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے لیے اچھی ماں کا انتخاب کرے، اور اس کا اچھا سا نام رکھے، اور اس کو قرآن کی تعلیم دلائے۔

لڑکے نے کہا: اے امیر المومنین! میرے والد نے تو ان میں سے کوئی کام بھی نہیں کیا؛ اس لیے کہ میری ماں ایک مجوسی کی حبشی باندی ہے، اور میرے والد نے میرا نام جُعَل رکھا ہے (جو ایک کیڑے کا نام ہے)۔ اور میرے والد نے مجھے قرآن کریم کا ایک حرف بھی نہیں سکھایا۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اوران سے فرمایا کہ تم تو میرے پاس اپنے بیٹے کی نافرمانی کی شکایت لے کرآئے ہو؛ حالاں کہ اس کی نافرمانی سے قبل تم نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔اورتم نے اس کے ساتھ برا سلوک کیا ہےاس سے قبل کہ وہ تمہارے ساتھ برا سلوک کرے۔

سبحان اللہ! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کیا ہی خوب فیصلہ فرمایا۔ جسے تمام ہی والدین کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔

عید کے موقع پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالی نے اپنے ایک بیٹے کو پرانے کپڑے پہنے دیکھا تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں۔ان کے صاحبزادے نے دیکھ لیااوران سے پوچھااے امیرالمومنین! آپ کوکس چیز نے رلایا ہے؟۔

انہوں نے جواب دیا۔ میرے بیٹے! مجھے ڈر ہے کہ جب دوسرے لڑکے تمہیں ان پرانے کپڑوں میں دیکھیں گےتو اس سے تمہارا دل ٹوٹ جائے گا!۔

اس لڑکے نے جواب دیا: اے امیرالمومنین! دل تواس شخص کا ٹوٹتا ہے جس سے اللہ ناراض ہو یا جو اپنے ماں باپ کا نافرمان ہو اور مجھے تو یہ امید ہے کہ آپ کی رضامندی کی وجہ سے اللہ تعالی بھی مجھ سے راضی ہوگا۔

سبحان اللہ! یہ تھا حال امیر المومنین کے صاحبزادے کا جب کہ یہ حال امیرزادوں کا تو کیا درویش زادوں کا بھی نہیں ہے۔جس کا سبب اصلی یہ ہے کہ شروع سے اسلامی طریقہ سے ان کی تعلیم وتربیت نہیں کی جاتی۔

ایک مرتبہ مدینہ کے راستوں میں سے کسی راستہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ وہاں بچے کھیل رہے تھے، جن میں عبداللہ بن زبیر بھی تھے جو چھوٹے تھے اور کھیل رہے تھے۔ اَور بچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ڈر سے بھاگ کھڑے ہوئے؛ لیکن حضرت عبداللہ بن زبیر خاموش کھڑے رہے، وہاں سے بھاگے نہیں۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُن کے پاس پہنچے تو ان سے پوچھا کہ اور بچوں کے ساتھ تم کیوں نہیں بھاگے؟۔انہوں نے فوراً کہا: میں کوئی مجرم تو ہوں نہیں کہ آپ کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوتا اور نہ ہی راستہ تنگ ہے کہ میں بھاگ کر اسے آپ کے لیے کشادہ کر دیتا! واقعی بڑا جرأت مندانہ اور بالکل درست جواب تھا۔

یوں ہی ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عامر بن گریز رضی اللہ عنہ مسجد سے واپس گھر جارہے تھے۔راستے میں ایک نوجوان ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔عبداللہ بن عامر نے پوچھا: کیا تجھے مجھ سے کوئی کام ہے؟اس نے عرض کیا: نہیں! بلکہ میں نے دیکھا کہ آپ تنہا جارہے ہیں،اس خیال سے آپ کے ساتھ ہولیا کہ خدانخواستہ کوئی بری بات آپ کو پیش آئے تو میں اسے اپنے اوپر لوں اور آپ کی حفاظت کروں۔

یہ سن کر عبداللہ بن عامر بہت خوش ہوئے۔اس لڑکے کا ہاتھ پکڑا،گھر لے آئے اور اسے ان توصیفی کلمات کے ساتھ ایک ہزار دینار عطا کیے کہ تیرے بڑوں نے تجھے حسن ادب کے زیور سے آراستہ کیا ہے۔

() احیاءعلوم الدین:۳/۳۸۸۔

سلف صالحین کے بچوں کی پیش کردہ مندرجہ بالا مثالوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچے جھجھک،احساس کمتری اور بلاموقع شرم وحیا سے بالکل آزاد تھے۔جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ جرأت مندی و بہادری کے عادی بنائے گئے تھے اور وہ اپنے والدین کے ہمراہ عمومی مجالس او ران کے دوستوں کی ملاقات وغیرہ میں شریک ہوا کرتے تھے اور پھر بڑوں کے سامنے سلیقہ سے گفتگو کرنے پر اُن کو داد دی جاتی تھی اور سمجھ داروں اور فصیح و بلیغ حضرات کو حکام واُمرا وخلفا سے شرف ہم کلامی بخشا جاتا تھا اور عمومی وعلمی مسائل اور مشکلات کے حال کے سلسلہ میں مفکرین وعلما کی محفلوں اور مجلسوں میں اُن سے مشورہ کیا جاتا تھا۔

ادبی وعلمی جرأت اور یہ تمام چیزیں بچوں میں علم وسمجھ اور دانائی کے اعلی ترین معانی

پیدا کرتی ہیں اور سوجھ بوجھ بڑھاتی ہیں اور ان کو اس بات پر آمادہ کرتی ہیں کہ وہ کمال کے اعلیٰ ترین مراتب تک پہنچنے کی کوشش کریں اور اپنی شخصیت سازی کی طرف متوجہ ہوں اور فکری و معاشرتی پختگی پیدا کرنے میں ہمہ تن مصروف رہیں۔

اس لیے تربیت کرنے والوں اور خاص طور سے والدین پر آج یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس عظیم و شاندار تربیت کے اصول کو اپنائیں، تاکہ ان کے بچے حق گوئی، بے باکی اور ادب و احترام کی حدود میں رہتے ہوئے کامل جرأت کا مظاہرہ کرسکیں اور ساتھ ہی دوسروں کے اِحساسات و شعور کا بھی خیال رکھیں اور ہر شخص کو اس کی شان کے مطابق درجہ دیں، ورنہ تو جرأت' بے حیائی سے بدل جائے گی اور بے باکی دوسروں کے ساتھ بے ادبی و گستاخی کی شکل اِختیار کرلے گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ذمہ داریوں سے آبرومندانہ طریقہ پر عہدہ برآ ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے اور ہمارے بچوں کو اسلام کا محافظ بنائے۔ آمین۔

و ما علینا الا البلاغ المبین

---

(۱) صحیح مسلم: ۱/۴۷ حدیث: ۵۴...... سنن ابوداؤد: ۲/۱۷۷ حدیث: ۵۱۹۳...... سنن ترمذی: ۴/۶۶۴ حدیث: ۲۵۱۰...... سنن ابن ماجہ: ۱/۲۶ حدیث: ۶۸...... صحیح ابن حبان: ۱/۴۷۱ حدیث: ۲۳۶...... مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/۲۴۸ حدیث: ۲۵۴۲...... مسند عبد الرزاق: ۱۰/۳۸۵ حدیث: ۱۹۴۳۸...... مستدرک حاکم: ۴/۱۸۵ حدیث: ۷۳۱۰...... مسند احمد بن حنبل: ۱/۱۶۴ حدیث: ۱۴۱۲...... مسند اسحاق بن راہویہ: ۱/۳۷۲ حدیث: ۳۸۵...... مسند بزار: ۶/۱۹۲ حدیث: ۲۲۳۲...... مشکوٰۃ المصابیح: ۳/۲ حدیث: ۴۶۳۱...... شعب الایمان: ۵/۲۶۷ حدیث: ۶۶۱۳۔

(۲) کنز العمال: ۳/۱۷۰ حدیث: ۶۰۰۹...... اسنی المطالب فی احادیث مختلفۃ المراتب: ۱/ ۸۶ حدیث: ۳۵۰...... تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ: ۲/۱۳۳ حدیث: ۲۵۔

(۳) مصنف عبد الرزاق: ۱۱/۱۳۲ حدیث: ۲۰۱۲۲...... مسند احمد بن حنبل: ۵/ ۲۳۸ حدیث: ۲۲۱۲۸...... مشکوٰۃ المصابیح: ۱/۱۳ حدیث: ۶۱...... معجم الاوسط طبرانی: ۱۷/۲۶۳ حدیث: ۸۱۸۵...... حلیۃ الاولیاء: ۹/۳۰۶...... کنز العمال: ۱۶/۵۶۱...... مسند جامع: ۳۵/۲۹۵ حدیث: ۱۱۴۹۹۶...... مجمع الزوائد: ۱/۵۶۔

اسلام کی بہادر بیٹیاں

الحمد للّٰہ الذی علم بالقلم، علم الإنسان مالم یعلم، أحمده تعالی و أشکره علی ما یسر و أنعم، و أشهد أن لا إله إلا اللّٰه وحده لا شریک له ذو الفضل و النعم، أرسل رسوله بالهدی و دین الحق وألزم و أشهد أن محمدا عبده و رسوله غفر اللّٰه له ما تأخر من ذنبه وما تقدم صلی اللّٰه علیه وعلی آله و صحبه ومن اتبع سبیله بإحسان إلی یوم الدین أما بعد .

فَاِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا ٥ (سورۂ بقرہ:۱۳۷)

خواتین ملت اسلامیہ! آج کی اس مجلس میں آپ کے سامنے اسلام کی چند ناموراور بہادرخواتین کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کرنے کی سعادت حاصل کروں گی۔

''کمزوری تیرا نام عورت'' یہ جملہ شیکسپیئر نے ایک بار کہا اور دنیا بار بار کہتی رہی لیکن اسلامی تاریخ نے کبھی عورت پر یہ مکروہ الزام چسپاں نہیں ہونے دیا بلکہ عورت نے یہ تاریخ میں ثابت کر دیا،عورت تیرا نام کمزوری نہیں بلکہ عورت تیرا نام ہمت ہے، تیرا نام بہادری ہے، تیرا نام بے خوفی ہے، تیرا نام جرأت ہے،اوراس جرأت کی داستان آج بھی ہمیں ورطہ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔

دشمن اسلام ابولہب کی بیٹی تیرہ سالہ درہ رضی اللہ عنہ سارا مال و دولت، آرام و راحت،اور سکھ چین کوٹھوکر مار کر ابدی راحت وسکون کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ مکہ

میں کس نے سوچا تھا کس کو خیال آیا تھا کہ یہ ننھی سی جان دنیا کے ہیرے جواہرات کو نظرانداز کر کے مشکلات کی گھاٹیوں کو عبور کر کے، سمندروں کے سینے کو چیر کر، پہاڑوں کی چٹانوں کو عبور کر کے صرف اور صرف ایمان کی دولت خریدنا چاہتی ہے جسے مکہ کا سرمایہ دار ابولہب نہ حاصل کر سکا اور ابولہب کی بیوی ام جمیل زیور میں لدی ہوئی دولت کے نشے میں مست، سامان آخرت اور فوز عظیم کا زیور کبھی نہ پاسکی۔

وہ ابدی سکون و راحت سے ہمیشہ دور ہی رہی۔ ان دونوں کی گھناؤنی آغوش میں پلی ہوئی معصوم بچی تقدیر کا یقینی حصہ ہے۔ مکہ کی سرزمین پر انسان کا وہ سیاہ قلب جوڑا جس کی قرآن نے نام لے کر مذمت کی اور ملعون قرار دے کر ساری دنیا میں تبت یدا ابی لہب اور حمال الحطب کے نام سے خطاب دیکر دو خبطی دیوانوں کی شکل میں گلی گلی کوچہ کوچہ رسوا کر دیا تھا مگر دنیا جس چیز کا خواب خیال بھی ناممکن سمجھتی تھی درہ نے اس کو دیکھتے ہی دیکھتے اٹل حقیقت بنا دیا۔

دُرّہ نے ایک سحر زدہ آواز سنی کوئی کہہ رہا ہے اسے درہ! اے میری بندی میں تیرا ا خالق ہوں، میں تیرا معبود ہوں۔ قیدی درہ کے بازوؤں کو ہتھکڑیوں نے جکڑا ہوا تھا روح نے یہ آواز سنی۔ اس نے سوچا یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ وہاں تو چاروں طرف کفر وشرک کی تاریکیاں تھیں۔ وہ باپ جو بیٹی کے ایک اشارے پر پھولوں کا بستر بچھا دیا کرتا تھا آج وہ اس کے سر پر کھڑا پہرا دے رہا ہے۔

بیٹی کوٹھڑی میں قید ہے۔ ظلم اور بے رحمی کی بھوکی بلا اس کی ماں کا روپ دھارے ہوئے ہے۔ پھر وہ سوچ رہی تھی یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ اس نے سمجھا یہ آواز خود اس کے ضمیر کی پکار ہے، فطرت صالحہ کی چیخ ہے، خود اس کا اللہ اس کے دل کی دھڑکنوں کی آڑ سے پکار رہا ہے۔ اس نے ایک لمحہ سوچے بغیر جواب دیا اے میرے مالک! میں حاضر ہوں۔ اس کی ماں اپنی بیٹی کے پاس آئی اور کہا بیٹی اب تو تیری کلائیوں سے خون جھلکنے لگا ہے۔ ایک دفعہ لات اور عزی کو مان لے اس کی پوجا کر لے۔

درہ نے کہا ہاں ماں میری کلائیوں کو ڈھیلا کر دے۔ تیرا باپ آنے والا ہے اس کی ماں زہریلی ناگن کی طرح پلٹی کیا تو چاہتی ہے تیرا باپ تجھے قتل کر دے یا آہنی زنجیروں میں ہمیشہ کیلئے جکڑ دے۔ درہ نے پھر ماں سے التجا کی ماں میری ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی میری زنجیریں کھول دے۔ دروازے کو تالا ڈال دے۔ درہ کو خبر ہوگئی تھی مکہ سے ایک قافلہ مدینے جا رہا ہے۔ وہ اس قافلے میں شامل ہو کر مدینہ پہنچ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آخرت کا سودا کرنا چاہتی تھی۔

اس نے ایک لمحہ پس وپیش کیے بغیر خود اپنی زندگی کی ان شریانوں پر چاقو چلا دیا۔ وہ خون حیات کے سرچشموں سے خود کو کاٹ رہی تھی وہ گھر جس میں اس نے زندگی کے سالہا سال بتائے تھے، وہ درودیوار اسے پکڑنے کیلئے لپکے، مگر اس نے اپنے رب کی پکار پر ہر آواز کو ٹھکرا دیا وہ سارے مکہ کو اپنے پیچھے چیختا پکارتا چھوڑ کر مدینے کے راستے پر دوڑی جا رہی تھی اور اس کی زبان سے ایک ہی آواز بلند ہو رہی تھی میں حاضر ہوں۔ میرے مالک میں حاضر ہوں لیکن ابھی اس کو اپنے معبود حقیقی کی بارگاہ تک پہنچنے کیلئے ایک کارزار اور عبور کرنا تھا اپنی دنیا خود اپنے ہاتھوں ویران کرنے کے بعد جب وہ محبت اور انسانیت کی جس نئی دنیا میں داخل ہوئی تھی۔ اس نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، وہ ننھی سی جان جسے جیتے جی خود کو یتیم و اسیر اور لاوارث بنانے کے بعد نئی آغوش محبت کے دروازوں کو کھٹکھٹایا تھا اس کے دروازے بھی اس کو بند ملے۔

کس نے سوچا اس کے دل پر کیا بیتی، درہ نے سنا مدینہ کی کچھ عورتیں سرگوشی کر رہی ہیں اس کی ہجرت کو اللہ کب پسند کرے گا جبکہ اس کا باپ اور اس کی ماں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں بدترین رکاوٹ اور انکار پر ہیں۔ وہ سرفروشی کے جذبات ٹوٹا ہوا دل لیے اسی آستانے پر پہنچی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نے راز سے نقاب اٹھایا اور اس کے نور ایمان کی درد بھری داستان نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دل ہلا دیا۔

وہ کہنے لگی اے اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مکہ کی عورتیں کیا کہہ رہی ہیں۔ مجھے اس کا کوئی غم نہیں کہ دنیا نے میری قربانی کو کسی قابل کیوں نہیں سمجھا ہاں یہ اندیشہ میری روح کو ڈس لینے کیلئے کافی ہے کہ میرا پالنہار بھی اس حقیر بندی کی ہجرت کو ٹھکرا دے گا کتنی پرسوز، دردناک تھی اس اللہ کی سچی بندی کے دل کی آواز۔ اے لوگو! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بے اختیار پکار اٹھے درہ رضی اللہ عنہ کی قربانیوں کا صلہ اس کیلئے ہے اور اس کے والدین کے گناہوں کی پاداش خود ان کیلئے، طنز کرنے والی زبانیں خاموش ہوگئیں۔

ان کے دل احساس خطا سے سہم گئے مگر درہ رضی اللہ عنہ کو تو یاد بھی نہ رہا کہ دنیا نے اس کے متعلق کیا رائے قائم کی تھی۔ اللہ نے اس کے جذبہ ایثار کو قبول فرمایا تھا اس کے بعد اسے کسی شے کی ضرورت ہی کیا تھی!۔

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا : تاریخ بتاتی ہے کہ جنگ یرموک میں رومیوں کی تعداد مسلمانوں کے مقابلے میں چار گناہ زیادہ تھی، میدان جنگ میں ایک خیمے کے اندر مسلمان خواتین ٹھہری ہوئی تھیں، ان کے ذمہ زخمیوں کی تیمارداری اور مرہم پٹی تھی، ان کو پانی پلانا، شہیدوں کی قبریں کھودنا، ان کے کفن کا انتظام کرنا وغیرہ۔ مجاہدین اسلام میدان جنگ میں لڑ رہے تھے، رومی' مسلمان خواتین کو اپنے خیمے میں تنہا پا کر ان کے خیمے پر حملہ آور ہوئے اور چاروں طرف سے ان کے خیمے کو گھیر لیا۔

اس اچانک حملے سے خواتین بے حد پریشان ہوئیں؛ چنانچہ ان سے نمٹنے کے لیے وہ حضرت خولہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس آئیں اور اُن سے کہا اب کیا کریں ہمارے پاس نہ تو ہتھیار ہیں، جوان بزدلوں کا مقابلہ کریں، اور نہ ہی زہر جس کو کھا کر مر جائیں، اور عزت بچائیں۔

ہمت وشجاعت کی پیکر حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے ان سب کی ہمت بندھائی اور کہا: بہنوں اللہ پر بھروسہ رکھو وہی ہماری مدد کرے گا، ہمت سے کام لو، اسلام میں خودکشی حرام

ہے، حرام موت کا تصور اپنے ذہنوں سے نکال دو اگر ہمارے پاس ہتھیار نہیں تو کیا ھوا؟ آؤ ان خیموں کے کھونٹے نکال لیں، اور اللہ کا نام لے کر ان بزدل کافروں پر حملہ کریں، اَنجام اس پر چھوڑ دیں جس نے ہم کو پیدا کیا ہے۔

خواتین نے اس تجویز کو پسند کیا اور خیموں کے کھونٹے نکال کر اللہ کا نام لے کر رومیوں پر ٹوٹ پڑیں، حضرت خولہ رضی اللہ تعالی عنہا نہایت جرأت سے دشمنوں کے حملوں کو روک رہی تھی اور ان پر حملے بھی کر رہی تھیں، ان کا ہر وار دشمن کے لیے اللہ کا عذاب ثابت ہو رہا تھا۔

ذرا سی دیر میں تیس مرد رومی خاک وخون میں تڑپ کر ہلاک ہو چکے تھے، یہ حالت دیکھ کر رومی دستے کے سردار کے اوسان خطا ہو گئے، اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا بزدلو عورتوں سے پٹ رہے ہو ان سب کو چاروں طرف سے گھیرا تنگ کر کے پکڑ لو۔

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر اللہ کے حضور سر بہ سجود ہو کر دعا کرتی ہیں: اے پرور دگار! ہماری حفاظت کر ہم مظلوم ہیں، کمزور ہیں، مگر تو طاقت والا ہے، تیرے قبضے اور اختیار میں ہر چیز ہے ہمیں ان کافروں سے بچا، اپنی رحمت سے ہماری مدد فرما۔

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے یہ اَلفاظ اَدا ہوتے ہی ایک سمت سے نعرۂ تکبیر کا شور سنائی دیتا ہے، جب آپ نے سجدہ کر کے سر اٹھایا تو دیکھا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ اور مجاہدین نے پوری شدت سے ان کافروں پر حملہ کیا، دشمنوں کے لیے مجاہدین کے وار سے بچنا مشکل ہو گیا، رومیوں نے جب یہ منظر دیکھا تو وہاں سے نکل بھاگنے ہی میں خیریت سمجھی اور فرار ہو گئے۔

ام الفضل رضی اللہ عنہا: یہ دیکھئے سرور کائنات علیہ السلام کی چچی اور حضرت عباس کی پاکباز بیوی ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں جن کی جرأت و دلیری ا ور بہادری کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عباس کے زیر کفالت ایک کمزور مسلمان

ابورافع مکے میں مقیم تھے۔ وہ نیزے سیدھے کرنے کا کام کرتے تھے اور حضرت عباس کے لیے وہ اس حرفت میں بڑے معاون تھے۔

جنگ بدر کے حالات بنو ہاشم کے فرد ابوسفیان بن حارث کی زبانی اہل مکہ کے سامنے پہنچے تو ان کا لب لباب یہ تھا کہ مسلمانوں نے ہمیں گاجر مولی کی طرح کاٹا اور بھیڑ بکریوں کی طرح باندھ لیا۔ ہمارے مدمقابل جو لوگ لڑ رہے تھے ان کیساتھ ہم نے عجیب قسم کی مخلوق دیکھی۔ یہ سرخ وسفید رنگ کے نوجوان ابلق گھوڑوں پر سوار زمین وآسمان کے درمیان معلق نظر آ رہے تھے۔

ابولہب اپنے بھتیجے کی زبانی یہ رپورٹ سن کر پریشان ہو گیا۔ ابھی اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا کہ چاہ زم زم کے قریب ایک حجرے میں بیٹھے ابورافع، پردہ سرکا کے بولے: خدا کی قسم یہ عجیب مخلوق اللہ کے فرشتے تھے۔

ابولہب نے ان کی زبانی یہ بات سنی تو بھپر گیا، ان پر جھپٹا اور انہیں گرا کر ان کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ حضرت ام الفضل نے یہ منظر دیکھا تو دوڑ کر آئیں اور ابولہب کے سر پر ایک چوب دے ماری اور اسے سخت الفاظ میں ڈانٹتے ہوئے کہا: اس مسکین پر کیوں ظلم ڈھاتے ہو، شرم نہیں آتی، آخر اس کا قصور کیا ہے؟۔

ابولہب کا حوصلہ تو پہلے ہی پست ہو چکا تھا اور فطری طور پر تھا بھی بزدل آدمی۔ اس ضرب کاری نے رہی سہی کسر بھی نکال دی۔ اس واقعہ کے تھوڑے عرصے بعد ابولہب ذلت و رسوائی کے ساتھ موت کی وادی میں اُتر گیا۔ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا کے اندر جرأت بھی تھی اور غیرتِ ایمانی بھی۔ خاندانی عصبیت کے بت پاش پاش کرنا آسان نہیں ہوتا لیکن انہوں نے یہ کارنامہ کر دکھایا۔

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا: اسلام کی پہلی خاتون جو راہِ حق میں شہید ہوئیں۔ بوڑھی اور ناتواں سی کنیز تھیں۔ جب مسلمان ہوئیں تو کفار نے ان پر ظلم وستم

کی انتہا کر دی لیکن انہوں نے راہ حق کو نہ چھوڑا۔ تنگ آ کر ابو جہل نے ان کو برچھی مار کر شہید کر ڈالا۔

حضرت صفیہ رضی اللّٰہ عنہا : آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ آپ نہایت نڈر اور بہادر خاتون تھیں۔ غزوہ خندق کے دوران آپ عورتوں کے ہمراہ ایک قلعے میں تھیں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ بیمار ہونے کی وجہ سے قلعے میں تھے لیکن کمزوری کے باعث نگرانی کرنے سے قاصر تھے۔ ایک یہودی جاسوسی کی نیت سے قلعے کے نزدیک آیا تو خیمے کی چوب سے اس کا سر پھاڑ دیا اس کے بعد اس کا سر کاٹ کر قلعے کے باہر پھینک دیا۔ یہودیوں نے یہ سمجھا کہ قلعہ کے اندر کافی فوج ہے جس وجہ سے ان کو قلعے کی طرف آنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو کفار نے شہید کرنے کے بعد نعش کا مثلہ کر دیا تھا لیکن آپ نے بہت اور صحابہ کے ساتھ بھائی کی نعش کی زیارت کی۔

جب آپ کا انتقال ہوا تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر پر کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے: **قولی نبیی محمد ابن اخی**۔ یعنی اے پھوپھی! کہہ دیجیے کہ میرا نبی محمد میرا بھتیجا ہے۔

لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ کیا بات ہے؟ فرمایا: اس وقت منکر نکیر صفیہ سے سوال کر رہے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے اور وہ بالکل حیران و پریشان ہے۔ میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ آپ ان سے جواب میں کہہ دیں کہ میرا نبی محمد میرا بھتیجا ہے۔

حاضرین نے عرض کیا: یارسول اللہ! اپنی پھوپھی کو تو آپ نے تلقین کر دی، ہمیں کون تلقین کرے گا؟ اس موقع پر خدائے کریم نے یہ آیت نازل فرمائی :

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ٥ (سورۂ ابراہیم: ۱۴/۲۷)

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہاں 'قولِ ثابت' سے مراد بندہ کا یہ کہنا ہے کہ خدا میرا رب، محمد میرا نبی، اور دین میرا اسلام ہے۔ کیوں کہ یہ آیت منکر نکیر کے سوال کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت ام شریک رضی اللّٰہ عنہا : آپ مکہ کی ایک دولت مند خاتون تھیں۔ مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے خفیہ طور پر عورتوں میں تبلیغ شروع کر دی، لیکن کفار کو کسی طرح ان کی خبر لگ گئی اور انہوں نے اس قدر ظلم و تشدد کیا کہ اپنے حواس کھو بیٹھیں لیکن اسلام کا دامن کہاں چھوٹنے والا تھا۔ آخر کفار نے ان کو مکے سے نکال دیا، لیکن فتح مکہ کے موقعہ پر ان کا گھر مسلمانوں کا مہمان خانہ تھا اور انہوں نے بڑی فیاضی سے مسلمانوں کی خاطر مدارات کی۔

حضرت ام عمارہ رضی اللّٰہ عنہا : ام عمارہ رضی اللہ عنہا کا اصل نام نسیبہ بنت کعب تھا، یہ قبیلہ خزرج کی شاخ بنو نجار سے تعلق رکھتی تھیں۔ جب اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو ان کی عمر چالیس سال تھی۔ مگر یہ ہجرت سے پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھی اور مکہ آ کر بیعت عقبہ کے موقع پر آنے والی دو خواتین میں سے ایک تھیں۔

علامہ ابن کثیر کے مطابق اُم سعد بنت سعد بن ربیع ایک مرتبہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور عرض کی خالہ جان! ذرا غزوۂ احد کے بارے میں مجھے بتائیں، کیسے آپ نے اس میں حصہ لیا؟۔

اُم عمارہ نے فرمایا: غزوہ احد کے روز میں صبح سویرے میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوئی، میں لڑائی دیکھنا چاہتی تھی۔ میرے پاس پانی کا ایک مشکیزہ تھا۔ میں چلتے چلتے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ میں تشریف فرما تھے۔ مسلمان غالب آ رہے تھے اور فتح

سے سرشار ہو رہے تھے۔ پھر اچانک تیر اندازوں کی غلط فہمی کے باعث جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ جب مسلمان افراتفری کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے تو میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلی آئی۔ جہاد میں شریک ہو کر تلوار اور کمان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنے لگی یہاں تک کہ زخمی ہوگئی۔

اُم سعد کا بیان ہے کہ میں نے ان کے کندھے پر گہرا زخم دیکھا تو پوچھا: یہ زخم کس نے لگایا ہے؟۔

انہوں نے جواب دیا: ابن قیمیہ نے، اللہ اس کو ذلیل و رسوا کرے۔ جب لوگ تتر بتر ہو گئے تو ابن قیمیہ یہ کہتا ہوا آگے بڑھا کہ لوگو! مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں نشاندہی کرو، وہ اگر زندہ بچ گئے ہیں تو میں زندہ نہ رہوں گا؛ چنانچہ میں نے اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ نے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پرزور دِفاع کیا۔ ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آڑے آتے رہے۔ اس نے مجھے یہ ضرب لگائی، میں نے بھی اسے مارا لیکن اللہ کے دشمن ابنِ قیمیہ نے اوپر تلے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: جنگ احد میں ام عمارہ کو میں برابر اپنے دائیں اور بائیں ہر طرف مصروفِ جنگ دیکھتا تھا۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ابنِ قیمیہ نے اپنی تلوار سے ام عمارہ کے کندھے پر وار کیا جس سے خاصا گہرا زخم آیا اور خون کے فوارے اُبل پڑے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگرانی میں پٹی بندھوائی اور پھر چند بہادر اور جری صحابہ کا نام لے کر فرمایا: آج ام عمارہ نے جو شجاعت اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا ہے وہ میرے بہادر ساتھیوں سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

گویا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کی شجاعت و بہادری کا اعتراف

اوران کے لیے تمغہ بسالت تھا۔

اس موقع پر ام عمارہ نے درخواست کی کہ دعا فرمایئے کہ جنت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا شرف نصیب ہو۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو بولیں: اب مجھے دنیا کی کسی مصیبت کی کوئی پرواہ نہیں۔

غزوہ اُحد سے اگلے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم حمراء الاسد تشریف لے گئے، روانگی سے قبل اعلان فرمایا کہ ہمارے ساتھ وہی چلے جو کل میدان احد میں موجود تھے۔ چونکہ ام عمارہ بھی میدان احد میں موجود تھیں اسے لیے یہ بھی روانہ ہونے لگیں، مگران کا زخم گہرا تھا اوراس میں سے خون بہہ رہا تھا، زخموں کے علاج اور درد کی شدت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ جاسکیں۔ حمراء الاسد سے مدینہ واپسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر تشریف لے جانے سے پہلے ام عمارہ رضی اللہ عنہا کی خیریت عبداللہ بن کعب المازنی کے ذریعے معلوم کروائی۔

ام عمارہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ موجود تھیں، خیبر کی لڑائی میں بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلیں، جنگ حنین میں بھی شامل تھیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جب مسیلمہ کذاب کا فتنہ برپا ہوا تو ان کے ایک بیٹے کو مسیلمہ نے شہید کردیا۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے مسیلمہ کے خلاف جنگِ یمامہ میں حصہ لیا۔ یہ تلوار ہاتھ میں لیے مسیلمہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ان کا بیٹا عبداللہ اپنی والدہ کے ساتھ ساتھ تھا۔

مسیلمہ کو دور سے دیکھا تو صبر نہ کرسکیں، برچھی اور تلوار سے مسلح صفوں کو چیرتی اور زخم پر زخم کھاتے مسیلمہ کے قریب پہنچ گئیں۔ ان کو نیزے اور تلوار کے گیارہ زخم آئے۔ کافر کی تلوار سے ان کا ایک ہاتھ کلائی سے الگ ہوکر گر پڑا۔ مگر اس شیر دل خاتون کے صبر وتحمل میں ذرا بھی کمی نہیں آئی۔ یہ مسیلمہ پر وار کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔ یکایک دو تلواریں

فضا میں لہرائیں اور اس زور سے مسیلمہ پر پڑیں کہ وہ کٹ کر گھوڑے سے گرا اور زمین پر آ رہا۔ گرد و غبار کی تاریکی میں ام عمارہ نے دیکھا تو ان کا بیٹا عبداللہ ہاتھ میں تلوار لیے مسیلمہ کی لاش پر کھڑا تھا۔

ماں نے مسرت و حیرت کے ملے جلے تاثرات سے پوچھا: عبداللہ! تم نے اسے قتل کیا ہے؟۔ جواب ملا اماں جان ایک ساتھ دو تلواریں اس پر پڑی ہیں، ایک میری اور ایک کسی اور کی، اب پتہ نہیں کس کی تلوار سے اس کی موت واقع ہوئی ہے۔ ایک روایت کے مطابق مسیلمہ کو قتل کرنے والی دوسری تلوار وحشی کی تھی، جو سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا، اس طرح اس نے اپنے گناہ کا بدلہ چکایا۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا : ایک لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خالہ ہیں۔ آپ کا پہلا نکاح مالک بن نفر سے ہوا تھا جو کافر تھا۔ اس کے بعد ابوطلحہ نے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے نکاح کا پیغام دیا تو اس کے کفر کی وجہ سے رد کر دیا۔ پھر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے سامنے کلمہ پڑھ لیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نکاح پڑھایا، آپ نے یہ کہہ کر اپنا حق مہر معاف کر دیا کہ ''اسلام سب سے بڑا مہر ہے''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ یہ مہر عجیب و غریب تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ پاک میں جو مواخات قائم کی تھی اس کا اجتماع ام سلیم رضی اللہ عنہ کے گھر ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے گھر میں تشریف لے جاتے تھے۔ آپ نے کافی غزوات میں شرکت کی۔

جنگ حنین میں آپ کے ہاتھ میں ایک خنجر تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دریافت فرمانے پر کہا کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آیا تو اس خنجر سے اس کا پیٹ چاک کر کے اسے جہنم رسید کروں گی یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا دیے۔

حضرت اُم حکیم رضی اللہ عنہا : آپ دشمن رسول ابوجہل کے

بیٹے حضرت عکرمہ کی زوجہ تھیں۔ فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام قبول کیا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ یمن کی طرف فرار ہو گئے تھے۔

حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے شوہر کے لیے پناہ طلب کی اور یمن جا کر شوہر کو لے آئیں۔ جنگ اجنادین میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا۔ قنطرۂ ابن حکیم کے نزدیک رسم ادا ہوئی۔ ابھی دعوتِ ولیمہ سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ رومیوں نے حملہ کر دیا۔ آپ کے شوہر حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ آپ نے خیمے کی چوب اکھاڑی اور اس سے سات رومیوں کو جہنم رسید کیا۔

حضرت ام ھابان رضی اللّٰہ عنھا : شادی کے چند روز بعد شوہر کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئیں۔ آپ کے شوہر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، آپ بھی لڑ رہی تھیں، جب شوہر پر نظر پڑی تو مردانہ وار دشمن کی صفوں کے اندر سے شوہر کی لاش پیٹھ پر لاد کر اٹھا لائیں۔

بعض مجاہدین نے شوہر کی شہادت کا احوال پوچھا تو فرمایا وہ خوش نصیب تھے کیونکہ اللہ تعالی نے انہیں شہادت کا رتبہ عطا فرمایا، ایک میں ہوں کہ ابھی تک شہادت کی سعادت حاصل کرنے سے محروم ہوں، اسی خدا نے جس نے ہمیں رشتہ ازدواج میں منسلک کیا تھا اب اللہ تعالی نے انہیں واپس لے لیا ہے میں اس کی رضا پر راضی ہوں اور عہد کرتی ہوں کہ اپنے شوہر کی موت کا انتقام لوں گی اور جلد سے جلد ان کے پاس پہنچنے کی کوشش کروں گی۔

دوسرے دن ام ہابان نے بہادری سے جنگ میں حصہ لیا۔ دشمنوں نے تیر برسائے دشمن کے علم بردار کو تیر مار کر گرا دیا۔ دمشق کے حاکم کو جو فوج کی قیادت کر رہا تھا آنکھ میں تیر مارا جس سے وہ زخمی ہو کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔

حضرت اسما بنت ابوبکر صدیق رضی اللّٰہ عنہما :

ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو راز دار بنایا تھا۔ اس وقت آپ کم سن تھیں۔ جب کفار کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکے سے نکل جانے کی خبر ملی تو ابوجہل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر آیا اور حضرت اسما رضی اللہ عنہا کو ڈرا دھمکا کر پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کس طرف گئے ہیں۔ بہادر بچی نے کچھ نہ بتایا۔

ابوجہل ملعون نے آپ کو زدوکوب کیا اور اس زور سے طمانچہ مارا کہ آپ کے کان کی ایک بالی نکل کر دور جا گری۔ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار میں روپوش رہے آپ کے لیے کھانا لے جاتی رہیں۔

آپ نے بعد میں ہجرت کی اور غزوات میں بھی حصہ لیا اور مجاہدین کی خدمت کی۔ حجاج بن یوسف نے جب ظلم کے پہاڑ توڑے تو پیرسنی کی باوجود کھری کھری سنائیں۔

یہ دیکھیں ایک نہایت ہی باہمت مجاہدہ صحابیہ ہیں جو شاعرہ بھی ہیں، اپنے چار بیٹوں کو ترغیب دے کر جنگ میں بھیجا تھا، یکے بعد دیگرے چاروں نے جام شہادت نوش فرمایا لیکن سلام اس عظیم ماں پر کہ رونے پیٹنے کی بجائے اس نے خوشی کا اظہار فرمایا کہ وہ چار شہیدوں کی ماں ہیں اور اللہ نے اس کے بیٹوں کی قربانی قبول کر لی ہے۔ اور ایک ماں کے لیے اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا ہے۔

تاریخ میں یہ واقعہ یوں ملتا ہے کہ جب ان کو یہ غلط خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ احد میں شہید ہو گئے ہیں تو یہ بے قرار ہو کر گھر سے نکل پڑیں اور میدان جنگ میں پہنچ گئیں وہاں لوگوں نے ان کو بتایا کہ اے عورت! تیرے باپ اور بھائی اور شوہر تینوں اس جنگ میں شہید ہو گئے، یہ سن کر اس نے کہا کہ مجھے یہ بتاؤ میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟ جب لوگوں نے بتایا کہ حضور علیہ السلام اگر چہ کچھ

زخمی ہوگئے ہیں تاہم الحمدللہ زندہ سلامت ہیں۔ یہ سن کر بے اختیار اس کی زبان سے اس شعر کا مضمون نکل پڑا۔

تسلی ہے پناہِ بیکساں زندہ سلامت ہے
کوئی پروا نہیں سارا جہاں زندہ سلامت ہے

اللہ اکبر! ایسی شیر دل اور بہادر عورت کا کیا کہنا؟ باپ اور شوہر اور بھائی تینوں کے قتل ہو جانے سے صدمات کے تین تین پہاڑ دل پر گر پڑے ہیں مگر محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نشہ میں اس کی مستی کا یہ عالم ہے کہ زبانِ حال سے یہ نعرہ اس کی زبان پر جاری ہے۔

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا
اے شہ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

یوں ہی روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت محمد بن سوید طحان سے منقول ہے: جس دن علم وعمل کے پیکر، مردِ قلندر حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کو مسئلہ خلق قرآن کے مسئلہ پر نہایت بے دردی سے کوڑے مارے جا رہے تھے اور آپ کوہِ استقامت بن کر ظلم وستم کی خطرناک آندھیوں کا سامنا کر رہے تھے۔

اس دن ہم حضرت عاصم بن علی کے پاس تھے۔ ابن عبید قاسم بن سلام، ابراہیم بن ابولیث کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ وہاں موجود تھے۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا: کیا تم میں کوئی ایسا مردِ مجاہد ہے جو میرے ساتھ ظالم حاکم کے پاس چلے تاکہ ہم اس سے پوچھیں کہ وہ وقت کے امام پر ظلم وستم کیوں کر رہا ہے؟ حضرت عاصم کے ساتھ چلنے کے لیے کوئی بھی تیار نہ ہوا۔ ظالم حاکم کے پاس جانے سے سب گریز کر رہے تھے۔ ابراہیم بن ابولیث کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے ابوالحسن! میں آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔

ان کا یہ جذبہ دیکھ کر حضرت عاصم نے حیران ہوتے ہوئے کہا: اے نوجوان! کیا تم میرے ساتھ چلو گے، اچھی طرح سوچ لو کہ ہم کس کے پاس جارہے ہیں؟ کہا: اے ابوالحسن! میں نے خوب سوچ لیا ہے، میں ضرور بالضرور آپ کے ساتھ اس ظالم حاکم کے پاس جاؤں گا۔ مجھے تھوڑی سی مہلت دیجیے تاکہ گھر جاکر اپنی بیٹیوں کو وصیت اور انھیں دین پر عمل پیرا رہنے کی تلقین کر آؤں۔

یہ کہہ کر وہ اپنے گھر کی طرف چلے گئے، ہم سمجھ رہے تھے کہ یہ اپنے لیے کفن وغیرہ کا انتظام کرنے گئے ہیں؛ کیوں کہ ظالم حاکم کے پاس جانا موت کو دعوت دینا تھا۔ بہرحال! کچھ دیر بعد واپس آئے تو حضرت عاصم نے پوچھا: کیا تم تیار ہو؟۔ کہا: ہاں! میں بالکل تیار ہوں۔ بچیوں کو نصیحت کر آیا ہوں، جب میں نے انھیں بتایا کہ میں حاکم کے پاس جارہا ہوں تو وہ رونے لگیں، میں انھیں روتا چھوڑ آیا ہوں، ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ قاصد حضرت عاصم کی صاحبزادیوں کا خط لے کر آیا، خط میں لکھا تھا :

اے ہمارے والد محترم! ہمیں خبر پہنچی ہے کہ ایک ظالم شخص' امام احمد بن حنبل کو قید کر کے کوڑے لگوا رہا ہے؛ تاکہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ کلام اللہ (قرآن مجید) مخلوق ہے۔اے ابا جان! اللہ سے ڈرنا، ہمت و اِستقامت سے کام لینا، باطل کے سامنے ہرگز ہرگز سر نہ جھکانا، امام جلیل کے حوصلہ وثبات قدمی کو پیش نظر رکھنا۔اگر حاکم بدآپ کو ناحق بات کہلوانا چاہے تو ہرگز غلط بات نہ کرنا، خدائے بزرگ وبرتر کی قسم! آپ کی موت کی خبر آنا ہمیں اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ آپ موت کے خوف سے ناحق بات تسلیم کرلیں۔ جان جاتی ہے تو جائے مگر ایمان نہ جائے۔ والسلام: عظیم باپ کی بیٹیاں.

خواتین اسلام ! یہ تذکرۂ جاوداں ان اَن گنت عظیم صحابیات اور نامور خواتین اسلام میں سے چند کا تھا جنھوں نے اپنے قول وفعل اور عمل وکردار سے لازوال داستانیں رقم کیں جو آج بھی ہماری خواتین کے لیے مشعل راہ ہیں اور ان خواتین کی

بصیرت و بصارت میں اضافے کا ذریعہ ہیں جو دین اسلام سے ناواقفیت اوراغیار کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہوکر کہہ بیٹھتی ہیں کہ اسلام نے عورتوں کومحبوس ومقید کردیا ہے یا ان کے حقوق کا استحصال کیا ہے۔معاذ اللہ رب العالمین۔

عظیم خواتین کی یہ داستان یہیں ختم نہیں ہوجاتی بلکہ تاریخ اسلامی ان عظیم المرتبت خواتین کے تذکرہ سے مزین ہے جن کی مثال کسی بھی خطے سے تعلق رکھنے والی کوئی بھی قوم -قدیم ہو یا جدید- پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ماں کی حیثیت سے بچوں کی بہترین تربیت کرنے والی گھریلو خاتون سے لیکر مجاہدہ، ولیہ، شاعرہ، طبیبہ، عالمہ، قاریہ تک بلکہ حکومت سنبھالے ہوئے قابل تقلید حاکمہ کے روپ میں رفاہ عامہ کی وہ اَن مٹ مثالیں قائم کرتی نظر آتی ہے جس پر جدید دور کے حکمران بھی حیرت زدہ ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی اسلام کی خاطر تن من دھن لٹانے اور وقت پڑے تو اپنے نونہالوں کو اسلام کی سربلندی کے لیے قربان کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین یارب العالمین۔

و ما علینا الاَّ البلاغ المبین

خواتین اِسلام کا زہد وتقویٰ

الحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی نَشَرَ بِقُدْرَتِهِ البَشَرُ، وَ صَرَّفَ بِحِكْمَتِهِ وَقَدَرُ، وَابْتَعَثَ مُحَمَّداً إلىٰ كَافَّةِ أهْلِ البَدْوِ وَالحَضَرُ، فَأحَلَّ وَحَرَّمُ، وَأبَاحَ وَحَظَرُ، لاَ يَغِيبُ عَنْ بَصَرِهٖ وَسَمْعِهٖ دَبِيبُ النَّمْلِ فِی اللَّيْلِ إذَا سَرَى، يَعْلَمُ السِّرَّ وَأخْفىٰ، وَيَسْمَعُ أنِيْنُ المُضْطَرِّ وَيَرىٰ، لاَ يَعْزُبُ عَنْ عِلْمِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی الأرْضِ وَلاَ فِی السَّمَاء، اصْطَفىٰ آدَمَ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِ وَهَدىٰ، وَابْتَعَثَ نُوحاً فَبِنَی الفُلْکَ وَسَرىٰ، وَنَجَّی الخَلِيْلَ مِنَ النَّارِ فَصَارَ حَرُّهَا سَرَى، ثُمَّ ابْتَلاَهُ بِذِبْحِ وَلَدِهٖ فَأَدْهَشَ بِصَبْرِهِ الوَرىٰ، أحْمَدُهُ مَا قُطِعَ نَهَارٌ بِسَيْرٍ وَلَيْلٌ بِسُرىٰ، أحْمَدُهُ حَمْداً يَدُوْمُ مَا هَبَّتْ جُنُوبٌ وَّصَبَا، وَأُصَلِّی وَأسَلِّمُ عَلىٰ رَسُولِ اللّٰهِ مُحَمَّدٍ، أشْرَفِ الخَلْقِ عَجَماً وَّعَرباً، المَبْعُوثِ فِی أمِّ القُرىٰ، صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وسَلاَمُهُ مَا تَحَرَّكَتِ الألْسِنُ وَالشِّفَا، وَعَلىٰ جَمِيْعِ الأهْلِ وَالآلِ وَالأصْحَابِ وَالأتْبَاعِ مَا تَعَاقَبَ صُبْحٌ وَّمَسَا .

أما بعد !

فأعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم .

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ o (سورۂ حجرات: ۱۳/۴۹)

صدق اللّٰه العظيم و صدق رسول النبي الأمين الكريم و نحن علىٰ ما قال ربنا و رسولنا لمن الشاهدين والشاكرين و الحمد للّٰه رب العالمين .

خواتینِ اسلام اور دخترانِ عزیز! اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق سے آج میں زہد وتقویٰ میں ممتاز خواتین کے حوالے سے کچھ خاص باتیں آپ کے گوش گزار کرنے کی سعادت حاصل کروں گی۔

حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں میری بڑی قدر ومنزلت تھی۔ ایک مرتبہ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عمران! ہم تیری عزت کرتے ہیں اور قدر کرتے ہیں، تو کیا فاطمہ بن رسول اللہ کی عیادت کے لیے چل سکتے ہو؟ میں نے عرض کیا؛ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، میں ضرور چلوں گا؛ چنانچہ آپ کھڑے ہوئے، میں بھی آپ کے ہمراہ چلا یہاں تک کہ آپ نے حضرت فاطمہ کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی اور سلام کیا، اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ حضرت فاطمہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! تشریف لائیں۔ آپ نے دریافت فرمایا: میں اور جو شخص میرے ساتھ آیا ہے دونوں آئیں؟۔

حضرت فاطمہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ کے ساتھ کون ہے؟۔

فرمایا: عمران بن حصین۔ حضرت فاطمہ نے عرض کیا: اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر مبعوث کیا میرے بدن پر صرف ایک عبا ہے، آپ نے ہاتھ سے اِشارہ کر کے فرمایا کہ اس کو اس طرح بدن پر لپیٹ لو۔ حضرت فاطمہ نے عرض کیا: میں نے اپنا جسم ڈھانپ لیا ہے؛ لیکن اپنا سر کیسے چھپاؤں؟، آپ کے پاس ایک پرانی چادر تھی، آپ نے وہ چادر ان کی طرف پھینکی اور فرمایا: اسے اپنے سر پر لپیٹ لو، اس کے بعد حضرت فاطمہ نے اندر آنے کی اجازت دی۔

آپ اندر تشریف لے گئے، سلام کیا اور ان کی مزاج پرسی فرمائی۔ حضرت فاطمہ نے عرض کیا: بخدا میں بھوکی ہوں اور اس پر مستزاد یہ حالت ہے۔ میرے پاس کھانے کے

لیے کچھ بھی نہیں ہے، بھوک نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔

یہ سن کر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رو پڑے اور فرمایا: اے بیٹی! گھبرا مت، خدا کی قسم، میں نے تین دن سے کھانا نہیں چکھا ہے؛ حالاں کہ میں اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ مکرم ہوں۔ اگر میں اپنے رب سے سوال کرتا تو وہ مجھے ضرور کھانا کھلاتا مگر میں نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی ہے۔ پھر آپ نے اپنا دست مبارک حضرت فاطمہ کے شانے پر ماراا اور فرمایا: تجھے خوش خبری ہو کہ تو جنت کی عورتوں کی سردار ہے۔

انھوں نے عرض کیا: فرعون کی بیوی آسیہ، اور عمران کی بیٹی مریم کا درجہ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا: آسیہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہوں گی، اور مریم اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہوں گی اور تو اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہوگی۔تم جنت کے ایسے مکانوں میں رہوگی جو زبرجد اور یاقوت سے بنے ہوئے ہوں گے، نہ ان میں کسی طرح کی تکلیف ہوگی، نہ کوئی شور ہوگا۔ پھر فرمایا: اپنے چچا کے بیٹے پر قانع رہ۔ بخدا میں نے تیرا نکاح ایسے شخص سے کیا ہے جو دنیا میں بھی سردار ہے اور آخرت میں بھی سردار ہے۔(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعید بن عامر کے پاس ایک ہزار دینار بھیجے جسے دیکھ کر وہ کبیدہ خاطر ہوئے، اور بجھے ہوئے چہرے کے ساتھ گھر میں داخل ہوئے۔ان کی اہلیہ نے دریافت کیا کہ کیا کوئی نئی بات پیش آئی ہے؟۔

انھوں نے جواب دیا: اُس سے بھی بڑھ کر ایک واقعہ ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: ذرا اپنا پرانا دوپٹہ دینا۔ اہلیہ نے اپنا دوپٹہ دیا۔ آپ نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کیے، ان کی تھیلیاں بنائیں اور ان تھیلیوں میں درہم بھر کر تقسیم کر دیے، پھر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور صبح تک روتے رہے، اس کے بعد فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنا ہے کہ میری اُمت کے فقرا مالداروں سے پانچ سو سال پہلے جنت

میں جائیں گے؛ یہاں تک کہ اگر کوئی مالدار، فقیروں کی جماعت میں گھس جائے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے نکال دیا جائے گا۔(۲)

امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے والد کے ساتھ گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی۔ والد نے کہا کہ جاؤ دیکھو، باہر کون ہے؟۔

جب میں باہر آکر دیکھتا ہوں تو ایک خاتون کھڑی ہیں اور مجھ سے کہتی ہیں کہ جاؤ والد سے پوچھ کر آؤ، کیا میں اندر آسکتی ہوں۔ انھیں اجازت دی گئی، وہ اندر آئیں اور والد گرامی کو سلام کیا۔ اس کے بعد پھر عرض گزار ہوئیں کہ میں اپنی چھت پر سوت کات رہی تھی کہ راستہ میں شاہی روشنی کا گزر ہوا اور میں نے اسی روشنی میں تھوڑا سا سوت کات لیا۔ اب بتایئے وہ سوت میرے لیے جائز ہے یا نہیں؟۔

یہ سن کر امام احمد نے فرمایا کہ بی بی! پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو، اور اتنا دقیق مسئلہ دریافت کر رہی ہو؟۔

اس عورت نے جواب دیا کہ میں بشر حافی کی بہن ’’مخہ‘‘ ہوں۔

امام احمد رو پڑے اور فرمایا کہ وہ سوت اوروں کے لیے جائز ہو تو ہو مگر تمہارے لیے جائز نہیں۔ تم وقت کے عظیم صاحب تقویٰ بزرگ بشر حافی کی بہن ہو؛ لہٰذا تمہیں اپنے بھائی کے نقش قدم پر چلنا چاہیے جن کا اپنا عالم یہ تھا کہ اگر وہ مشتبہ کھانے پر اپنا ہاتھ بڑھاتے تو ہاتھ بھی ان کی پیروی نہیں کرتا تھا۔(۳)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اپنے پاس مال جمع ہونے کے سبب پریشان ہوئے تو ان کی زوجہ محترمہ حضرت سعدی رضی اللہ عنہا نے انھیں وہ مال قرابت داروں میں تقسیم کرنے کی تلقین کی۔

امر واقعہ کچھ یوں ہے: حضرت سعدی بیان کرتی ہیں کہ ایک دن طلحہ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے انھیں (خلافِ معمول) کسی اور کیفیت میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا: آپ کو کیا ہوا ہے؟ کیا آپ نے ہمارے ہاں کسی ناپسندیدہ بات کو دیکھا ہے جس کی وجہ سے آپ چپ ہوگئے ہیں؟۔

انھوں نے فرمایا: نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ تم ایک مسلمان کی بہترین بیوی ہو اور یہ ازراہِ تکبر نہیں بلکہ بیانِ حقیقت کے طور پر کہہ رہا ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ میرے پاس مال جمع ہو چکا ہے اور میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ اس کا کیا کروں؟۔

میں نے عرض کیا: اس میں آپ کے لیے پریشان ہونے کی تو کوئی بات نہیں!۔ اپنی قوم کے لوگوں کو بلائیے اور اس مال کو ان میں تقسیم کردیجیے۔

انھوں نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ میری قوم کے لوگوں کو بلالاؤ۔

چنانچہ انھوں نے سارا مال اپنی قوم کے لوگوں میں بانٹ دیا۔

حضرت سعدی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے خازن سے پوچھا: انھوں نے کتنا مال تقسیم کیا؟ جواب دیا: چار لاکھ۔(۴)

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ کی نگاہ میں مال کا جمع ہونا باعث مسرت وشادمانی نہ تھا بلکہ باعث تشویش تھا؛ کیوں کہ ان کی نظر مال کے سبب پیدا ہونے کے فتنوں پر تھی۔ اور پھر کتنی خوش نصیب تھی وہ مسلمان بیوی جو اپنے شوہر کو انھیں کے قرابت داروں میں مال خرچ کرنے کی تلقین کرتی ہے! اور کتنا بخت آور ہے وہ مرد جس کو اللہ تعالیٰ نے ایسی بیوی عطا فرمائی ہو۔

ذرا سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سعادت مند بیوی کو کیسا عمدہ مشورہ دینے کی توفیق عطا فرمائی اور پھر ان کے مشورے میں کس قدر تاثیر پیدا فرمائی کہ ان کی تجویز پر ان کے

شوہر نے چار لاکھ خرچ کر دیے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

ام الخیر حضرت رابعہ بصری وقت کی مشہور و معروف ولیہ گذری ہیں۔ آپ کا زہد و ورع اور عبادت و تقوی خواتین بلکہ مردوں کے لیے بھی قابل تقلید ہے۔ خواتین کے علاوہ کثیر تعداد میں جلیل القدر علما و صلحا بھی آپ کی خدمت میں آ کر فیض یاب ہوئے جن میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بطورِ خاص قابل ذکر ہیں۔

حضرت آمنہ رملیہ بھی مشہور پاکباز ولیہ گذری ہیں۔ حضرت بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ آپ کی خدمت میں آتے تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے آپ سے اپنی مغفرت کے لیے دعا کروائی۔ رات کو حضرت ام الخیر رحمۃ اللہ علیہا نے دیکھا کہ ایک رقعہ ان کی گود میں آ گرا ہے جس پر لکھا ہے کہ ہم نے تمہیں معاف کر دیا اور ہم زیادہ بھی کر سکتے ہیں۔

ملکہ زبیدہ خاتون: آپ نے اپنے دورِ حکومت میں رفاہِ عامہ کے ان گنت کام کروائے۔ آپ ایک وسیع النظر، فیاض اور غریب پرور خاتون تھیں۔ آپ کا ہمیشہ یاد رکھا جانے والا کارنامہ 'نہر زبیدہ' ہے جو آج بھی جاری و ساری ہے، نہر مکمل ہو جانے کے بعد جب آپ کو اس کے اخراجات دکھائے گئے تو وہ اتنے زیادہ تھے کہ آپ کی زبان سے بے ساختہ نکلا:

ترکنا الحساب لیوم الحساب.

ہم اِس کتاب کو اُس حساب والے دن کے لیے اُٹھا رکھتے ہیں۔

حضرت فاطمہ بنت عبدالملک کی پوری عمر قصر خلافت میں گذری کیونکہ آپ کے دادا، والد، دو بھائی اور شوہر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ہوئے ہیں۔ آپ بلند پایہ عالمہ، بے مثال سخی اور منکسر المزاج خاتون ہو گذری ہیں۔ بڑے علما اور محدثین

آپ کے تلامذہ تھے؛ لیکن آپ کے اندر علم یا قصر خلافت کے گھمنڈ کا کوئی ذرا سا بھی اثر نہ تھا۔ آپ کے شوہر نہایت سادہ مزاج اور متقی خلیفہ ہوگذرے ہیں۔ آپ نے ہمیشہ شوہر کی نیکی میں مدد اور موافقت کی۔

خواتین اسلام! حضرت ربیع بن خثیم وقت کے عظیم عارف باللہ اور عالم ربانی ہوئے ہیں، جوانی کے عالم ہی میں ان کے زہد و ورع کا چرچہ شہر شہر ہوگیا تھا۔ ظاہر ہے حاسدین عنفوانِ شباب کی یہ شہرت بھلا کیسے ہضم کر پاتے! انھوں نے ایک منصوبہ تشکیل دیا اور ایک حسین وجمیل مغنیہ کو ایک ہزار دینار حوالے کر کے کہا کہ یہ رقم صرف اس بدلے ہے کہ ربیع بن خثیم جس طرح بھی ہو تمھیں ایک بوسہ دے دے۔

اس نے کہا: تم بوسے کی بات کرتے ہو، مجھے بدکاری میں مبتلا کرنے کا فن بھی آتا ہے۔ چنانچہ وہ موقع کی تاک میں لگی رہی، اور ایک دن تنہا پا کر اُن کی بارگاہ میں گھس آئی، اور عشوہ و ناز دکھانے لگی۔

حضرت ربیع اس وقت بالکل جوان تھے، ابھی کوئی ۳۰ ر سال کی عمر تھی؛ مگر خشیت الٰہی کا چراغ چوں کہ طاقِ جاں میں روشن تھا اس لیے انھوں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اسے لات مارتے ہوئے فرمایا: اے اللہ کی بندی! ذرا سوچو اگر ابھی ملک الموت آکر تمہاری روح قبض کرلیں تو تمہارا کیا بنے گا!۔

پھر ذرا دھیان کرو کہ منکر نکیر کے سوال کے وقت تم پر کیا بیتے گی؟۔ پھر اس سے آگے بارگاہِ الٰہی میں پیشی کے وقت تمہاری مفلسی کا عالم کیا ہوگا؟۔ اور پھر اخیر میں جب تمھیں گھسیٹ کر آتش سوزاں کے حوالے کردیا جائے گا اور تم کھولتی ہوئی پیپ میں ڈبکیاں مار رہی ہوگی تو اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا؟۔

یہ سن کر وہ چیخ پڑی، اور اللہ کی بارگاہ میں رجوع لاتے ہوئے وہ بھاگ کھڑی ہوئی، اور پھر اس نے ایسی سخت عبادت وریاضت کی کہ عابدۂ کوفہ کے نام سے اسے یاد کیا جانے لگا۔

اِدھر جب حاسدوں کا منصوبہ ناکام ہوا اور اُدھر وہ مغنیہ بھی ہاتھ سے جاتی رہی تو وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور جل بھن کر کہنے لگے کہ ربیع خود تو بدلا نہیں اور اس نے اِس کو بھی بگاڑ کر رکھ دیا۔

اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ مشہور تابعی حضرت عبید بن عمیر علیہ الرحمہ کا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی فصیح زبان دی تھی، ان کی مجلس میں مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی بیٹھا کرتے تھے اور ان کے دل پر اَثر کرنے والی گفتگو سے پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں ایک جوان عورت تھی، شادی شدہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اسے غیر معمولی حسن سے نوازا تھا، یہ حسن بھی عجیب چیز ہے، بڑے بڑے بہادر پہلوان سورما اس کے ایک انداز غلط نگاہ کے وار سے ڈھیر ہو کر بسمل کی طرح تڑپنے لگتے ہیں، وہ بہادر جو کسی کے وار میں نہ آتا ہو، بسا اوقات حسن کی ایک بھولی سی نظر سے اس کے قلب وجگر کی حالت دگرگوں ہو جاتی ہے۔

یہ خاتون ایک دن آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ رہی تھی، شوہر سے کہنے لگی: کوئی شخص ایسا ہوسکتا ہے کہ یہ چہرہ دیکھے اور اس پر فریفتہ نہ ہو۔ شوہر نے کہا ہاں ایک شخص ہے۔

کہنے لگی: کون؟۔

کہا: عبید بن عمیر۔

اسے شرارت سوجھی کہنے لگی ۔ آپ مجھے اجازت دیں میں ابھی انھیں اسیر محبت بنائے دیتی ہوں۔

شوہر نے کہا: اجازت ہے۔

وہ عبید بن عمیر کے پاس آئی، کہا: مجھے آپ سے تنہائی میں ایک ضروری مسئلہ پوچھنا ہے۔ عبید بن عمیر مسجد حرام کے ایک گوشے میں اس کے ساتھ الگ کھڑے ہو گئے تو اس نے اپنے چہرے سے حجاب سرکایا اور اس کا چاند جیسا چہرہ قیامت ڈھانے لگا۔

عبید نے اسے بے پردہ دیکھ کر فرمایا: خدا کی بندی، اللہ سے ڈر!۔

کہنے لگی: میں آپ پر فریفتہ ہوگئی ہوں، آپ میرے متعلق غور کرلیں ۔ اِشارہ' دعوتِ گناہ کی طرف تھا۔

عبید بن عمیر اس کے جھانسے میں آنے والے کب تھے!۔انھوں نے اس سے کہا: میں تجھ سے چند سوالات پوچھتا ہوں، اگر تو نے صحیح اور درست جوابات دیے تو میں تیری دعوت پر غور کرسکتا ہوں، اس نے حامی بھری۔فرمایا موت کا فرشتہ تیری روح قبض کرنے آجائے اس وقت تجھے یہ گناہ اچھا لگے گا؟۔

کہنے لگی: ہرگز نہیں۔

فرمایا: لوگوں کو ان کے اعمال نامے دیے جا رہے ہوں اور تجھے اپنے اعمال نامہ کے متعلق معلوم نہ ہو کہ دائیں ہاتھ میں ملے گا یا بائیں ہاتھ میں، اس وقت تجھے یہ گناہ اچھا لگے گا؟۔

کہنے لگی: ہرگز نہیں۔

فرمایا: اللہ کے سامنے اپنے اعمال کے سوال و جواب کے لیے جس وقت تو کھڑی ہو اس وقت اس گناہ میں تجھے رغبت ہوگی؟۔

کہنے لگی: ہرگز نہیں۔

اس کے بعد اسے مخاطب کر کے فرمایا: اللہ کی بندی! ذرا اللہ سے ڈر۔اللہ نے تجھ پر بڑا انعام واحسان کیا ہے؛ لہٰذا اس کا شکر اَدا کر، اس کی نافرمانی نہ کر۔ چنانچہ وہ گھر لوٹی تو اس کے دل کی کائنات بدل چکی تھی ۔ دینوی لذتیں اور شوخیاں اسے بے حقیقت معلوم ہونے لگیں۔

شوہر نے پوچھا کیا ہوا؟ کہنے لگی: مرد اگر عبادت کر سکتے ہیں، تو ہم عورتیں کیوں نہیں

کرسکتیں، ہم کیوں پیچھے رہیں اوراس کے بعد نماز روزہ اور عبادت میں منہمک ہوکر ایک عابدہ اور پرہیز گار خاتون بن گئی۔اس کا آزاد منش شوہراس کی حالت دیکھ کر کہا کرتا تھا مجھے عبید بن عمیر کے پاس شرارت کے لیے بیوی بھیجنے کا کس نے مشورہ دیا تھا۔اس نے تو میری بیوی بگاڑ کر رکھ دی۔ پہلے ہماری ہر رات' شب زفاف تھی، اب اس کی ہر شب' شب عبادت بن گئی ہے۔اور وہ راتوں کو عبادت میں مشغول ہوکر راہبہ بن چکی ہے۔

میری پیاری ماؤں اور بہنو! خود ہمارے ہندوستان کی شہزادی جہاں آرا بیگم' شہنشاہ اورنگزیب کی بہن تھیں۔ بھائی کی طرح آپ بھی بزرگان دین اولیا کرام کی عقیدت مند، علم وادب کی شیدا اور غریبوں کی غم گسار تھیں۔آپ نے رفاہ عامہ کے کئی کام کروائے۔ آگرہ کی جامع مسجد، اجمیر کا بیگی دالان، کشمیر میں ملا بدخشانی کی مسجد اور دہلی کی سرائے آپ کی تعمیر کروائی ہوئی عمارتیں تھیں۔آپ ادیبہ بھی تھیں، اولیا اللہ کے حالات زندگی کے بارے میں آپ کی تصنیف 'مونس الارواح' معروف ومشہور ہے۔

اس طرح تاریخ کے صفحات میں بہت سی خواتین کے سبق آموز اور عبرت انگیز واقعات ملتے ہیں مگر وقت کی قلت کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اسی پر اکتفا کیا۔اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی زہد وتقویٰ کی دولت سے مالا مال فرمائے۔آمین یارب العالمین۔

و ما علینا الا البلاغ المبین

---

(۱) احیاء علوم الدین:۳۰۱/۴۔

(۲) احیاء علوم الدین:۳۰۱/۴۔

(۳) صفۃ الصفوۃ:۵۲۶/۲۔

(۴) معجم کبیر طبرانی:۹۴/۱ حدیث:۱۹۴......مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:۵۴/۹۔

عورت کا حقیقی حسن 'پردہ وحیا'

الحمد لله الكريم المنان، ذی الطول والفضل والإحسان الذی هدانا للإيمان، وفضل ديننا على سائر الأديان، ومن علينا بإرساله إلينا أكرم خلقه عليه، وأفضله لديه، حبيبه وخليله، عبده و رسوله محمد صلى الله عليه وآله وسلم، فمحا به عبادة الأوثان، وأكرمه بالقرآن المعجزة المستمرة على تعاقب الأزمان، التى يتحدى بها الإنس والجان، وأفحم بها جميع أهل الزيغ والطغيان، وجعله ربيعا لقلوب أهل البصائر والعرفان، لا يخلق على كثر التردد وتغير الأحيان، ويسره للذكر حتى استظهره صغار الولدان، وضمن حفظه من تطرق التغير إليه و الحدثان. أما بعد : فأعوذ بالله من الشيطان.

وَلاَ يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ o

خواتین ملت اسلامیہ! شیطان روزِ اول سے انسان کا دشمن ہے۔ شیطان کا مقصد انسان کو کفر تک پہنچانا ہے، کفر تک پہنچانا ہی نہیں بلکہ ہر وقت اپنے وساوس سے پریشان اور ہلاک و برباد کرنا ہے۔ خلیفہ ارضی کو شیطان نے مکر وفریب سے کفر تک ہی نہیں پہنچایا بلکہ ہلاک اور برباد بھی کیا۔ انسانی تاریخ میں کئی قومیں شیطان کے جال میں پھنس کر بری طرح گمراہ ہوگئیں۔

اس روئے زمین پر انسان کو بت پرستی تک پہنچانے میں شیطان نے بڑی لمبی چوڑی محنت کی۔ دین اسلام حق مذہب ہے، اور علم روشنی ہے۔ اولیاء اللہ چونکہ صاحب بصیرت

لوگ ہوتے ہیں جب علم کی روشنی مدھم پڑتی ہے اور لوگ صاحب بصیرت اشخاص سے دور ہو جاتے ہیں، شیطانی قوت کیلئے راستے ہموار ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

گزشتہ قومیں جس طرح بدعادات، رسومات اور گمراہی میں داخل ہوئیں ان پر شیطان نے حق کو بگاڑ کر بدعادات و رسومات اور گمراہی کو حق بنا کر پیش کیا، وہ قومیں ضلالت اور گمراہی سے بڑھ کر کفر تک چلی گئیں اور کفر کو حق سمجھے رکھا۔

قوم لوط پر جس فعل بد کی وجہ سے عذاب الٰہی نازل ہوا اس کی ابتدا شیطان نے کی۔ بنی اسرائیل کے ایک عابد کا تفصیلی واقعہ کتب میں موجود ہے۔ یہ بڑا عبادت گزار شخص تھا اور اس کی عبادت کی شہرت تھی، ایک لڑکی جس کے بھائی جہاد کیلئے جا رہے تھے اپنی بہن کو اس عابد کے پاس چھوڑ گئے کہ جب تک ہماری واپسی ہو یہ آپ کی حفاظت میں رہے۔

چنانچہ شیطان نے عابد پر اپنا جادو چلانا شروع کر دیا حتیٰ کہ یہ عابد زنا میں مبتلا ہو گیا اور لڑکی حاملہ ہوگئی، اس صورتحال سے یہ عابد پریشان ہوا تو شیطان نے اس لڑکی کو عابد سے قتل کروا دیا کچھ عرصہ گزرنے کے بعد لڑکی کے بھائی اپنی بہن کو لینے عابد کے پاس آئے تو اس عابد نے مکروفریب سے رونا شروع کر دیا اور بتایا کہ وہ بیمار ہوگئی تھی اور اسی بیماری میں موت واقع ہوگئی اور ان کو قبر دکھادی۔

لڑکی کے بھائی مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔ شیطان نے خواب میں لڑکی کے بھائیوں پر اصل حقیقت ظاہر کر دی۔ لڑکی کے بھائیوں نے قبر کھودی اور بہن کو قتل کیا ہوا پایا چنانچہ اس عابد کو گرفتار کر لیا گیا اور جب سولی پر چڑھانے کا وقت آیا، شیطان اس عابد کے پاس آیا اور کہنے لگا: اگر تو میری ایک بات مان لے تو میں تجھے بچا سکتا ہوں۔

عابد نے وعدہ کر لیا۔ شیطان نے کہا: تو اللہ کا انکار کر دے۔ اس عابد نے جب اللہ کا انکار کر دیا، شیطان وہاں سے چل دیا۔ شیطان چونکہ انسان کا کھلا دشمن ہے اس لیے ہر راستے اور موڑ پر آتا ہے جب انسان کی موت کا وقت ہوتا ہے جب تک روح جسم سے جدا

نہ ہو جائے یہ پیچھے نہیں ہٹتا چونکہ جہالت بہت بڑا اندھیرا ہے اور امت مسلمہ کا بہت بڑا طبقہ اس اندھیرے میں ڈوبا ہوا ہے۔

مسلمان' صرف نماز، روزہ، حج، زکوۃ کو دین سمجھتا ہے دیگر ارکانِ اسلام اور دینی علوم سے ناواقف ہے، اور لوگ شیطانی وسوسے کی وجہ سے اِحساس برتری کا شکار ہیں۔ہم اسلام کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں اور حالت یہ ہے دن رات بڑے بڑے گناہ سرزد ہورہے ہیں اور جہالت کی وجہ سے معلوم نہیں ہوتا یہ بھی گناہ ہے۔حلال وحرام کی تمیز تک نہیں ہے۔جب تک بندے کو گناہوں کا علم نہ ہو گناہوں سے کیسے بچ سکتا ہے!۔

مسلمان کی زبان سے اکثر یہ جملے صادر ہوتے سنے گئے ہیں: معلوم نہیں ہم سے کون سا گناہ ہوگیا، یا ہمیں کون سے گناہ کی سزا مل رہی ہے۔اگر اللہ تعالی ہر گناہ پر گرفت کرنا شروع فرمادے تو کون ہے جو بچ سکے۔ یہ تو اس کی شانِ ستاری ہے کہ ہم دن رات گناہوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں مگر وہ رحمٰن ورحیم پکڑتا نہیں ہے لیکن جب بندے کے گناہ بہت ہی زیادہ بڑھ جائیں پھر وہ پکڑتا ہے اور بندہ چیختا چلاتا ہے، اس کو پکارتا ہے فریاد کرتا ہے لیکن جب یہ بندہ صحیح سالم تندرست تھا اس وقت کبھی اس کو اللہ یاد نہیں آیا اور اب یا اللہ! رحم فرما، کرم فرما کی صدائیں بلند کرتا ہے چونکہ اس بندے نے دین اسلام کے علوم سے اپنے دل کو منور نہیں کیا اور حق راستے کی رہنمائی حاصل نہیں کی اور اللہ کی یاد سے غافل ہو گیا جس سے شیطان غالب آیا اور اس نے گناہوں میں بری طرح پھانس دیا اور یہ بندہ گناہ کر کے اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتا رہا۔

جہالت کے ساتھ غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔شیطان جب دیکھتا ہے بندہ اللہ کی یاد سے غافل ہے تو وہ اپنا زہر اندر منتقل کرنا شروع کر دیتا ہے۔غافل شخص پر شیطانی قوت کا اثر بہت بڑھ جاتا ہے حتی کہ شیطان ایسے شخص کو اپنا آلہ کار بنالیتا ہے۔آج امت مسلمہ کا بڑا طبقہ' اللہ کی یاد سے غافل ہے؛ اس لیے شیطانی طاقتیں بری طرح غالب

آ چکی ہیں یعنی جہالت اور غفلت شیطان کے بڑے راستے ہیں۔ شیطان انسان کے اندر کمزور راستے ڈھونڈتا ہے، انسان کے اندر مایوسی و ناامیدی پیدا کرتا ہے، اور گناہوں کو آراستہ کر کے دکھاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو کھلا دشمن بتایا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت‘ شیطان کے خلاف تھی۔ آپ نے امت مسلمہ کو شیطانی طاقتوں کے خلاف اٹھایا۔ فحاشی اور عریانی شیطانی معاشرت ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت میں دو چیزیں بہت نمایاں ہیں: ایک سادگی اور دوسرا حیا۔

آج میڈیا کے ذریعے سے شیطانی معاشرت کو عام کیا جا رہا ہے تاکہ مسلمان کی شرم وحیا ختم ہو جائے اور مسلمان اندر سے کھوکھلا ہو جائے۔ میڈیا شیطانی تبلیغ کا بڑا اہتھیار ہے۔ میڈیا کے ذریعے مسلمانوں کی نوجوان نسل تیزی سے بے راہ روی اور گمراہی کی طرف جا رہی ہے۔

نوجوان ساری رات ٹی وی دیکھتے ہیں اور فجر کی اذان سے قبل سو جاتے ہیں۔ امت مسلمہ میڈیا کی وجہ سے ایک طرف ایمان سے خالی ہو رہی ہے، دوسری طرف حیا ختم ہو رہا ہے۔ تیسری طرف مادہ پرستی بڑھتی جا رہی ہے۔ ہمارے اسلامی جذبات کو فنا کرنے میں میڈیا نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ جب سے کیبل سسٹم آیا ہے حالات زیادہ خراب ہوتے جا رہے ہیں۔ اور پھر رہی سہی کسر موبائل فون نے پوری کر دی ہے۔ اس لیے آنکھیں کھولنے کی ضرورت ہے۔

اس تمہید اور حمد و ثنا کے بعد اب میں براہِ راست اپنے موضوع کی طرف آ رہی ہوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی سب سے زیادہ شرف و عزت والی مخلوق اِنسان کی فطرت میں ایک ایسی صفت رکھی ہے جو یقینی طور پر خیر کا سبب بنتی ہے، جسے اللہ کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کا حصہ قرار دیا ہے۔ فرمایا :

اِلایمان بِضع و سِتون شعبة والحیاء شعبة من اِلایمانِ .

یعنی ایمان کے بہت سے شعبے ہیں، اور 'حیا' اِیمان کے حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔

جی ہاں! یہ صفت حیا ہے جو اِیمان کی کمزوری کے ساتھ کم ہوتی ہے اور اِیمان کے بڑھنے سے بڑھتی ہے، پس کسی میں پائی جانے والی حیا سے اُس کے اِیمان کی قوت و منزلت کا اندازہ ہوسکتا ہے، جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی 'حیا' کے بارے میں حضرت ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے :

کـان رسـولُ الـلّٰـهِ صلى اللّٰه عليهِ وسلم اشد حياء مِن العذراءِ فی خِدرِها .

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم اپنی چادر میں لپٹی ہوئی کسی کنواری سے زیادہ حیا والے تھے۔

اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی پاکیزہ بیوی اور ایمان والوں کی والدہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ ایک دفعہ ان کی بہن اسما بنت ابی بکر ان کے حجرہ میں داخل ہوئیں اور انہوں نے باریک لباس پہن رکھا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے ان کی طرف سے چہرۂ مبارک پھیر لیا، اور اِرشاد فرمایا :

یا اسماءُ اِن المرأة إذا بلغت المحِیض لم تصلح أن یری منها إلا هذا و هذا و أشار إلی وجهِهِ و کفیهِ .

یعنی اے اسما! جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے لیے حلال نہیں کہ اس میں سے کچھ نظر آئے، سوائے اِس کے اور اِس کے، اور (یہ فرما کر) اپنے چہرۂ مبارک اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کی طرف اِشارہ فرمایا۔

اللہ کی عطا کردہ اس صفت میں اور بہت سی صفات ہیں، یعنی یہ ایک صفت انہی جملہ صفات کا مجموعہ ہے، اوراس میں پائی جانے والی صفات میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ 'حیا' کسی بھی اِیمان والے کو بخوشی اس کی نظر کی حفاظت کرنے پر مجبور کرتی ہےاوراس سے کہیں زیادہ کسی بھی اِیمان والی کو بارضا ورغبت اس کی نظراور ساتھ ہی ساتھ ستر وحجاب یعنی پردہ داری اور پردے پر قائم رکھتی ہے، وہ پردہ داری اور وہ پردہ جو اللہ نے اس اِیمان والی پر فرض کر رکھا ہے۔

جب شرم وحیا مردوں میں ایک اچھی اور عمدہ صفت سمجھی جاتی ہے تو عورتوں میں اس صفت کا ہونا کہیں زیادہ ستائش وتعریف کا باعث ہے؛ کیونکہ عورت کا دائمی اور ہمیشہ اور ہر کسی کو اس کی جگہ اور مقام کے مطابق مرعوب اور جذب کرنے والا حسن وہ ہے جو اس عورت کے باطن میں موجود اِیمان سے منعکس ہو کر ظاہر ہوتا ہے، شاید اسی لیے کہا جاتا ہے کہ عورت کا حسن اس کی 'حیا' میں ہے۔

اور واقعتاً یہ ہے بھی حقیقت، ایسی حقیقت جس کا انکار کوئی عقل کا مارا، شہوت رانی کا شکار، اور غیرت وحیا سے عاری ہی کر سکتا ہے، جس کے معیار اللہ کی عطا کردہ صفات کے مطابق نہ رہے ہوں، پس وہ عورت کی بے پردگی اور بے حیائی کو حسن سمجھتا ہے اور اس کے حصول کی کوشش میں اپنی آخرت کی یقینی ذلت اور تباہی کما لیتا ہے اور بسا اوقات دنیا کی بھی۔ اللہ ہر مسلمان کو ہر گمراہی سے محفوظ رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اِیمان والیوں کو ان کے مالک وخالق نے اپنی طرف سے عطا کردہ اس بہترین اور پسندیدہ صفت 'حیا' کے عین مطابق اور اس کے عملی مفہوم ومطلوب کو اپنے کلام میں اِیمان والوں کے انداز واطوار اور ان کے لباس کی حدود مقرر کرتے ہوئے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کو یہ فرمانے کا حکم دیتے ہوئے یوں بیان فرمایا :

وَقُـلْ لِلْمُؤمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلاَ

يُبْـدِيْـنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ o (سورۂ نور)

اے رسول (صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم) آپ ایمان والی عورتوں کو فرما دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں جھکائے رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور وہ (ایمان والیاں) اپنی زینت (خود سے) ظاہر مت کریں ہاں جو (بلا اِرادہ) ظاہر ہو جائے (تو اس پر گناہ نہیں) اور ضرور اپنی چادروں کو (صرف سروں پر ہی نہ رکھیں بلکہ) اپنے سینوں پر (ڈھیلے پن کے ساتھ) لپیٹ لیا کریں۔

غور فرمایئے! اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: ولیتخذن خمارا (اور وہ اِیمان والیاں ضرور چادریں لیا کریں) کیوں کہ صرف چادر لینا حیا کا وہ فطری تقاضا پورا نہیں کرتا جس کے مطابق اسے بنایا گیا، بلکہ وہ تقاضا چادر کو اس طرح ڈھیلے پن کے ساتھ لپیٹنے سے پورا ہوتا ہے کہ عورت کے جسم کے نشیب وفراز ظاہر نہ ہوں۔ اور تقاضا ہے پردہ کرنا یعنی خود کو چھپائے سمٹائے رکھنا ہی عورت کی حیا کا اصل عملی مفہوم اور تقاضا ہے، اب اگر اس کو پورا کرتے ہوئے کسی اِیمان والی سے اپنی مرضی اور اختیار کے بغیر کچھ ظاہر ہو جائے تو وہ بے حیائی نہیں ہے۔

عورت کی حیا کا یہ مذکورہ بالا تقاضا دراصل شریعت نے کیا ہے، اور اس میں سے یہ استثنا کسی مخلوق کی پروازِ عقل کا شاخسانہ نہیں بلکہ خالق تعالیٰ کی مکمل اور بے عیب حِکمت میں سے ہے جیسا کہ اس نے اپنے مذکورہ بالا فرمان کے آغاز میں اِرشاد فرمایا:

وَلاَ يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا o (سورۂ نور)

اور وہ (اِیمان والیاں) اپنی زینت (خود سے) ظاہر مت کریں ہاں جو (بلا اِرادہ) ظاہر ہو جائے (تو اس پر گناہ نہیں)۔

پھر اسی حیا کا وہ مقام بھی بیان فرمایا جہاں اگر اسے اسی طور برقرار رکھا جائے تو وہ فائدہ

کی بجائے نقصان کا باعث ہوتا ہے، پس وہاں بھی اس حیا سے رخصت عطا فرماتے ہوئے اِرشادفرمایا :

وَ لاَ یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِھِنَّ اَوْ آبَائِھِنَّ اَوْ آبَاءِ بُعُوْلَتِھِنَّ اَوْ اَبْنَائِھِنَّ o (سورۂ نور:۳۱)

اور(اِیمان والیاں) اپنی زینت کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے یا اپنے باپوں کے یا اپنے سسروں پر یا اپنے بیٹوں پر۔

اللہ تعالی کے ان فرامین سے صاف طور پر یہ واضح ہوتا ہے کہ عورت کی حیا کی اساس اور اصل حکمت اس کا پردہ ہے اس کا ڈھکا چھپا رہنا ہے۔کیونکہ اللہ تعالی نے پردے کے ان احکامات کے آغاز میں اس بات کا حکم دیا کہ عورت اپنے آپ اور اپنی زیب وزینت کو کس طور ڈھانپ اور چھپا کر رکھے، اور پھر اس حکم میں سے خاونداور دیگر کچھ رشتہ دار مردوں کے سامنے ہونے اور ان سے، ملنے جلنے کے بارے میں کچھ محدود رخصت عطا فرمانے کے بعد پھر اسی اصل کی طرف واپس لاتے ہوئے مزید حکم فرمایا :

وَلاَ یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِھِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِھِنَّ o

اور(اِیمان والیاں) اپنے پاؤں بھی زور سے مت ماریں تا کہ ان کی چھپی ہوئی زینت ظاہر ہو۔

یعنی اس بات کی بھی اجازت نہیں دی گئی کہ اِیمان والی عورت اپنے پاؤں کو ہی اس لیے زور سے زمین پر رکھے یا مارے کہ اس کی پازیب وغیرہ کی آواز ظاہر ہو اور کوئی غیر مرد اس کی طرف متوجہ ہو۔

سبحان اللہ! اِس آیت مبارکہ میں اللہ تعالی نے عورت کے پاؤں کے زیور بلکہ اس سے نکلنے والی آواز کو بھی چھپائے رکھنے کا حکم دیا، اِن احکامات کو وہی دِل و دِماغ بخوشی قبول کریں گے جن میں اِیمان کی روشنی ہوگی، اور جتنی زیادہ یہ روشنی ہوگی اتنا ہی زیادہ

اِن احکامات پر عمل ہوگا اور جتنا زیادہ اِن پر عمل ہوگا اتنا ہی حسن ظاہر ہوگا، کیونکہ عورت کا حسن اس کی بے پردگی میں نہیں، اس کی بے لباسی میں نہیں، وہاں تو صرف ظاہری اور وقتی جاذبیتیں ہوتی ہے جو عموماً نفسانی خواہشات و جذبات پر منحصر ہوتی ہے جو اس خواہش یا جذبے کے ساتھ ساتھ رخصت ہو جاتی ہے، اور پھر وہی بے پردگی، بے حجابی اور عریانیت زدہ حسن جو اللہ کی نافرمانی کروا رہا ہوتا ہے بے کیف لگتا ہے اور ہوس کے مارے ہوئے کسی اور بے حیا کی تلاش میں لگ جاتے ہیں۔

عورت کا اصل حسن وہ ہے جو مرد کو ہمیشہ اس کا گرویدہ کیے رکھے اور وہ حسن اس کی حیا میں ہے، جس کی کشش، جس کا احترام، اور جس کی جاذبیت ہر رشتے اور تعلق کے مطابق الگ الگ ہوتی ہے۔

پس اِیمان والیاں اپنے اِس فطری حسن کو اللہ کی تابع فرمانی میں نکھارتی رہتی ہیں، اور اِیمان والے ان کے مددگار رہوتے ہیں :

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكوٰةَ وَ يُطِيعُونَ اللّٰهَ وَ رَسُولَهُ اَولٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ (سورۂ توبہ:۷۱)

اور اِیمان والے اور اِیمان والیاں ایک دوسرے کے ساتھی اور مددگار ہیں (کہ) نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم) کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی ہیں جن پر جلد ہی اللہ رحم فرمائے گا بے شک اللہ بہت ہی زبردست اور حکمت والا ہے۔

لہٰذا ہر ایک اپنے اپنے اِیمان کی حالت اور اس کی قوت اپنے اندر پائی جانے والی

حیا اوراس کے بارے میں اپنے خیالات اور اپنے عمل کے ذریعے جان سکتا ہے کہ کون بے حیائی کو پسند کر کے خلافِ اِیمان کام کرنے والوں میں ہےاور کون باحیارہ کرنیکی اور خیر میں اپنے کلمہ گو بھائیوں اور بہنوں کا مددگار رہے۔

لیکن آج جدید تہذیب نے اسلام کے پیش کردہ ان تمام مصالح واَسرار سے منہ چرا کرآزادیِ نسواں کا ایک پرفریب نعرہ ایجاد کیا اور صنفِ نازک کوگھر کی سلطنت سے باہر نکال کرگلی کوچوں میں رسوا کیا اور زندگی کی پرخار وادیوں میں اسے مردوں کے دوش بدوش چلنے پر مجبور کیا۔ جوفرائض مردوں کے ذمہ تھے ان کا بوجھ بھی عورتوں پر ڈالا۔اس کے بعد تعلیم نسواں کے فسونِ ساحری نے عورت کو جدید تعلیم اور جدید تہذیب کے قالب میں ڈھالا اوراب عورتوں کے لیے اعلیٰ تعلیم ایک فیشن بن گیا۔

ڈگری حاصل کرنے کے بعد اب ضرورت ہے کہ ملازمتوں میں انہیں بھی برابر کا حصہ دیا جائے۔ پہلے مردوں کے لیے ملازمت کی جگہ کا سوال تھا اب عورتوں کے لیے ملازمت کا اس پر مزید اضافہ ہوگیا۔ہمیں خوب معلوم ہے کہ جدید طبقہ کس ذہن سے سوچنے کا عادی ہو چکا ہے؛ اس لیے ہمیں توقع نہیں کہ اس گردابِ بلا میں پھنس جانے کے باوجود وہ کسی ناصح مشفق کی بات سننا گوارا کرے گا تاہم ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ جدید تہذیب نے عورت سے بدترین مذاق کر کے شرفِ انسانیت کو بٹہ لگا دیا ہے۔

پردہ' عورت کا فطری حق

پردہ عورت کا فطری حق ہے۔عورت گھر میں ہو یا بازار میں، کالج میں ہو یا یونیورسٹی میں، یا دفتر اور عدالت میں ہو، وہ اپنی فطرت کوتبدیل کرنے سے قاصر ہے۔وہ جہاں ہو گی اس کے ضمیر کی خلش اور فطرت کی آواز اسے پردہ کرنے پر مجبور کرے گی۔ وہ بے دین قومیں جوعورت کی فطرت سے اندھی اور خالقِ فطرت کے احکام سے ناآشنا ہیں وہ

اگر عورت کی پردہ دری کے جرم کا ارتکاب کریں تو جائے تعجب نہیں؛ مگر ایک مسلمان جس کے سامنے خدا ورسول کے احکام اور اس کے اکابر کا شاندار ماضی موجود ہو اس کا اپنی بہو بیٹیوں کو پردے سے باہر لے آنا مردہ ضمیری کا قبیح ترین مظاہرہ ہے۔ عورت کی ساخت وپرداخت اس کی عادات واطوار اور اس کی گفتار ورفتار پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ وہ عورت (مستور) ہے اسے ستر (پردہ) سے باہر لانا اس پر بدترین ظلم ہے۔

ستم ظریفی کی حد ہے کہ وہ عورت جو عصمت وتقدس کا نشان تھی اور جس کی عفت ونزاہت سے چاند شرماتا تھا، اسے پردہ سے باہر لا کر اس سے ناپاک نظروں کی تسکین اور نجس قلوب کی تفریح کا کام لیا گیا۔ جدید تہذیب میں عورت زینتِ خانہ نہیں شمعِ محفل ہے۔ اس کی محبت وخلوص کی ہر اَدا اپنے شوہر اور بال بچوں کے لیے وقف نہیں بلکہ اس کی رعنائی وزیبائی وقف تماشائے عالم ہے۔ وہ تقدس کا نشان نہیں کہ اس کے احترام میں غیر محرم نظریں فوراً نیچے جھک جائیں بلکہ وہ بازاروں کی رونق ہے۔

آج دو پیسے کی چیز بھی عورت کی تصویر کے بغیر فروخت نہیں ہوتی، اس سے زیادہ نسوانیت کی ہتک اور کیا ہوسکتی ہے؟۔ کیا اسلام نے عورت کو یہی مقام بخشا تھا؟ کیا جدید تہذیب نے عورت پر یہی احسان کیا ہے؟؟ کیا یہی آزادی نسواں ہے جس کے لیے گلے پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگائے جا رہے ہیں؟؟؟۔

اسلام کی نظر میں عورت ایک ایسا پھول ہے جو غیر محرم نظر کی گرم ہوا سے فوراً مرجھا جاتا ہے، اسے پردہ سے باہر لانا دراصل اس کی فطرت کی توہین ہے۔ ادھر عورتیں پردے سے باہر آئیں اُدھر انہیں زندگی کی گاڑی میں جوت دیا گیا۔

تجارت کریں تو عورتیں، وکالت کریں تو عورتیں، صحافت کے شعبہ میں جائیں تو عورتیں، عدالت کی کرسی پر متمکن ہوں تو عورتیں، اسمبلی میں جائیں تو عورتیں؛ الغرض کاروباری زندگی کا وہ کون سا بوجھ تھا جو مظلوم عورت کے نازک کاندھے پر نہیں ڈال دیا گیا۔

سوال یہ ہے کہ جب یہ تمام فرائض عورتوں کے ذمہ آئے تو مرد کس مرض کی دوا ہیں؟ اسلام نے نان ونفقہ کی تمام ذمہ داری مرد پر ڈالی تھی؛ لیکن بزدل 'مغرب' نے مردوں کے دوش بدوش چلنے کا جھانسہ دے کر یہ سارا بوجھ اٹھا کر عورت کے سر پر رکھ دیا۔

جدید تہذیب کے نقیبوں سے کوئی پوچھنے والا نہیں کہ یہ عورت پر احسان ہوا یا بدترین ظلم؟۔عورت گھر کے فرائض بھی انجام دے، بال بچوں کی پرورش کا ذمہ بھی لے، مرد کی خدمت بھی بجالائے اور اسی کے ساتھ ساتھ کسبِ معاش کی چکی میں بھی پسا کرے؟۔ ظاہر ہے کہ عورت کے فطری قویٰ اتنے بوجھ کے متحمل نہیں ہوسکتے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گھر کا کاروبار نوکروں کے سپرد کرنا پڑا۔ بچوں کی تربیت وپرداخت ماماؤں کے حوالے کی گئی۔روٹی' ہوٹل سے منگوائی گئی، گھر کا سارانظام تو ابتر ہوا ہی باہر کے فرائض پھر بھی عورت یکسوئی سے ادا نہ کر پائی، نہ وہ کرسکتی ہے۔ پھر مردوزن کے اختلاط اور آلودہ نظروں کی آوارگی نے معاشرہ میں جو طوفان برپا کیا اس کو بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ یہ ہے آزادیِ نسواں اور تعلیمِ نسواں کا پرفریب افسوں! جس نے انسانیت کو تہ وبالا اور معاشرے کو کرب واضطراب میں مبتلا کرکے رکھ دیا ہے۔

انھیں ساری برائیوں پر روک تھام لگانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اچھائی جاری فرمائی، وہ نکاح کی سنت ہے اور نوجوانوں کو اس کی ترغیب فرمائی۔ اپنے فداکار اور جاں نثار ساتھیوں سے آپ ﷺ نام لے کر فرمایا کرتے تھے، تم نکاح کیوں نہیں کرتے؟ چوں کہ عذر اکثر وبیشتر ناداری کا ہوتا تھا، تو آپ ﷺ اپنے پاس سے کچھ مرحمت فرما کر اپنے نوجوان صحابہ کا نکاح کرادیا کرتے تھے، جن حضرات کا بدوبست پھر بھی نہ ہوسکتا انھیں کثرت سے روزہ رکھنے کی ترغیب فرمائی۔

عورتوں کی ذرا سی بے باکی سے مردوں کو آگے بڑھنے کی جرأت ہوجاتی ہے، اس لیے ان کی شرافت کو زیادہ پابند کیا گیا ہے۔ مثلاً نگاہ نیچی رکھیں، غیر لوگوں کو اپنا بناؤ

سنگھار نہ دکھائیں، زیور کو ظاہر نہ کریں، باہر نکلنا ضروری ہو تو بن ٹھن کر نہ نکلیں، بیچ راستہ کترا کر کنارے کنارے چلیں، راستہ میں کسی مرد سے بات نہ کریں، نامحرم مرد عورت مل کر نہ بیٹھیں، کسی مرد کو خاوند کی غیر موجودگی میں گھر میں داخل نہ ہونے دیں، ہمارے دین کی یہ تمام باتیں درحقیقت ''لاتقربوا الزنا'' (زنا کے قریب بھی نہ بھٹکو) کی تشریح ہیں۔سورۂ نور کی آیت :

''اور اپنی اوڑھنی اپنے گریبانوں سینہ پر ڈال دیں'' جب نازل ہوئی تو اہل ایمان خواتین نے قرآن کریم کا یہ حکم سنتے ہی فوراً اس کی تعمیل کی۔

ان کی تعریف کرتے ہوئے ام المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سورۂ نور نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ سے اس کو سن کر لوگ گھروں کی طرف پلٹے اور جا کر انھوں نے اپنی بیویوں، بیٹیوں اور بہنوں کو یہ آیت سنائی۔انصار کی عورتوں میں سے کوئی ایسی نہ تھی جو یہ الفاظ سن کر اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی ہو، ہر ایک اُٹھی اور کسی نے اپنا کمر بند کھول کر اور کسی نے چادر اُٹھا کر فوراً اس کا دوپٹہ بنایا اور اُوڑھ لیا۔ دوسرے روز صبح کی نماز کے وقت جتنی عورتیں مسجد نبوی میں حاضر ہوئیں سب دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھیں۔

اسی سلسلے کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ عورتوں نے باریک کپڑے چھوڑ کر اپنے موٹے کپڑے چھانٹے اور ان کے دوپٹے بنائے، پردہ میں عافیت اور حفاظت ہے۔سورۂ احزاب کی آیت ۵۹ میں پردہ کرنے کی مزید تفصیل آئی ہے: اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنے اوپر چادریں نیچے تک لٹکائیں۔یعنی اپنی چادریں اچھی طرح اوڑھ لپیٹ کر ان کا ایک حصہ یا ان کا پلو اپنے اوپر سے لٹکا لیا کریں، جسے عرف عام میں گھونگھٹ کہتے ہیں۔ پردہ کا عام مفہوم یہ بتایا جاتا ہے کہ کسی کو پتا نہ چلے کہ جسم کا کوئی حصہ کیسا ہے؟ کہاں ہے؟ ایسا پردہ ہوگا تو انشاء اللہ بدکاری کی شکلیں پیدا نہ ہوں گی۔

اللہ کے حبیب ﷺ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر کتنی پابندی سے عمل کرتے اور کراتے تھے! اس کی ایک مثال یہ حدیث پاک ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کا خادم تھا اور بغیر اجازت گھر میں داخل ہو جایا کرتا تھا، ایک دن میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ٹھہر جاؤ! اے میرے بیٹے! تیرے جانے کے بعد نیا حکم نازل ہوا، اب بغیر اجازت اندر مت آنا۔ (نئے حکم سے پردہ کا حکم مراد ہے)۔

اب آپ دیکھ لیجیے کہ پرانا خادم ہے، چھوٹی سی عمر ہے، گھریلو ضروریات دن رات اس کے ساتھ لگی ہوئی ہیں لیکن اللہ کے حبیب ﷺ نے حکم شرعی میں سے استثنا نہیں فرمایا۔ اس پر بھی اللہ کا حکم پورا لاگو کیا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بھی استثناؤں سے باہر نکلیں اور یہ سب کہنا بند کریں، یہ تو دیور ہے، یہ تو کزن ہی ہیں، یہ فرینڈ ہے، نہ جی! ایک گھر میں جو رہنا ہوا وغیرہ وغیرہ۔ یہ بے حد خطرناک باتیں ہیں سب کی سب۔ بعد کو بہت رونا پڑتا ہے، اسی دنیا میں، پھر اس کا علاج بھی نہیں ملتا۔ آخرت کا رونا الگ، جو اصل مصیبت ہے۔

یقیناً شریعت میں نیک عورت کا بڑا درجہ ہے۔ لہٰذا مردوں کو چاہیے کہ اپنی نیک بیویوں کی قدر کریں، دوسری طرف اس بات کو ضرور سوچیں اور بار بار غور کریں کہ اگر بدکار ہو گئے تو تمہاری عورتیں اور اولادیں تم سے بھی آگے بڑھ جائیں گی تو پھر کافروں کی ثقافت سے بچ کے رہنا، ان کے ہر پروگرام، ہر اسکیم، اور ہر تفریح کا آخری نتیجہ یہی بدعملی اور بدکاری ہوتا ہے۔ مغرب اور مشرق کا میڈیا دن رات یہی نیکی تو کما رہا ہے۔ اپنی چاندی بنا رہا ہے اور انسانیت کو ایڈز کے خوفناک غاروں میں ڈھکیل رہا ہے۔

اللہ ہم سب کو سچی اِیمان والیاں بننے کی ہمت دے، اور پردہ و حیا کو ہمارا زیور کر دے۔ آمین یارب العالمین۔

و ما علینا الا البلاغ المبین

سیدۂ کائنات کے نقوشِ سیرت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجاً وَجَعَلَ لَکُمْ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ بَنِیْنَ وَحَفَدَةً وَرَزَقَکُمْ مِنَ الطَّیِّبَات ، وَاَشْهَدُ اَن لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَحْدَهٗ لاَ شَرِیْکَ لَهٗ یَعْلَمُ مَا فِی الاَرْضِ وَ مَا فِی السَّمٰوَات ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُولُهٗ وَحَّدَ اللّٰهُ بِهِ الاُمَّةَ وَجَمَعَهَا مِنْ شِتَات، صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ کُلِّ مَنْ سَلَکَ سَبِیْلَ النَّجَاة وَ سَلَّمَ تَسْلِیْمًا. اما بعد ! فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم .

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ کَانَ یَرْجُو اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَکَرَ اللّٰهَ کَثِیْرًا ٥ (سورۂ احزاب:۳۳/۲۱)

محترم المقام خواتین اسلام! یوں تو گلستانِ محمدی کا ہر پھول اپنی جگہ نور و نگہت کا مصدر اور اَنوار و تجلیات کا منبع ہے۔ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین، امہات المومنین رضی اللہ عنہن اور عترت و آلِ محمد وہ خوش قسمت طبقات ہیں جو بتوفیق اَیزدی دن رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درِ انور سے وابستہ رہے اور اللہ تعالی نے انھیں فیض نبوت سے براہِ راست اَنوار جذب کرنے کا نادر موقع عنایت فرمایا؛ لیکن اس وقت ہمارا موضوع ایک ایسی ہستی کا تذکرہ ہے جو نہ صرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اَنوارِ صحبت سے اکتساب کرتی رہیں بلکہ رہتی دنیا تک اس حرم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیوضات و خیرات کی وہ قاسم بھی ہیں یعنی سیدۂ کائنات، مالک ردائے تطہیر، چمن زارِ مصطفوی کی بہار، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

امام ترمذی، امام احمد، امام نسائی، امام ابن حبان اور امام حاکم وغیرہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک فرشتہ آسمان سے اُترا اس نے اللہ کی اجازت سے مجھے سلام کیا اور بشارت دی کہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ بے شمار ایسی احادیث، آثار اور اقوال ہیں جن میں آپ کے فضائل ومناقب کا قابل رشک ذکر ملتا ہے؛ لیکن یہاں مقصود، بیانِ فضائل نہیں بلکہ آپ رضی اللہ تعالی عنہا کی شخصیت مطہرہ اور سیرت طیبہ کا تذکرہ ہے۔ وہ شخصیت جس میں اُسوۂ رسول کا عکسِ جمیل پوری آب وتاب کے ساتھ جھلکتا ہے اور وہ سیرت جس کی پاکیزگی پر فردوس بریں کی حوریں ہزار بار قربان ہیں۔

خواتین اسلام کے لیے سیدہ کائنات رضی اللہ عنہا کی ذات بابرکات اسی طرح اُسوہ کامل ہے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کے لیے اُسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔ علامہ اقبال نے حضرت سیدہ فاطمہ کے حضور بڑی خوبصورتی، عقیدت اور کمال محبت سے نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔ مثلاً اس ایک شعر میں ان کی بلند مرتبہ شخصیت کا مکمل نقشہ کھینچتے ہوئے کہتے ہیں۔

مزرع تسلیم را حاصل بتول ☆ مادراں را اسو کامل بتول

یعنی آپ تسلیم و رضا کی کھیتی کا حاصل اور مسلمان ماں کے لیے مکمل اور اعلی ترین نمونہ ہیں۔

دخترانِ اسلام! ہر شعبہ زندگی میں اپنے آپ کو حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالی عنہا کی حیات مقدسہ کے آئینے میں دیکھیں تو ایک مثالی بیٹی، وفا شعار بہن، قابل رشک بیوی اور کامیاب ماں کی خصوصیات درجہ کمال پر ملتی ہیں۔ شہزادی کونین اور شمع شبستان حرم نبوی حضرت فاطمہ کی پاکیزہ سیرت اور حیات طیبہ ہر دور کی مسلمان خواتین کے لیے ہر لحاظ سے نمونۂ کمال اور واجب الاتباع ہے لہٰذا آپ کی حیات مقدسہ سے

روشنی کشید کر کے موجودہ دور کی خواتین کو واضح نمونہ عمل دکھانا وقت کی اہم ترین دینی ضرورت ہے۔اس لیے کہ ہر خاتون اگر وہ معاشرے میں نیکی، بھلائی اور حسن عمل کے نقوش چھوڑنا چاہتی ہے تو اس کے لیے اپنی پوری زندگی کو نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں پروان چڑھنے والے اُسوہ فاطمۃ الزہرا میں ڈھالے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ تین پہلوؤں کے حوالے سے اسوہ بتول پر روشنی ڈالوں۔

۱ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے نقوش سیرت بطور بیٹی

۲ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے نقوش سیرت بطور بیوی

۳ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے نقوش سیرت بطور ماں

نقوشِ سیرتِ سیدۂ کائنات بطور بیٹی

شہزادیِ کونین حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت پانچ سال کی تھیں۔اس عمر میں بالعموم ہر بچہ خارجی حالات وواقعات کا شعور رکھتا ہے۔گویا فاران کی چوٹیوں سے چمکنے والا آفتابِ نبوت جس کی کرنوں نے پوری انسانیت کو یکسر بدل کر رکھ دیا اس کی پہلی جھلک سے مستنیر ہونے والے چند خوش قسمت نفوس میں آپ بھی شامل تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غارِ حرا سے کئی کئی دنوں بعد لوٹتے ہوں گے تو یقیناً ننھی سیدہ دوڑ کر دروازے پر آپ کا استقبال کرتی ہوں گی اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لپک کر ان کو اپنے منور سینے سے لگاتے ہوں گے۔ یوں ابتدائے وحی اور اس کی جملہ کیفیات نہ صرف آپ نے ملاحظہ فرمائیں بلکہ تجلیاتِ الٰہیہ کو بالواسطہ جذب کرنے کا موقع بھی ملتا رہا، نیز اسلام کی خاتونِ اوّل حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالی عنہا کی تربیت نے بھی آپ کی زندگی پر گہرے اَثرات ثبت کیے۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر روزمرہ زندگی کے معمولات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہ کسی کونہیں پایا۔(ترمذی)

مراد یہ ہے کہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اپنے اخلاق وکردار، ذات و صفات، عبادت و بندگی اورقول وفعل میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ تھیں۔ایسا کیوں نہ ہوتا، آپ بچپن سے لے کرتادمِ حیات' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جتنی قریب رہی ہیں اس کا لازمی تقاضا بھی یہی تھا اور پھر آپ سے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب مبارک آگے چلنا تھا؛ اس لیے قدرت نے آپ کو رسالت محمدی کا مکمل پرتو بنادیا تھا۔ یہی حالت سیدنا امام حسن، سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالی عنہما اور بقیہ ائمہ اہل بیت کی تھی۔ جس کو بھی دیکھیں وہ قول وعمل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل شبیہ لگتا تھا۔کیا خوب فرمایا ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے ؎

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور، تیرا سب گھرانہ نور کا

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالی عنہا کی پوری حیات مقدسہ بناوٹ، تکلف اورزیب وزینت سے پاک تھی؛ حتی کہ عمدہ کھانے یا زرق برق لباس پہننے کی بھی کبھی تمنا نہ ہوئی۔ اس سلسلے میں بعض کتب سیر میں ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ ایک بار حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالی عنہا کو کسی تقریب میں جانا تھا۔حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے لیے نیا لباس یا دیگر سامان زیب وزینت نہ تھا۔ دل میں خیال آیا کہ مکہ کی رئیسہ اور بنو ہاشم کے چشم وچراغ کی اہلیہ ہوں، فاطمہ اپنی ہم عمر سہیلیوں کو آراستہ وپیراستہ دیکھ کر احساس کمتری کا شکار نہ ہوجائے، یہ سوچ کر تقریب میں جانے کا پروگرام ملتوی کردیا، سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے پوچھا امی جان! آپ کیوں نہیں جاتیں؟ فرمایا

بیٹی! میں تمہیں اس حالت میں کیسے لے کر جاؤں؟ عرض کرنے لگیں: امی جان! میرے نزدیک اس سامان کی کوئی حیثیت ہی نہیں کیونکہ مجھ سے میرے اپنے والد بزرگوار نے فرمایا ہے کہ ایک مسلمان بیٹی کا زیور تقویٰ وطہارت اور پرہیزگاری ہے- اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس حقیقی زیور سے آراستہ ہونے کی توفیق عطا فرمائے-

خواتین ملت اسلامیہ! عورت کتنی بھی نیک اور خوش خصال کیوں نہ ہو، دوسری عورت کی عیب جوئی کرنا بالعموم اپنا حق سمجھتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود دو صحابیات کو روزہ رکھوا کر اُن کے سامنے پیالہ رکھا اور جب قے کروائی تو خون اور گوشت کے لوتھڑے دکھائی دیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے غیبت کر کے گویا اپنے مسلمان بھائی بہنوں کا گوشت کھایا ہے۔

قرآن کریم نے بھی غیبت کو زندہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا ہے؛ لیکن حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بچپن سے ہی غیبت اور عیب جوئی سے نفرت کرتی تھیں۔ ایک بار کچھ عورتیں اکٹھی ہوئیں اور حسب عادت دوسری عورتوں کی غیبت کرنا شروع کر دیں۔ آپ فوراً وہاں سے اٹھ کر چلی گئیں۔ سبب پوچھنے پر فرمایا۔ میرے والد گرامی نے غیبت کرنے اور سننے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے مبدأ فیض رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیوضاتِ ظاہری و باطنی کے علاوہ ذہانت کا بھی وافر حصہ پایا تھا۔ اس لیے ہر ذہین بچے کی طرح آپ بھی مظاہر قدرت کو دیکھ کر اس کے خالق کا سراغ لگاتی تھیں۔ ایک روایت میں آپ کے اسی قسم کے واقعہ کا ذکر ملتا ہے کہ ایک دن سیدۂ کائنات نے والدۂ ماجدہ حضرت سیدہ خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا سے استفسار کیا امی جان! جس اللہ جل مجدہ نے ہمیں اور اس پوری کائنات کو پیدا کیا ہے کیا ہم اسے بھی دیکھ سکتے ہیں؟ اس پر حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا نے حکمت کے ساتھ اللہ تعالی کی عبادت و بندگی اور اس کی

معرفت کے حصول کے طریقے بتائے اور فرمایا کہ اس کے برگزیدہ بندے دنیا میں اللہ تعالی کے جلووں کا نظارہ کرتے ہی ہیں، آخرت میں اللہ تعالی انہیں اپنے دیدار سے ضرور مشرف فرمائے گا۔ اس طرح سرور کائنات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سارا دن دعوت حق کے کٹھن فریضے کی انجام دہی کے بعد گھر واپس آتے تو از راہ شفقت حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو معرفت دین پر مبنی باتیں بتاتے جنہیں وہ خداداد ذہانت کے سبب مِن وعَن یاد کر لیتیں اور والدہ محترمہ کے پوچھنے پر انہیں سنا بھی دیتیں۔ یوں آپ نے آغوشِ نبوت میں علوم و معارف کے دریا اپنے اندر جذب کیے اور فیوضِ نبوت کی وارث اور مخزن قرار پائیں۔

اللہ تعالی نے انسان کو دوسری مخلوق کے مقابلے میں اضافی خصائص سے نوازا ہے، ان میں جذبہ ایثار وقربانی بھی ایک اہم صفت ہے۔ یہ ایمان کی علامت، تقوی کا معیار اور انسانیت کا شرف ہے۔ حضرت سیدۂ کائنات رضی اللہ تعالی عنہا میں یہ جذبہ کیوں نہ ہوتا ان کے والد، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ایثار کے پیکر اور قربانی کا عنوان تھے۔ آپ کے متعلق زیادہ واقعات تو محفوظ نہیں تاہم یہ تو مسلمہ حقیقت ہے کہ آپ نے معصوم عمر میں مصائب وآلام کی جتنی کٹھن گھاٹیاں اہل خاندان کے ساتھ عبور کیں ان میں قدم قدم آپ کی صبر واِستقامت اور ایثار وقربانی کا جذبہ کارفرما تھا۔

بعض کتب میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ فاطمہ نامی ایک عورت جو شام کے کسی رئیس کی لڑکی تھی، تورات، زبور اور انجیل کی عالمہ تھی۔ وہ ایک مرتبہ شام سے مکہ میں آئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر بہت سے تحائف لے کر آئی یہ تحائف اس نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ نے خاتون کا استقبال کیا، اس کی خاطر تواضع کی، پھر فرمایا کہ اگر آپ اجازت دیں تو یہ تحائف اہل اسلام میں تقسیم کر دوں؟ اس نے بخوشی اجازت دے دی اور آپ نے سب تحائف تقسیم کے لیے بھیج دیے۔ اس عمر میں اِیثار کی یہ شان اور دنیا کے مال واسباب سے بے رغبتی کی کیفیت دیکھ کر

وہ اجنبی عورت ورطہ حیرت میں ڈوب گئی۔اور پھر ایسا کیوں نہ ہوتا کہ وہ شہزادی کون ومکاں کی بارگاہ میں بیٹھی تھی جو خدا کی نعمتوں کے قاسم کی حقیقی وارث تھیں، جہاں صبح وشام دنیا و آخرت کے خزانے بٹتے تھے اور قیامت تک فیض کا یہ دریا پوری جولانیوں کے ساتھ اسی طرح جاری رہے گا۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے بچپن کی سیرت کا تذکرہ اُدھورا رہے گا اگر والدین کے ساتھ آپ کی کیفیت محبت واطاعت کی جھلک نہ دکھائی جائے۔واقعہ یہ ہے کہ سید دو عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورِ نظر اور لختِ جگر ہونے کے ناطے جملہ صفات' قدرتی طور پر آپ کی شخصیت مطہرہ کا جزوِ لاینفک تھیں۔اس لیے والدین کی اطاعت جیسی طبعی،فطری صفت اور اس تعلق محبت کی کیفیت کا اندازہ لگانا ہمارے فہم و اِدراک سے ماورا ہے۔حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے فیض نظر نے جس طرح حضرت سیدنا اِسماعیل علیہ السلام کو کمسنی میں آدابِ فرزندی سکھا دیے اور وہ پدرِ بزرگوار کے ایک اِشارے پر اپنا سرتن سے جدا کروانے کے لیے تیار ہو گئے تو محبوب خدا، سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیضانِ نظر نے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو کس قدر اعلیٰ اور پاکیزہ آداب سے آراستہ کیا ہوگا؟اس اطاعت ومحبت کی گہرائیوں تک ہمارے تصورات کی رسائی کیسے ممکن ہے کہ اسے،ہم الفاظ کا جامہ پہنا کر آپ کی سماعتوں کی نذر کر سکیں؟۔

اس کی ایک جھلک دیکھنی ہو تو حضرت سیدنا امام حسن وحضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما کی سیرت وکردار اور دین کی خاطر ان کی قربانیوں کا انداز دیکھا جا سکتا ہے۔یہ اسی فیضانِ نظر کے کرشمے تھے کہ کربلا کے ریگزاروں سے لے کر اطراف واکنافِ عالم میں آج تک حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نسبی فرزندوں کی قربانیوں کا لازوال سلسلہ جاری وساری ہے۔

خواتین اسلام! مذکورہ نقوشِ سیرت سے حاصل ہونے والے نکات جو ایک مسلمان

بیٹی کے لیے راہنما اُصول کی حیثیت رکھتے ہیں وہ یہ ہیں کہ ایک بیٹی کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ والدین کی خدمت و اِطاعت' دل و جان سے کرے۔ جدید نسل اور بالخصوص تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ اپنے والدین کی عزت وتوقیر نہیں کرتا۔ خاص طور پر مذہبی اور دینی نصیحت کو نفرت کی حد تک رد کرتا ہے، ایسی اولاد دنیا و آخرت میں اللہ تعالی کے غضب کی مستحق ہے۔ بیٹی' والدین کی جائز خواہشات پر مر مٹنے کے لیے تیار رہے، ان کی عزت و ناموس کا خیال رکھے، اور اپنی عفت وحیا کو داغدار ہونے سے حتی الوسع بچائے رکھے۔

والدین کے لیے راحت وسکون کا باعث ہو نہ یہ کہ شرم و عار کا سبب بنے۔ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تو اس وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈھارس تھیں جب اپنوں اور بیگانوں نے تلواریں نیام سے باہر نکال رکھی تھیں اور سب آپ کے جانی دشمن ہو چکے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ دور کھیل کود میں مگن رہنے کا تھا لیکن قربان جائیں اس تقدس مآب شہزادی کی عظمتوں پر کہ اس کم سنی میں بھی سراپا اطاعت اور مونس و غمخوار رہیں۔

اگر والدین معاشی اعتبار سے تنگ دست ہوں تو کفایت شعاری اپنائے۔ بلاوجہ فرمائشیں' اخراجات میں اضافے کا سبب بنتی ہیں۔ بنت رسول جو ناز و نعم میں پلنے والی تھیں مگر شعب ابی طالب میں اہل خاندان کے ہمراہ تین سال درختوں کے پتے اور ٹہنیاں کھا کر انھوں نے گزارہ کر لیا لیکن زبان پر حرفِ شکایت نہ لایا۔

تعلیم وتربیت کے حصول میں محنت، لگن اور دلچسپی ضروری ہے۔ والدین یا اساتذہ کی اچھی باتوں کو پلے باندھ کر ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ یہی اس کے سیکھنے اور علم کو عمل میں ڈھالنے کا سنہری دور ہے۔

اگر سوتیلی ماں کے ساتھ رہنا پڑے تو صبر و استقامت اور اطاعت ومحبت کا ویسا ہی مظاہرہ کرے جیسا کہ اپنی حقیقی ماں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ

تعالی عنہا کے انتقال کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ تعالی عنہا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا یکے بعد دیگرے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں اور گھر میں آپ کے ساتھ رہتی تھیں مگر کبھی کسی کو آپ سے شکایت نہ ہوئی بلکہ سب کی سب امہات المومنین رضی اللہ عنہن آپ کے محاسن واَخلاق کی دل وجان سے معترف تھیں اور خاص بات یہ ہے کہ آپ کے فضائل ومحاسن پر مبنی اکثر احادیث حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہیں۔

خویش واقارب، بہن بھائیوں اور عزیزوں سے حسن سلوک بھی سیدۂ کائنات کی سیرت کا تابناک پہلو ہے۔

نقوشِ سیرتِ سیدۂ کائنات بطور بیوی

آیئے اب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ازدواجی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک مسلمان بیوی کے لیے ہم اُسوہ فاطمہ سے روشنی کشید کریں۔

گھر، معاشرتی زندگی میں امن وسکون اور اِعتدال وتوازن قائم رکھنے کے لیے بنیادی اکائی کی حیثیت رکھتا ہے۔اس لیے اس اہم ترین محاذ کو اسلام نے بہت سنجیدگی سے لیا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ایک صالح ،مسلمان خاتون کی صالحیت ،قابلیت اور وقار کا دار ومدار اس کی گھریلو ذمہ داریوں میں عہدہ برائی سے مشروط کر دیا گیا ہے تو غلط نہ ہوگا۔ دوسرے معنوں میں گھر اسلامی معاشرے کا وہ اہم مورچہ ہے جہاں بیٹھ کر عورت اپنا اصل جہاد کرتی ہے اور مرد کے شانہ بشانہ جہادِ زندگانی میں بھرپور حصہ لیتی ہے۔اسلامی اقدار کی حفاظت کا مرحلہ ہو یا اولاد کی پرورش وتربیت کا مسئلہ، ہر جگہ خاتونِ خانہ کا کردار بنیادی اَہمیت رکھتا ہے اور یہ کردار گھر کی پرامن چاردیواری میں ہی اَدا ہوسکتا ہے۔

سیدۂ کائنات سے بڑھ کر ان گھریلو ذمہ داریوں سے کون زیادہ واقف تھا۔ عین جوانی (۲۷یا۲۸ سال) کی عمر میں وفات ہوجانے کی وجہ سے اگرچہ آپ کی اِزدواجی زندگی پر مشتمل حصہ بہت مختصر ہے؛ لیکن آپ کی اس کم وبیش دس سالہ گھریلو اِزدواجی عرصہ زندگی میں اسلامی خواتین کے لیے بھرپور نمونۂ عمل موجود ہے۔

حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے آپس میں باہمی رضامندی سے گھریلو امور اور ذمہ داریوں کی تقسیم کچھ اس طرح کر رکھی تھی کہ باہر کے سارے اُمور اور ضروریاتِ زندگی کی فراہمی حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ کے ذمے تھی اور گھر کے سارے کام، چکی پیسنا، جھاڑو دینا، بچوں کی دیکھ بھال اور دیگر گھریلو امور کی انجام دہی حضرت سیدۂ کائنات رضی اللہ عنہا کے سپرد تھی۔ ان امور میں آپ کی خوشدامن حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا بھی معاون تھیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوہ میں یہ روایت درج کی ہے کہ یہ تقسیم خود تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھی۔ اس طرح ان کی زندگی میں تنگ دستی کے باوجود خوشگوار تعاون اور حسن وسکون پیدا ہوگیا تھا۔

سیدۂ کائنات رضی اللہ عنہا اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ تھیں کہ بیوی کا مزاج شوہر کے مزاج اور فکر وعمل پر براہِ راست اَثر انداز ہوتا ہے۔ وہ چاہے تو اسے سعادت مندی کی مسند پر بٹھادے اور چاہے تو بدبختی کے گڑھے میں ڈھکیل دے۔ سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ مردِ میدان تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدنی زندگی میں جتنے معرکہ ہائے حق و باطل بپا ہوئے، ان میں علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی کاری ضربیں تاریخ شجاعت کا تابناک باب ہیں۔ آپ فاتح خیبر، غازی بدر واُحد وحنین اور خندق کے صف اوّل کے مجاہد تھے۔ ایسے ہمہ جہت مردِ مجاہد اور عظیم سپہ سالار کی خدمت کے لیے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جیسی خیرخواہ محبّ ومخلص اور بہادر زوجہ، قدرت کا اپنا انتخاب تھا۔

حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا نے شوہر نامدار کی جہادی زندگی میں بھرپور معاونت فرمائی۔ انہیں گھریلو کاموں سے فراغت اور بے فکری مہیا کی۔ سارا دن تیغ و تفنگ سے تھکے ماندے حضرت علی رضی اللہ عنہ جب واپس گھر آتے تو سیدۂ کائنات رضی اللہ عنہا سو جان سے ان کی خدمت بجا لاتیں۔ ان سے جنگ کے واقعات سن کر ایمان تازہ کرتیں اور ان کی شجاعت کی داد بھی دیتیں۔ زخموں کی مرہم پٹی کرتیں، خون آلود تلوار اور لباس کو اپنے ہاتھوں سے صاف کرتیں۔ یوں یہ پیکر جرأت و شجاعت تازہ دم ہو کر اگلے معرکے کے لیے کمر بستہ ہو جاتے۔

ہاں! یہی جذبۂ مسلمان بیوی کا طرۂ امتیاز ہے۔ وہ شوہر کی صلاحیت، وقت اور اس کی جان و مال کو اپنی ملکیت نہیں بلکہ اللہ کی امانت سمجھتی ہے اور اس کی صلاحیتوں کو دین کی سربلندی میں صرف کر دینے پر اُسے ابھارتی ہے۔ بلاشبہ ایسی خواتین قیامت کے دن مجاہدین کی صف میں کھڑی ہوں گی اور اللہ تعالی کی رضا کی مستحق ٹھہریں گی۔ آج بھی مسلمان خواتین اگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی اس صفت کو اپنے کردار کا حصہ بنالیں تو ایسے گھرانوں میں تربیت پانے والی اولاد سیدنا امام حسن و سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما اور حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالی عنہا کی شکل میں تاریخ دعوت و عزیمت کا قابل فخر سرمایہ کیوں نہیں بنے گی اور آئندہ کا مورخ ان گھرانوں کو خراج تحسین کیوں نہیں پیش کرے گا!۔

اللہ تعالی نے قرآن حکیم کی سورۃ الفتح میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صفات بیان فرمائی ہیں کہ وہ اہل کفر کے لیے شدت پسند ہیں، اہل ایمان کے لیے پیکر رحمت و شفقت ہیں، ان کی پیشانیوں میں سجدوں کی کثرت کی واضح علامت ہے، ان کے شب و روز حالت رکوع و سجود میں رضائے الٰہی کی طلب میں گزرتے ہیں۔

صاف ظاہر ہے حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ کا مقام و منصب اس بات کا متقاضی تھا کہ وہ ان صفات عالیہ میں عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ چڑھ کر اپنی قربت اور خصوصیت کا ثبوت فراہم کرتے۔ تاریخ گواہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے عملاً ایسا کر کے دکھایا، آپ بچپن سے فیضانِ نبوت و رسالت کے براہِ راست اَمین تھے۔ عارف کامل اور زاہد شب زندہ دار تھے۔ ان کے پیش نظر اللہ تعالی کی رضا اور خوشنودی تھی۔ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالی عنہا کی شخصیت مطہرہ پر بھی یہی صفات غالب تھیں۔ دونوں نے مہبطِ وحی میں پرورش پائی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات دونوں کے پیش نظر تھے؛ اس لیے اسلام کی خدمت اور عبادت و ریاضت دونوں ہستیوں کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اس کا اعتراف سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ نے ازدواجی زندگی کے ابتدائی دنوں میں کر لیا جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا، سناؤ علی! شریکہ حیات کیسی ملی ہے؟۔ عرض کیا: **نعم العون علی العبادة.** میری شریکہ حیات فاطمہ میری عبادت گزاری میں بہترین معاون ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی کل کائنات یہ گھر اور آپ کا سب سرمایۂ علم تھا جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا: **انــا مـدِیـنة الـعِـلـمِ وعلِـیٌّ بـابها.** میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ اس نعمت عظمی پر ہمیشہ فخر کرتے تھے۔ آپ کا یہ شعر زبان زد خاص و عام ہو کر طالبان علم کو بہت بڑا شرف بخش گیا ہے۔

رضِینا قِسمة الجبار فِینا　　لنا علم ولِلجهـال مـال

یعنی ہم خالق ارض و سماوات کی اس تقسیم پر خوش ہیں جس کے تحت اس نے ہمارے مقدر میں علم کی سعادت اور جہلا کے لیے مال و دولت رکھ دیا۔

مراد یہ کہ دنیوی مال واسباب علم کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ انسان کی عظمت علم سے وابستہ ہے نہ کہ مال ودولت سے۔ حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ دولت علم سے مالا مال تھے لیکن سیم وزر سے آپ کا دامن ہمیشہ خالی رہا اس لیے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی ساری زندگی فقر و فاقہ اور تنگ دستی میں گزری۔ کونین کے مالک کی لاڈلی دو دو اور تین تین دن کچھ کھائے پیے بغیر گزار دیتیں لیکن حرفِ شکایت زبان پر نہ لاتیں۔ حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ دینی فرائض سے فرصت پا کر محنت مزدوری کرتے جو ملتا وہ لا کر سیدۂ کائنات رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں دے دیتے اور آپ اُسے صبر و شکر کے ساتھ قبول فرما لیتیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ یہ فقر و تنگ دستی آپ دونوں کے خوشگوار تعلقات پر اثر انداز ہوئی ہو۔

تنگ دستی پر صبر وضبط کر لینا شاید آسان ہو لیکن اس حالت پر راضی اور خوش ہو کر اللہ کا شکر اَدا کرتے رہنا اور چہرے پر کبھی ناگواری کے آثار تک نہ لانا بہت بڑے حوصلے اور پختہ کردار کی علامت ہے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا کہ آپ 'الفقر فخری' کہنے والے عظیم پیغمبر کی تربیت یافتہ مثالی بیٹی ہیں۔

کئی بار ایسا ہوا کہ سیدۂ کونین رضی اللہ عنہا کو دو تین دنوں کے فاقہ کے بعد کچھ ملا۔ اپنے شہزادوں اور شوہر کو کھلانے کے بعد اس کا کچھ حصہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! میری بیٹی تمہارا باپ یہ لقمہ چار دن کے بعد کھا رہا ہے۔ ہاں! یہ وہی گھرانہ ہے جہاں سے مخلوق کو دونوں جہانوں کے خزانے تقسیم کیے جاتے تھے اور اب تک کیے جا رہے ہیں لیکن فقر اختیاری تھا کہ اپنی ذات پر ہمیشہ دوسروں کو ترجیح دی۔ سچ فرمایا اعلیٰ حضرت نے ؎

کل جہاں مِلک اور جو کی روٹی غذا
اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی اَدائیگی میں ہمیشہ توازن برقرار رکھا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ عبادت و ریاضت میں محو ہو کر شوہر کی خدمت اور بچوں کی پرورش میں کمی آئی ہو، یا بچوں اور شوہر کے حقوق کی ادائیگی میں عبادت و ریاضت کے معمولات متأثر ہوئے ہوں۔ اللہ کی عبادت اور شوہر کی اطاعت میں یہی حسنِ توازن ہے جو خاتونِ جنت کی کامیاب ترین اور مثالی حیاتِ مقدسہ کا طرۂ امتیاز ہے۔ ورنہ عام طور پر ان دونوں محاذوں پر خواتین و حضرات انصاف نہیں کر پاتے خصوصاً خواتین کے لیے یہ توازن برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ فاطمہ جس طرح اللہ تعالی کی عبادت کو فریضہ سمجھتی تھی اسی طرح میری اطاعت بھی کرتی تھی۔ عبادت و ریاضت کے انتہائی سخت معمولات میں اس نے میری خدمت میں ذرہ بھر فرق نہ آنے دیا۔ وہ ہمیشہ گھر کی صفائی کرتی، چکی پر گرد و غبار نہ پڑنے دیتی، صبح کی نماز سے پہلے بچھونہ تہہ کر کے رکھ دیتی، اور گھر کے برتن صاف ستھرے ہوتے۔ فاطمہ کی چادر میں پیوند ضرور تھے مگر وہ کبھی میلی نہیں ہوتی تھی۔

ایسا کبھی نہیں ہوا کہ گھر میں سامان خورد و نوش موجود ہو اور انہوں نے کھانا تیار کرنے میں دیر کی ہو۔ خود کبھی پہلے نہ کھاتی، زیور اور ریشمی کپڑوں کی کبھی فرمائش نہ کی، طبیعت میں بے نیازی رہی، جو ملتا اس پر صبر شکر کرتی۔ اس نے کبھی میری نافرمانی نہیں کی؛ اس لیے میں جب بھی فاطمہ کو دیکھتا تو میرے سارے غم غلط ہو جاتے تھے۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی یہی پاکیزہ اَدائیں تھیں جن پر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ دل و جان سے فدا تھے۔ ان کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کیا۔ کسی نے وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے پوچھا: سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کیسی تھیں؟ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نم دیدہ ہو کر کہنے لگے۔ فاطمہ دنیا کی بہترین عورت تھی، وہ

جنت کا ایسا پھول تھی جس کے مرجھا جانے کے بعد بھی مشام جان معطر ہے۔ وہ جب تک زندہ رہی مجھے اس سے کبھی کوئی شکایت نہ ہوئی۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا گہوارۂ صبر و رضا کی پروردہ تھیں۔ آپ کے ہاتھ تو چکی چلانے میں مصروف رہتے لیکن زباں پر قرآن پاک کی تلاوت جاری رہتی۔ نوری اور ناری مخلوق آپ کی مطیع اور فرمانبردار تھی لیکن اس سے بے نیاز ہو کر آپ نے اپنی رضا کو شوہر کی رضا میں گم کر رکھا تھا۔

بطور بیوی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سیرت کے یہ جو چند نقوش بیان کیے گئے ہیں، آج اگر مسلمان عورت یہ نقوش حرزِ جاں بنا لے تو تاریخ کے اس نازک ترین دور میں بھی اسلام کی برکت سے ہمارا ماحول رشک جنت بن سکتا ہے۔ تباہی کے کنارے کھڑی انسانیت کو آج بھی رحمۃ للعالمین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کی سیرت، فوز و فلاح کا پیغام دے رہی ہے۔ اب یہ عورت پر منحصر ہے کہ وہ شرف انسانیت کا عنوان بنتی ہے یا تخریب اَخلاق و کردار کے ذریعے تباہی کا ہتھیار۔

نقوشِ سیرتِ سیدۂ کائنات بطور ماں

ماں اولاد کے لیے وہ نعمتِ عظمیٰ اور انعامِ خداوندی ہے جس کی دنیا میں کوئی مثال ہے نہ بدل۔ ماں دنیا میں اولاد کے لیے جنتِ فردوس کا شجر سایہ دار ہے۔ مختصرا یوں کہ ایثار و خلوص کی انتہائی بلندیوں اور مہر و وفا کی اتھاہ گہرائیوں کا نام ماں ہے۔ ماں کی محبت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ ماں ہی وہ واحد ہستی ہے جو اولاد سے اپنے ایثار کا بدلہ، مہربانیوں کا صلہ اور اپنی وفاؤں کا معاوضہ لینے کے تصور سے بالکل پاک ہوتی ہے۔ اسی لیے ماں کی گود اقوام کی پہلی تربیت گاہ ہے۔ معاشرے کی سرگرم رکن ہونے کی حیثیت سے بھی عورت کا سب سے اہم

کردار ماں کی ذمہ داریاں پورا کرنا ہے۔

ماں اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جیسے کردار کی مالکہ ہوگی تو پھر سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جیسی مجاہد اور بہادر اولاد پیدا ہوگی جو وقت کی پکار پر طاغوتی سازشوں اور یزیدیوں کے مقابلے میں اپنے خون کا ہدیہ دے کر دین کے شجر کو سرسبز و شاداب رکھے گی۔ یہی آغوشِ مادر تھی جس کے پروردہ جگر گوشے اِمامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ کسی یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے والا صرف علم سے آشنا ہوتا ہے جبکہ آغوشِ مادر کا کردار یہ ہے کہ یہاں سے فارغ ہونے والا علم کے ساتھ ساتھ عملی اور تربیتی پہلوؤں سے مزین بھی ہوتا ہے۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالی عنہا جیسی ماں نے اولاد کی تربیت کا جو سبق دیا ہے کون دے گا؟ جہاں فقر اور زہد و عبادت کی اِنتہا ہو جاتی ہے وہاں اس ممتا کی تربیت کے پروردہ سادات کی ابتدا ہوتی ہے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ ہماری والدہ ماجدہ پوری رات عبادت میں گزار دیتیں اور دعا مانگتے ہوئے اپنا نام بھی نہ لیتیں۔ یہ ہے خودغرضی سے پاک خالص رضائے الٰہی کی خاطر عبادت کی عملی تربیت۔

خواتین اسلام! سیرتِ سیدہ فاطمہ کی روشنی میں آج کی ماں کے لیے راہنمائی کے اصول کیا ہوں گے؟ تو مختصراً اسے بھی سماعت فرمالیں۔اولاد کی سیرت و کردار والدین کی تربیت کا پرتو ہوتی ہے۔ بالخصوص ان کے اندر صدق و اخلاص جیسی خوبیاں ماں کی تربیت سے ہی پیدا ہوا کرتی ہیں۔اس لیے اولاد کی بہتر پرورش کے لیے بچے کے جسم و روح کو ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک وصاف رکھنے کی ضرورت ہے۔

اس امانت کو صحیح حالت میں قوم کے سپرد کرنے کے لیے وہ قدرت کے اصولوں کو

سامنے رکھتے ہوئے اپنے شب و روز بسر کرے۔ اس لیے کہ وہی موتی سب سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں جو سیپ کے پردوں میں رہے ہوں۔ گوہر کی قیمت سیپ میں رہے بغیر نہیں بن سکتی۔

جب حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے پوچھا گیا کہ عورت کا پردہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہ کوئی نامحرم مرد اسے دیکھ سکے اور نہ وہ کسی غیر محرم کو دیکھے؛ لہٰذا عورت وہی کہلائے گی جو حیا کے پردے میں مستور ہوگی۔ سب سے اہم ذمہ داری ماں کی یہ ہے کہ وہ معاشرے کو با کردار اور صالح اَفراد مہیا کرے۔

گھریلو ماحول میں صداقت، شرافت، دیانت، اِیفائے عہد، حسن خلق جیسے عملی ماحول میں اولاد کی پرورش کرے اور قرآن و حدیث کی تعلیمات کے مطابق اولاد کے سیرت و کردار کی تعمیر کرے۔ بچوں کی تربیت اور پرورش اپنے ہاتھوں سے کرے؛ لہٰذا مسلمان خواتین کو چاہیے کہ خاتونِ جنت کے طریقۂ پرورش اور اندازِ تربیت کو سامنے رکھتے ہوئے اس دور میں اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوں۔

سب عظمتیں اور رعنائیاں جو کسی بشر میں ہوسکتی ہیں اُن کے در کی خیرات ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم بیٹی اگر بچوں کی تربیت کی خاطر خود تکلیف اٹھا سکتی ہیں، انہیں اپنا دودھ پلا سکتی ہیں تو آج کی مسلمان عورت اس ذمہ داری سے کیونکر راہِ فرار تلاش کرسکتی ہے۔ بچوں کی پرورش و نگہداشت ان کی صفائی، ستھرائی، لباس اور خوراک کا خیال رکھنا اور گھریلو اُمور کی پاسبانی ہی عورت کا افضل جہاد اور سب سے بڑی قربانی ہے۔ عورت کے اسی کردار کی آج سخت ضرورت ہے تاکہ اس کی گود سے مجاہدین اسلام اور علماے ربانی پروان چڑھیں اور ایک بار پھر عظمت رفتہ کی یاد تازہ ہوسکے۔

آج کے ترقی یافتہ معاشرے کی غیر محفوظ عورت اگر اپنا وقار، عزت و مرتبہ اور حقیقی

مقام دوبارہ حاصل کرنا چاہتی ہے تو اسے چادرِ زہرا کے سائبان کے نیچے آنا ہوگا اور اُن کی کی راہ پر چلنا ہوگا۔ حضرات حسنین کریمین جیسے جسور وغیور فرزندان اسلام سے اپنی آغوش کو بھرنا ہوگا اور پھر تہذیبِ مغرب کے حیا سوز طوفان اور تباہ کن آندھیوں سے اپنے آپ کو بچانا ہوگا۔

دین اسلام عورت کے لیے سراسر امن، سکون، رعنائی اور محبت وشفقت لے کر آیا ہے لیکن ابلیسیت کو مسلمان عورتوں کا یہ تقدس نامنظور ہے؛ اس لیے اس نے عورت کو برابری کا جھانسہ دے کر ورغلاتے ہوئے اس کے فطری مقام سے اٹھا کر مرد کی صف میں لا کھڑا کیا تا کہ وہ گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ تلخی حیات کے گھونٹ بھی بھرتی رہے۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سیرتِ طیبہ میری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے لیے خوبصورت نمونۂ عمل ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم دورِ حاضر کی مکاریوں سے باخبر رہتے ہوئے خود کو بھی اور دوسری بہنوں کو بھی بے پردگی کی آگ کے شعلوں سے محفوظ رکھیں، بنتِ رسول سے وفاداری کا ثبوت دیں اور بحیثیت مسلمان خاتون اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کریں۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نقوشِ سیرت سے عبرت حاصل کرتے ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

استغفر اللّٰہ العظیم الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ
سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون و سلام علی المرسلین
والحمد للّٰہ رب العالمین .

عورت کی پانچ خوبیاں

الحمد للّٰہ رب العالمین، والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء و المرسلین و علی آلہ و صحبہ اجمعین. اما بعد !

پیاری ماؤں اور بہنو! آج میں آپ کی خدمت میں نصیحت سے بھرپور ایک ایسی حدیث پاک پیش کررہی ہوں کہ جس پر عمل پیرا ہونے کی سعادت حقیقتاً صرف سعادت مندوں ہی کا حصہ ہے۔کاش! ہم بھی اس سعادت مندی سے حصہ پانے میں کامیاب ہو جائیں۔حضرت محمد عربی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث پاک میں بیوی کی خوبیوں کا ذکر مختصر اور جامع جملوں میں بیان فرمایا ہے،اور وہ یہ کہ اگر شوہر کوئی حکم دے جو خلاف شرع نہ ہوتو اس کی بات مانے،اگر شوہر اس کی طرف دیکھے تو اس کو خوش کردے، اگر شوہر کسی کام پر قسم کھا بیٹھے کہ ضرور تم ایسا کروگی تو اگر وہ کام شرعاً جائز ہوتو اس کی قسم سچی کردے،یعنی اس پر عمل کرے،اگر شوہر کہیں چلا جائے اور وہ اس کے پیچھے گھر میں رہ جائے تو اپنی جان اور اس کے مال کے بارے میں اس کی خیر خواہی کرے۔

ان فرمانِ نبوی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم پر اگر کوئی عورت عمل کرے اور اس کی روشنی میں زندگی بسر کرے تو ان کی زندگی کامیاب زندگی بن جائے اور سارا گھر جنت نشاں بن جائے،اور سارا جھگڑا ختم ہوجائے،ان صفات کی تفصیل بچشم عبرت ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی صفت: پہلا درسِ زندگی جو رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے دیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر تمہارا رفیق حیات کوئی حکم دے تو اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرو بشرطیکہ وہ ممنوعات شرعیہ میں سے نہ ہو۔اگر شوہر کسی

ایسے کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے کہ جس کو اللہ ورسول نے نہ کرنے کا حکم دیا ہے تو اس امر میں شوہر کی اطاعت نہ کی جائے گی؛ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: **لا طاعة للمخلوق فی معصیة الخالق .**

لیکن اگر کوئی ایسا حکم ہو جس کی شریعت نے کرنے کی اجازت دی تو اس کی بجا آوری تو ہر حال میں لازم ہے؛ جیسے نماز پڑھنے کا حکم، نفلی روزے کا حکم دے، کفایت شعاری کا حکم دے تو اس کی بجا آوری کرے، اس سے کنارہ کشی اختیار نہ کرے اور اگر گناہوں کی مجالس میں جانے کا حکم دے تو ہرگز اس کو عملی جامہ نہ پہنائے، بیوی کو ہر وہ کام کرنا چاہئے جس میں شرعا کوئی حرج نہ ہو، اور شوہر کی رضا جوئی اور خوشنودی کا باعث ہوتا کہ اس کی محبت شوہر کے دل میں پیدا ہو جائے اور جب بیوی کام کرے گی جو شوہر کی خوشی کا باعث ہو تو لامحالہ وہ شوہر کے دل میں رہے گی، شوہر اس کا سچا غم خوار دوست ہے، اس پر جان فدا کرنے والا بن جائے گا، شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری خوشی ورضا جوئی حاصل کرنے کے لئے دن کوشاں رہے، اگر شوہر کے چہرے پر رنج وغم حزن وملال اور کبیدہ خاطری کے آثار دیکھے تو بیقرار ہو جائے اور اس کے ساتھ غمگین ہو جائے اور اس کے خوش ہونے کے ساتھ خوش ہو جائے اس کے ہنسنے کے ساتھ ہنسے اور اس کے رونے کے ساتھ روئے۔

دوسری صفت : اگر شوہر اس کی طرف دیکھے تو اس کو خوشی حاصل ہو، اس کو روحانی سرور کیف میسر آئے، اپنا بناؤ سنگھار، طور طریقہ، عادت وکردار شوہر کی مرضی کے مطابق رکھے۔ اس معاملہ میں شوہر کی مزاج شناس ہو، اگر وہ سادگی پسند ہو تو سادگی اختیار کرے، اگر وہ زیب وزینت کو پسند کرتا ہے تو زینت وآرائش کو اختیار کرے، یعنی پہننے میں رہنے سہنے میں شوہر کے مزاج کو پہچانے، جب وہ محنت ومشقت سے کما کر آئے یا کسی آفس سے محنت ومشقت کر کے آئے تو اپنی جان بخش مسکراہٹ سے اس کی تھکن دور کر دے۔

تیسری صفت: اگر شوہر کسی بات پر قسم کھالے جس کا سرانجام دینا بیوی سے

متعلق ہو مثلا یہ کہ تم ضرور میری والدہ کے پاس چلو گی، یا فلاں بچے کو نہلاؤ گی، تہجد کی نماز اَدا کرو گی تو اس کی بیوی اس کی قسم پوری کرے۔ شوہر کا اس طرح تاکید کے ساتھ کسی کام کا حکم دینا ظلم وزیادتی کے لئے نہیں ہوتا؛ بلکہ غایت درجہ محبت والفت اور ناز کی وجہ سے ہے جو تعلق خاص کی علامت ہوتی ہے، جس پر ناز ہے اسی سے کہا جاتا ہے کہ ایسا کرو یا فلاں کام کرو۔ لہٰذا جن عورتوں کو اپنے شوہروں سے اصلی اور قلبی تعلق ہوتا ہے وہ شوہر کو راضی رکھنے کا خاص خیال رکھتی ہیں؛ اس لیے میاں بیوی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کی خواہشوں کا احترام کریں، ایک دوسرے کی خوشی کے جویاں ہو، بیوی شوہر کا کام اپنا کام سمجھے تو اس کا ہر دن بہار کا دن ہوگا۔

چوتھی صفت: اگر شوہر کہیں چلا جائے اور بیوی کو گھر پر چھوڑ جائے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو بیوی کا یہ فریضہ ہے کہ اپنی جان اور شوہر کے مال کے بارے میں وہی رویہ اختیار کرے جو اس کے سامنے رکھتی تھی۔ غیرت مند شوہر کو یہ بات بالکل پسند ہے کہ اس کی بیوی کسی غیر مرد کی طرف دیکھے تو غیر مرد کے سامنے آئے، اس سے آنکھ ملائے یا دل لگائے وغیرہ۔ جب شوہر گھر میں ہوتا ہے تو عورت خالص اس کی بیوی بن کر رہے، اسی طرح جب وہ کہیں چلا جائے تو اس کو اپنا شوہر جانے اور اس کی بیوی بنی رہے، اور اس کو اپنے جذبات کی تسکین کا مرکز اور پریشانیوں کے حل کے محور خیال کرے۔ اس کی غیر موجودگی میں اس کے مال اور اپنی جان کی حفاظت کرے، ایسا نہ کرے کہ اس کا مال لٹا دے یا بیجا خرچ کر ڈالے یا اپنے میکے پہنچا دے یا بغیر شوہر کی اجازت کے اپنے عزیز واقارب کے خرچ پر لٹا دے، اگر شوہر کی اجازت کے بغیر ایسا کر دے تو خیانت کرنے والی ہوگی۔

لہٰذا عورتوں کو چاہیے کہ مردوں کے مال کو ضائع نہ کریں جس چیز کی ضرورت ہے اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا ہے، ضرور لاحق ہو جائے گا وہی خریدے اور جب شوہر آجائے تو اس کو خبر دیدے؛ ورنہ بغیر ضرورت کوئی چیز نہ لے، اللہ عزوجل نیک عورتوں کی

صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ارشاد فرماتا ہے۔ **حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰه** یعنی مردوں کی غیر موجودگی میں بحفاظت (توفیق الٰہی) اس کی آبرو و مال کی نگہداشت کرتی رہیں، اللہ تعالیٰ نے عورت کے لئے یہ وصف لازم قرار دیا ہے اور اس کے ذمہ یہ فرض عائد کیا ہے کہ جب شوہر موجود نہ ہوتو خود اپنی حفاظت کرے کہ گناہ میں مبتلا نہ ہو، اور شوہر کا جو مال ہے اس کی حفاظت کرے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے **المرأة راعية بيت زوجها.** عورت شوہر کے گھر کی نگہبان ہے، یعنی شوہر کے مال ومتاع کے حفاظت کی ذمہ داری عورت پر ہے اور اس کے مال کو بیجا صرف نہ کرے۔

پانچویں صفت: حضرات صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہمیں کون سا مال بہتر ہے ، جسے ہم حاصل کر لیتے تو اچھا ہوتا، اس پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **افضله لسان ذاكر و قلب شاكر و زوجة مؤمنة تعين على ايمانه** یعنی سب سے بہتر مال ذکر الٰہی کرنے والی زبان ہے اور شکر ادا کرنے والا دل اور ایمان دار بیوی ہے جو شوہر کے ایمان پر مدد کرے۔

ایمان پر مدد کرنے کی تشریح فراماتے ہوئے ملا قاری فرماتے ہیں کہ ایمان پر مدد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بیوی شوہر کی دینداری کی فکر کرے، اور اوقات مقررہ میں اس کو نماز، روزہ یاددلاتی رہے اور دیگر عبادات پر آمادہ کرے، زنا اور ہر قسم کے گناہ سے باز رکھتی ہو۔ درحقیقت ہمارے بدلتے ہوئے ماحول اور بگڑتے ہوئے معاشرے کو ایسی خواتین کی ضرورت ہے جو دین کے احکام پر کاربند ہوں اور شوہر اور اولاد کو دیندار بنانے کی فکر میں رہتی ہوں۔

دوسری چیز جو اس حدیث پاک میں بتائی گئی وہ ہے قلب شاکر، دل ہر حال میں شکر خدا اَدا کرے، اس لئے علما نے فرمایا کہ اگر عورتیں اپنے دلوں کو شکر کرنے والا بنالیں تو دنیا میں عورت کو یہ انعام ملے گا کہ گھر سے جھگڑے ختم ہو جائیں گے، شکر بہت بڑی نعمت ہے۔

حکما کہتے ہیں کہ بدبختوں کے خصائل رذیلہ میں سے کوئی خصلت کفرانِ نعمت سے بڑی نہیں ہے، یعنی برائیوں میں سب سے بڑی برائی نعمت کی ناشکری ہے اور نیک بختوں کے اوصاف حمیدہ میں شکرانِ نعمت سب سے اچھی صفت ہے۔

پانچ سے پہلے پانچ -آقا کی عظیم نصیحت-

سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پانچ خصوصی نصیحتوں کے بعد جوکہ عورتوں سے متعلق ہیں جی چاہتا ہے کہ پانچ ایسی عمومی نصیحتیں بھی پیش کردوں جو ہر ایک کے کام آنے والی ہے۔ چنانچہ ہمارے پیارے آقا، مدنی مصطفیٰ، حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک صحابی کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت جانو۔

تندرستی کو بیماری سے پہلے۔ مالداری کو تنگدستی سے پہلے۔
جوانی کو بڑھاپے سے پہلے۔ فراغت کو مصروفیت سے پہلے
اور زندگی کو موت سے پہلے۔

خواتین اسلام! اس حدیث پاک کو سن کر اب ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ مذکورہ پانچ چیزوں کو غنیمت جاننے کی حکمت جاننے کی بھی کوشش کریں تاکہ مکمل طور پر استفادہ کی سعادت حاصل ہوسکے۔

(ا) چنانچہ تندرستی کو بیماری سے پہلے غنیمت جاننے میں حکمت کیا ہے، آیئے اس پر غور کرتے ہیں۔

انسان حالت صحت میں جو کام سرانجام دے سکتا ہے، یقیناً بیماری میں ان کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا بہت مشکل ہے۔ بلکہ اگر مرض شدید ہو تو بسا اوقات وہ کسی کام کے قابل ہی نہیں رہتا۔ اور بعض اوقات تو یوں بھی ہوتا ہے کہ مبتلائے مرض ہونے کے بعد انسان کو کسی نیک

اعمال کی توفیق ہی نہیں ملتی؛ کیونکہ یہ مرض دنیا سے رخصتی کا پروانہ دلوا کر ہی جان چھوڑتا ہے۔

لہٰذا نیک اعمال کے معاملے میں بھی صحت کو غنیمت تصور کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا ذخیرہ اکٹھا کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے تا کہ اگر اچانک کوئی بیماری حملہ آور ہو جائے تو بسترِ مرگ پر بے بسی کے ساتھ لیٹے ہوئے پچھتاوے کا شکار نہ ہونا پڑے۔

یوں ہی اگر کوئی بدنی عبادت مثلا۔۔۔نماز۔۔۔یا روزہ وغیرہ کی قضا ذمے میں لازم تھی تو اب بیماری کی وجہ سے ان کی ادائیگی سے محروم ہو کر ان کا وبال سر پر لے کر جانا پڑے گا۔

ان تمام امور کے علاوہ ایک حکمت یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ چونکہ حالت صحت عموماً غفلت کا سبب بنتی ہے، لہٰذا آپ نے اس غفلت سے بیداری کی خاطر خاص طور پر اس کے بارے میں ارشاد فرمانا پسند فرمایا۔

اس معاملے میں عمل کی اہمیت حاصل کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ انسان کبھی کبھار اسپتال میں جا کر مریضوں کو دیکھے اور اپنی صحت پر خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے سفرِ آخرت کے لیے زادِراہ اکٹھا کرنے میں سنجیدگی سے جٹ جائے۔

(۲) مالداری کو تنگدستی سے پہلے غنیمت جاننے میں یہ حکمت ہے کہ فی نفسہٖ مال کوئی بری چیز نہیں؛ کیونکہ اس کے ذریعے بے شمار نیک کام سرانجام دے کر اخروی لحاظ سے عظیم الشان خزانہ جمع کیا جا سکتا ہے۔ مثلا اللہ تعالیٰ نے اس مال کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کے بدلے میں بے شمار ثواب کا وعدہ فرمایا ہے؛ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ (سورۂ بقرہ: ۲۶۱)

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال (اس) دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگیں (اور پھر) ہر بالی میں سو دانے ہوں (یعنی

سات سو گنا اجر پاتے ہیں) اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے (اس سے بھی) اضافہ فرما دیتا ہے۔

بلکہ بعض نیک اعمال کے لیے تو اس کی موجودگی لازم وضروری ہے، ورنہ انسان کبھی بھی ان کی ادائیگی کی سعادت حاصل نہیں کرسکتا: مثلاً حج، عمرہ اور قربانی وغیرہ۔ چنانچہ جب من جانب اللہ یہ نعمت حاصل ہو تو اسے آخرت کے لیے عظیم الشان ذخیرہ بنانے میں دیر نہیں کرنی چاہیے؛ کیونکہ بسا اوقات ناگہانی آفات کی بنا پر اچانک مال و دولت سے محروم ہونا پڑ جاتا ہے۔ اور اس محرومی کے بعد شدید خواہش کے باوجود پھر مال سے وابستہ نیک اعمال کرنے کی توفیق حاصل نہیں ہو پاتی، اور پھر سوائے پچھتانے کے اور کچھ نہیں ہاتھ نہیں آتا۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کچھ مالی عبادات فرض یا واجب ہو گئی تھیں؛ لیکن مال کی موجودگی کے وقت ان کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرتے رہے پھر جب اچانک مال ہاتھ سے نکل گیا تو اب فکر لاحق ہوئی کہ اللہ تعالی کی بارگاہ میں جا کر کس طرح حساب و کتاب دیا جائے گا۔ چونکہ ادائیگی پر قدرت تو حاصل نہیں، لہٰذا اب ہمہ وقت اخروی گرفت کا خوف راتوں کی نیند حرام کرتا رہے گا!۔

ان تمام امور کے علاوہ ایک حکمت یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ چونکہ مال و دولت کی فراوانی عموماً غفلت کا سبب بنتی ہے، لہٰذا آپ نے اس غفلت سے بیداری کی خاطر خاص طور پر اس کے بارے میں ارشاد فرمانا پسند فرمایا۔

اس معاملے میں عمل کی اہمیت حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا گہری نظر سے مشاہدہ کریں کہ جن کے پاس پہلے مال تھا لیکن پھر کسی سبب سے ان پر تنگدستی طاری ہو گئی اور اب وہ فرائض و واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی اور کثیر نیک اعمال سے محرومی پر کفِ افسوس ملتے نظر آتے ہیں۔ نیز ان لوگوں کو بھی بغور دیکھیں کہ جو صحیح مقام پر مال کو خرچ کرنے کی بنا پر نہایت مطمئن و خوش و خرم ہیں۔ اور اخروی لحاظ سے کوئی

اندیشہ ان کی راتوں کی نیندیں اُچاٹ نہیں کرتا۔

(۳) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے غنیمت جاننے میں حکمت یہ ہے کہ چونکہ جوانی میں عموماً نفسانی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے جس کے باعث نیکیوں پر استقامت اور گناہوں سے دوری کا حصول بے حد مشکل تصور کیا جاتا ہے نیز بڑھاپا طاری ہونے کے بعد انسان جوانی میں بآسانی ادا کی جانے والی عبادت کی مثل عبادت سے محروم ہو جاتا ہے، لہٰذا پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور پر جوانی کو بڑھاپے سے قبل غنیمت جاننے کا حکم ارشاد فرمایا۔

پھر بسا اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ جوانی میں عبادات میں کوتاہی سرزد ہوئی تھی اور اب بڑھاپے میں موجودہ عبادت کو ادا کرنے کی ہی ہمت نہیں ہوتی تو سابقہ حساب و کتاب کس طرح چکا سکتا ہے؟ انجام کار یہ ہوتا ہے کہ کثیر عبادات کے معاملے میں کی گئی کوتاہیوں کا عظیم بوجھ لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچنا پڑتا ہے۔

فی زمانہ اکثر مقامات پر یہ منظر بآسانی دیکھا جا سکتا ہے کہ کو بعض حضرات بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھنے کے باوجود مختلف قسم کے کھیلوں اور دیگر حرام کاموں میں سامان لذت تلاش کرنے کی کوشش میں مصروف عمل ہوتے ہیں۔ جوانی تو پہلے ہی غفلت میں ضائع کر دی، بڑھاپے میں بھی توفیق خیر حاصل نہیں ہوئی، تو اب زندگی کے اور کون سے لمحات ایسے ملیں گے کہ جن میں آخرت کی تیاری ممکن ہو سکے؟

ان تمام امور کے پیش نظر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مذکورہ تلقین ارشاد فرمائی۔

اس معاملے میں عمل کی اہمیت حاصل کرنے کے کئی ایک طریقے ہیں مثلاً :

☆ اپنے اطراف میں باعمل، عبادات پر مستقیم اور گناہوں سے کنارہ کشی کرنے والے نوجوانوں کو بار بار دیکھیں؛ کیونکہ نفس عموماً اس بات کو ذہن نشین کروانے کی کوشش کرتا

ہے کہ جوانی میں باعمل بننا، پابندی سے نیکیاں کرنا اور مکمل طور پر گناہوں سے بچنا بے حد مشکل ہے؛ لیکن جب مذکورہ اوصاف کے حامل نوجوانوں پر نگاہ کی جائے تو نفس کے اس خیالِ فاسد کا فساد جاننا آسان ہو جاتا ہے۔

☆ مذکورہ اوصاف کے حامل نوجوانوں کی صحبت اختیار کریں کہ اچھوں کی صحبت انسان کو اچھا بنا دیتی ہے۔

☆ ایسی روایات کا مطالعہ کریں کہ جن میں خصوصا جوانی میں عبادت اختیار کرنے پر عظیم انعامات کی بشارت دی گئی ہو۔ مثلا :

☆ پیارے آقا صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سات اشخاص بروز قیامت عرش کے سائے میں ہوں گے جب کہ کہیں بھی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں سے ایک وہ نوجوان جو ابتدائے جوانی سے ہی عبادت الٰہی میں مشغول ہو جائے۔

☆ اپنے اطراف میں بے بسی اور پریشانی کی زندگی گزارنے والے بوڑھے حضرات کو بار بار دیکھیں اور خود سے سوال کریں کہ اگر جوانی ضائع کر کے بڑھاپے میں یہ حال ہوا تو پھر آخرت کی تیاری کس طرح ممکن ہے؟۔

(۴) فراغت کو مصروفیت سے پہلے غنیمت جاننے میں حکمت یہ ہے کہ بسا اوقات انسان کے پاس بہت سے نیک اعمال کرنے کے لیے کثیر وقت موجود ہوتا ہے لیکن سستی، غفلت اور دیگر فضول کاموں میں مشغولیت اس راہ میں آڑے آ جاتی ہے اور انسان آئندہ ہمت و وقت ملنے کے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا ہو کر موجودہ ساعتوں کی برکات سے خود کو محروم کروا لیتا ہے۔ پھر جب وہ آئندہ آتا ہے کہ جس کے بارے میں خواب دیکھے گئے تھے تو کثیر مصروفیات اسے اپنے گھیرے میں لے لیتی ہیں، جن کے باعث دیگر عبادات تو کیا حاصل کرتا بلکہ ان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے کہ جن پر اسے پہلے کبھی کبھار عامل ہوا کرتا تھا۔

اگر اس کا عملی نمونہ دیکھنا ہو تو کسی طالب علمی کے دور سے گزرنے والے نوجوان اور

اس کے بعد نوکروی، کاروبار اور رشتہ ازواج میں وابستہ ہو جانے والے اشخاص کا بغور مشاہدہ فرمائیں۔

انہی امور پر توجہ دلوانے کے لیے پیارے آقا صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے مذکورہ بالا تلقین ارشاد فرمائی تا کہ جو امتی خود ان باتوں کا مشاہدہ کر کے عبرت حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو وہ اس فرمان عالیشان کی برکت سے اس مقصود کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

اس معاملے میں عمل کی اہمیت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایسے افراد کی صحبت میں رہنے کی کوشش فرمائیں کہ جو اپنا کوئی بھی لمحہ ضائع نہیں کرتے۔ اگر صحبت میسر نہ ہو سکے تو کم از کم ان کے عمل کا بار بار مشاہدہ کریں تا کہ خود آپ کے اندر بھی وقت کی قدر کرنے کا جذبہ بیدار ہو سکے۔ نیز ایسے افراد کہ جنہوں نے اپنے وقت کو صحیح اور بر وقت استعمال کر کے ترقی و کامرانی حاصل کی ان کے حالات زندگی کا بغور مطالعہ فرمائیں اور ان کی جہد مسلسل کو اخروی تیاری کے سلسلے میں مشعل راہ بنائیں۔

(۵) زندگی کو موت سے پہلے غنیمت جاننے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ہر انسان کے لیے اخروی تیاری کے سلسلے میں ایک حد مقرر فرمائی ہے۔ اس حد کے بعد کوئی بھی شخص اپنی ذاتی محنت سے اس سعادت کو حاصل نہیں کر سکتا بلکہ اس معاملے میں دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ اور وہ حدِ موت ہے۔

اللہ تعالی کے مقبول بندوں کے علاوہ دیگر حضرات عموما خواب غفلت میں گرفتار رہتے ہیں، جس کا واضح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب دنیا میں نیک اعمال سے دور رہ کر موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو نہ صرف سابقہ زندگی پر شرمندگی وندامت دامن گیر ہو جاتی ہے بلکہ آئندہ حالات کے بارے میں شدید خوف بھی جان نہیں چھوڑتا۔

اب خود تو کچھ کرنے پر قادر نہیں رہتے، لہٰذا دنیا میں موجود لوگوں کی طرف حسرت

بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے نیکیوں کی بھیک کی امید میں برزخی زندگی کے دن گن گن کر گزارنا شروع کر دیتے ہیں۔اب اگر کسی محبت کرنے والے کو توفیق ہوگئی تو کچھ نیکیاں ایصال ثواب کے ذریعے ان کے نامہ اعمال میں پہنچا دیتا ہے ورنہ عام لوگوں کے ایصال ثواب پر ہی گزارا کرنا پڑتا ہے۔اور بسا اوقات تو وہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔

حضرت صالح مری (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ شب جمعہ کو جامع مسجد کی طرف جارہا تھا تاکہ صبح کی نماز وہاں پڑھوں۔ چونکہ صبح ہونے میں ابھی دیر تھی چنانچہ میں راستے میں ایک قبرستان میں داخل ہوکر ایک قبر کے پاس بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی میری آنکھ لگ گئی، میں نے دیکھا کہ سب قبریں پھٹ گئی ہیں اور ان میں سے مردے باہر نکل کر آپس میں ہنسی خوشی بات کر رہے ہیں۔

اتنے میں ایک نوجوان بھی قبر سے باہر نکلا، اس کے کپڑے میلے تھے، وہ غمگین حالت میں ایک جانب بیٹھ گیا۔تھوڑی دیر میں آسمان سے بہت سے فرشتے اترے جن کے ہاتھوں میں تھال تھے جن پر نورانی رومال ڈھکے ہوئے تھے۔ وہ ہر مردے کو تھال دیتے جاتے تھے اور جو مردہ تھال لیتا، وہ اپنی قبر میں واپس چلا جاتا۔جب سب تھال لے چکے تو وہ نوجوان خالی ہاتھ قبر میں واپس جانے لگا تو میں نے اس نوجوان سے دریافت کیا کہ تمہارے غمگین ہونے کی کیا وجہ ہے اور یہ تھال کیسے تھے؟

اس نے جواب دیا کہ یہ تھال ان ہدیوں کے تھے جو زندہ لوگوں نے اپنے مردوں کو ایصال ثواب کیا تھا۔ میرا ایک ماں کے علاوہ کوئی نہیں جو ہدیہ بھیجے گا اور خود ماں بھی دنیا کے دھندوں میں پھنس کر رہ گئی ہے۔اس نے دوسری شادی کر کے اپنی مشغولیت بڑھا لی ہے، اب اسے مجھے یاد کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

میں نے اس سے اس کی ماں کا پتہ معلوم کیا اور دوسرے دن جا کر اسے پردے میں بلا کر تمام معاملہ بیان کیا۔اس عورت نے کہا کہ بے شک وہ میرا بیٹا تھا، میرا لخت جگر تھا۔

پھراس نے مجھے ہزار درہم دیے اور کہا کہ یہ میرے بیٹے کی طرف سے صدقہ کر دینا اور میں آئندہ ہمیشہ اسے دعا وایصالِ ثواب میں یاد رکھوں گی۔

میں نے حسبِ ہدایت وہ رقم نوجوان کی طرف سے صدقہ کر دی۔ کچھ عرصہ بعد میں نے خواب میں اس مجمع کو اسی طرح دیکھا۔ اب کی مرتبہ وہ نوجوان بھی اچھی سی پوشاک پہنے ہوئے خوش تھا، وہ تیزی سے میری جانب آیا اور کہنے لگا کہ، اے صالح مری! اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، آپ کا ہدیہ مجھ تک پہنچ گیا۔

پیارے آقا صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے اسی وجہ سے زندگی کی قدر کرنے کا حکم ارشاد فرمایا کہ بعد موت نہ تو انسان نیک اعمال پر قادر ہوتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالی اور بندوں میں سے کسی کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق مل سکتی ہے، لہٰذا مذکورہ نصیحت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے موت سے پہلے پہلے نیکیوں پر استقامت کے ساتھ ساتھ سابقہ گناہوں سے توبہ اور تمام حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرنا بے حد ضروری ہے۔

اس معاملے میں عمل کی اہمیت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایسی مسلم خواتین کی صحبت میں رہنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ جو اپنا کوئی بھی لمحہ ضائع نہیں کرتیں اور اپنی آخرت کے بارے میں فکر مند رہتی ہیں۔ نیز اپنے اسلاف کرام کے حالات زندگی کا مطالعہ بھی اس معاملے میں بے حد معاون ثابت ہوگا۔ اس کے علاوہ ایسے واقعات بار بار پڑھیں کہ جن سے مرجانے والے غافل حضرات کی بے بسی عیاں ہوتی ہو۔

اللہ تعالی ہمیں خوابِ غفلت سے جاگنے اور خصوصاً اس نصیحت رسول پاک صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

لہٰذا تمام اسلامی بہنوں سے گزارش ہے کہ وہ پیارے آقا صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی باتوں پر عمل کریں اور شریعت کے دائرے میں رہ کر باعزت زندگی گزاریں۔

و ما علینا الا البلاغ المبین

مناجات در بارگاہِ مجیب الدعوات

اللّٰھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمد طب القلوب و دوائھا و عافیة الأبدان و شفائھا و نور الأبصار و ضیائھا و قوة الأرواح و غذائھا و آله و صحبه و بارک و سلم صلوٰة و سلاما علیک یارسول اللّٰه ﷺ .

اللّٰھُمَّ افْتَحُ لَنَا بِالْخَيْرِ وَ اخْتِمُ لَنَا بِالخَيْرِ وَ اجْعَلْ عَوَاقِبَ أمُورِنَا بِالخَيْرِ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إنَّكَ عَلیٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ☼ اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ مَعْصِيَّتِكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغنَا بِهٖ جَنَّتَكَ وَمِن الْيَقِيْنِ مَا تَھُونُ بِهٖ عَلَيْنَا مَصَائِبَ الدُّنْيَا وَمَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَ اَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَأرَنَا عَلیٰ ظُلْمِنَا وَ انْصُرْنَا عَلیٰ مَنْ عَادَانَا وَلاَ تَجْعَلْ مُصِيْبَنَا فِی دِيْنِنَا وَلاَ تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرُ هَمِّنَا وَ لاَ مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَ لاَ تُسَلِّطْ عَلَيْنَا بِذُنُوبِنَا مَنْ لاَ يَخَافُكَ وَ لَّا يَرْحَمُنَا يَا مَولاَنَا يَا رَبَّ العَالَمِينَ ☼ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَ عَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالسَّلاَمَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ وَّالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاةَ مِنَ النَّارِ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ☼ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ فَوَاتِحَ الْخَيْرِ وَخَوَاتِمَهٗ وَجَوَامِعَهٗ وَ اَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ وَبَاطِنَهٗ وَظَاهِرَهٗ وَالدَّرَجَاتِ الْعُلیٰ مِنَ الْجَنَّةِ ☼ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَعَافِنِیْ وَارْزُقْنِیْ يَا حَیُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ وَمِنْ عَذَابِكَ اَسْتَجِيْرُ اَصْلِحْ لِیْ شَأنِی كُلَّهٗ وَلاَ تَكِلْنِیْ اِلیٰ نَفْسِیْ طُرْفَةَ عَيْنٍ ☼ اَللّٰھُمَّ اَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَاهْدِنَا سَبِيْلَ الرَّشَادِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ وَ جَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَبَارِكْ لَنَا فِیْ اَسْمَاعِنَا

وَابْصَارِنَا وَقُلُوبِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ☆ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا وَاهْدِنَا وَ عَافِنَا وَارْزُقْنَا وَ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ☆ اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِيْ دِيْنِيَ الَّذِيْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِيْ وَ اَصْلِحْ لِيْ دُنْيَايَ الَّتِيْ فِيْهَا مَعَاشِيْ وَاَصْلِحْ لِيْ آخِرَتِيَ الَّتِيْ فِيْهَا مَعَادِيْ وَاجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِّيْ فِيْ كُلِّ خَيْرٍ ن اجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّيْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ ☆ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عُمْرِيْ آخِرَهٗ وَ خَيْرَ عَمَلِيْ وَخَوَاتِمَهٗ وَخَيْرَ اَيَّامِيْ يَوْمَ اَلْقَاكَ فِيْهِ ☆ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ ارْضِ عَنَّا وَتَقَبَّلْ مِنَّا وَادْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَنَجِّنَا مِنَ النَّارِ وَاَصْلِحْ لَنَا شَأْنَنَا كُلَّهٗ ☆ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ الْمَسْأَلَةِ وَ خَيْرَ الدُّعَاءِ وَخَيْرَ النَّجَاحِ وَخَيْرَ الْعَمَلِ وَخَيْرَ الثَّوَابِ وَخَيْرَ الْحَيَاةِ وَ خَيْرَ الْمَمَاتِ وَثَبِّتْنِيْ وَثَقِّلْ مَوَازِيْنِيْ وَحَقِّقْ اِيْمَانِيْ وَ ارْفَعْ دَرَجَاتِيْ وَ تَقَبَّلْ صَلَاتِيْ وَاغْفِرْ خَطِيْئَتِيْ وَ اَسْئَلُكَ الدَّرَجَاتَ الْعُلٰى مِنَ الْجَنَّةِ ☆ اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الاُمُوْرِ كُلِّهَا وَ اَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَ عَذَابِ الآخِرَةِ ☆ اَللّٰهُمَّ امْلأْ قَلْبِيْ بِنُوْرِكَ وَ أَنْوَارِ مُشَاهَدَتِكَ وَ جَمَالِكَ وَ كَمَالِكَ وَ مَحَبَّتِكَ وَ عِصْمَتِكَ وَ قُدْرَتِكَ وَ عِلْمِكَ يَآ أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنْ ☆ اَللّٰهُمَّ اَخْرِجْنَا مِنْ ظُلُمَاتِ الْوَهْمِ وَ اَكْرِمْنَا بِنُوْرِ الْفَهْمِ وَ افْتَحْ عَلَيْنَا بِمَعْرِفَةِ الْعِلْمِ وَ حَسِّنْ اَخْلاَقَنَا بِالْعِلْمِ وَ سَهِّلْ لَنَا اَبْوَابَ فَضْلِكَ وَانْشُرْ عَلَيْنَا خَزَائِنَ رَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنْ ☆ اَللّٰهُمَّ لاَ تَجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ فِيْ رِزْقِنَا اَحَداً سِوَاكَ وَاجْعَلْنَا اَغْنٰى خَلْقِكَ بِكَ وَاَفْقَرَ عِبَادِكَ اِلَيْكَ وَهَبْ لَنَا غِنىً لاَّ يُطْغِيْنَا وَصِحَّةً لاَّ تُلْهِيْنَا وَ اَغْنِنَا عَمَّنْ اَغْنَيْتَهٗ عَنَّا وَاجْعَلْ آخِرَ كَلاَمِنَا شَهَادَةَ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّاللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَتَوَفَّنَا وَاَنْتَ رَاضٍ عَنَّا غَيْرَ غَضْبَانَ وَاجْعَلْنَا فِيْ مَوْقِفِ الْقِيَامَةِ مِنَ الَّذِيْنَ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُوْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ o

یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم! ہم تیری گنہ گار، خطا کار عصیاں شعار بندیاں اپنے گناہوں کا

اعتراف کرتے ہوئے تجھ سے عفوودرگزر کی بھیک مانگتی ہیں۔مولا! ہماری نافرمانیوں کو نہ دیکھ، اپنی رحمتوں کو دیکھ...... ہماری لغزشوں کو نہ دیکھ اپنی نوازشوں کو دیکھ...... ہماری خطاؤں کو نہ دیکھ، اپنی عطاؤں کو دیکھ......اور ہماری گناہوں میں لت پت زندگی کو نہ دیکھ، اپنے بے پایاں لطف وکرم کو دیکھ۔

اے پروردگار! بھری دنیا میں تیرے دروازے سے بڑا کسی کا دروازہ نہیں، اور تجھ سے بڑا کوئی سخی نہیں۔ ہم سے بڑی کوئی بھکارن نہیں۔ تجھ سے بڑا کوئی داتا نہیں، اور ہم سے بڑی کوئی گنہ گار وکمینی نہیں۔مولا! اگر آج ہم تیرے دروازے سے خالی چلی گئیں تو پھر کس کے در پر جائیں گی اور کس کا دروازہ جا کر کھٹکھٹائیں گی۔

مولا! سخیوں اور داتاؤں کا شیوہ نہیں کہ وہ منگتوں کو خالی ہاتھ لوٹا دیں۔ کریموں کی عادت نہیں ہوتی کہ وہ تہی دامن بھکارنوں کو دھتکار کر بھگا دیں......مولا! آج ہمیں اپنے دروازے سے نہ دھتکار......مولا! سخی لوگ اپنے دروازوں پر آئے ہوئے منگتوں کو خالی ہاتھ لوٹایا نہیں کرتے۔

مولا! دنیا کے چھوٹے چھوٹے سخی بھی دروازہ پر کوئی منگتا آجائے، کتنا کمینہ ہو، کتنا عاجز وخستہ حال ہو، کتنا برا ہو، مولا جب دروازے پر منگتا بن کر آجائے اسے دھتکارتے نہیں ہیں، اور تجھ سے بڑا سخی کائنات میں کون ہوگا، تجھ سے بڑا کریم کون ہوگا، مولا! تو نے تو اپنے حبیب کو فرمایا ہے: **و اما السائل فلا تنھر**، پیارے جو سوالی آئے اسے جھڑکا نہ کر، مولا ہم بھی تیری سوالی ہیں۔مولا! ہم لاکھ کمینی سہی، رذیل سہی، ذلیل ورسوا سہی، خسیسہ وروسیاہ سہی، پر تیرے دروازے پر سائلہ بن کر آگئی ہیں، اور جو منگتا ہو کر آجائے تو اس کے حال کو نہیں دیکھا جاتا، اس کے اعمال کو نہیں دیکھا جاتا، اس کی نیکی بدی کو نہیں دیکھا جاتا، میرے کریم! ہم بھگارن بن کر آگئی ہیں تو ہمارے اعمال اور احوال کو نہ دیکھ، اپنے نوال کو دیکھ، اور اپنی جود وعطا کو دیکھ۔

اے مالک ومولا! ہم سے جو بھی خطائیں ہوگئیں اسے معاف کر، ہمیں نہ جھڑک، ہماری گرفت نہ فرما، ہمارے گناہوں پر عذاب نہ فرما، ہماری خطائیں معاف کردے، ہمیں خطاؤں سے پاک کردے، ہمیں گناہوں سے پاک کردے، اور ہمارے ظاہر و باطن کو پاک وصاف فرمادے۔

اے میرے مولا! ہم تیری عزت کی پناہ لینے آئی ہیں، ہم تیری بارگاہ سے بخشش کی خیرات لینے آئی ہیں، تیرے امن وامان کی سوالی بن کر آئی ہیں۔ تجھ سے چشم پوشی کا سوال کرنے آئی ہیں، تیرے عذاب سے چھٹکارا لینے آئی ہیں۔ مولا! آج یہ ساری خواتین، بچیاں، بیٹیاں گھر بار چھوڑ کر معافی کا پروانہ سننے کی آس پر بیٹھی ہوئی ہیں، معافی دینے والے آج اتنا عطا کر کہ کوئی جھولی خالی نہ جائے، اتنی بخشش ومغفرت کی بارش برسا کہ کسی کا نامہ اعمال سیاہ نہ رہے، اپنے عطاونوال کی اتنی بھیک دے کہ کسی کی کوئی حاجت باقی نہ رہے۔

مولا! آج تجھے تیری رحمت کا واسطہ، تیری بخشش کا واسطہ، تجھے تیری کریمی کا واسطہ، تجھے تیری رحیمی کا واسطہ، آج اپنے نام پر خیرات مغفرت دے دے، اپنی رحمت کی خیرات دے دے، ہمارے سارے صغائر وکبائر معاف فرما، ہماری ساری لغزشیں خطائیں معاف فرما، جو گناہ جان بوجھ کر کیے وہ بھی معاف کر، جو گنہ بھول کر نسیان میں کیے وہ بھی معاف کر۔

مولا! ہم اپنے کیا کیا گناہ اور کیا کوتاہیاں گنوائیں، نہ ہمیں مانگنا آتا ہے، نہ سنورنا آتا ہے، نہ سدھرنا آتا ہے، مولا! ہمیں کچھ بھی نہیں آتا، ہم پورے طور پر شیطان کے بہکاوے میں آگئیں، نفس کے جال میں پھنس گئیں، دنیا کے فتنوں میں گھر گئیں۔ مولا! آج کی رات تو ہمیں شیطان کے حملوں سے بھی بچالے، نفس کے چنگل سے بھی بچالے، دنیا کے حملوں سے بھی بچالے، دل کے وسوسوں سے بھی بچالے، اور ہمارے ظاہر وباطن کو پاک فرمادے، ہمارے دلوں کو اپنے نور سے روشن فرمادے، ہماری روحوں کو اپنی معرفت کے نور سے منور

فرمادے،اور ہمارے ظاہر و باطن کو اپنی طاعت کے نور سے منور فرمادے۔

مولا! ہمیں راتوں میں جاگنا نصیب فرما، غفلت کی نیند سے باہر نکال۔ ہواوہوس کے غار سے نکال روح کے گھر کی طرف لے چل۔ ہمیں نفسانیت سے نکال روحانیت کی طرف لے چل۔ ہمیں غفلت سے نکال اور مجاہدہ کی طرف لے چل۔ ہمیں بُعد اور دوری سے نکال اور اپنے قرب اور حضوری کی طرف لے چل۔ ہمیں محرومی سے نکال اور عطا ومشاہدہ کی طرف لے چل۔ بدبختی سے نکال خوش بختی کی طرف لے چل۔ شقاوت سے نکال سعادت کی طرف لے چل۔

مولا! غارِ حرا میں حضور کی عبادتوں کا صدقہ ہمارے حال پر کرم کر، حضور کے سجدوں کا صدقہ ہمیں سجدوں کی لذت دیدے، حضور کی دعاؤں کا صدقہ ہماری دعائیں اپنی بارگاہ میں قبول کرلے، حضور کی چشمانِ مقدس سے گرنے والے آنسوؤں کا صدقہ مولا ہمیں بھی اپنے عشق کے آنسو عطا کر، اپنی معرفت کے آنسو عطا کر، آقا کے قلب اطہر کا واسطہ ہمارے دلوں میں اپنی خشیت کا نور پیدا کر۔

مولا! ہمیں اپنی طاعت میں فنائیت دے دے، آقا کی نسبت محمدی میں فنائیت دے دے، آقا کی غلامی کا پٹا ہماری گردنوں میں ڈال دے۔ مولا! تجھے حضور کے صحابہ کا واسطہ ہمیں اپنی معرفت کے جام دے، تجھے حضور کی صحابیات کا واسطہ ہمیں مجسمہ حیا بنادے۔ مولا! ہمیں حضور کی محبت و عشق اور نسبت و تعلق دے، حضور علیہ السلام کی اہل بیت پاک کا واسطہ حضور کی بارگاہ میں حضوری عطا کر، حسن و حسین کا واسطہ، ردائے فاطمی کا واسطہ ہمیں پاکیزگی عطا کر، عصمت عائشہ کا واسطہ ہمیں عفت و پاکدامنی نصیب فرما۔

مولا! تجھے شہر مدینہ کی گلی کوچوں کا واسطہ، شہر نبی کی ہواؤں اور فضاؤں کا واسطہ، شہرت محبت کی درو دیوار کا واسطہ، ہمارے احوال درست کر، مدینہ کی گلیوں میں کھیلنے والے بچوں کا واسطہ، گنبد خضرا پر اترنے والی برکات و تجلیات کا واسطہ، وادیِ مدینہ پر نازل ہونے والے انوار کا واسطہ، سنہری جالیوں کے گرد گھومنے والے غلاموں کا واسطہ، حضور کی بارگاہ میں پیش

کیے جانے والے درود اور سلاموں کا واسطہ، آقا کی تربت پاک کا واسطہ، حضور کے گیسوے مبارک کا واسطہ، حضور کی چشمانِ مقدس کا واسطہ، حضور کی پیاری پیشانی کا واسطہ، حضور کے رخِ روشن کا واسطہ، حضور کے حسن سراپا کا واسطہ، حضور کی کل اُمت کا واسطہ مولا ہمیں اپنی معرفت دے، اپنا عشق دے، اپنی قربت دے، اپنی طاعت وخشیت دے۔

مولا! ہمیں دین حق پر استقامت دے، ہمارے اعمال درست کردے، ہمارے احوال سنوار دے، ہماری نیتیں اچھی کردے، ہمیں صدق عطا کر، ہمیں اخلاص عطا کر، ہمیں تقویٰ عطا کر، ہمیں زہد وورع عطا کر، ہمیں نورِ ایمان عطا کر، حلاوتِ عرفان عطا کر، ہمیں ہر قسم کی ریا سے پاک کردے، ہمارے دلوں کو نفاق سے پاک کر۔ مولا! ہمیں اپنی بندگی کی لذت سے بہرہ ورفرمادے۔

مولا! آج کی شب تجھے سجدہ گزاروں کا واسطہ، تیرا گھر آج معمور ہے، کعبۃ اللہ کی فضائیں معمور ہیں، تجھے کعبہ کا واسطہ، کعبہ کے غلاف کا واسطہ، کعبہ کا طواف کرنے والوں کا واسطہ، تیرے گھر میں اس وقت جو آوازیں بلند ہو رہی ہیں ان آوازوں کا واسطہ، لبیک اللھم لبیک کہنے والوں کا واسطہ، سنگ اسود کو دیے جانے والے بوسوں کا واسطہ، مقام ملتزم پر اُٹھنے والی آہوں اور گرنے والے آنسوؤں کا واسطہ، باب کعبہ پر اُٹھے ہوئے ہاتھوں کا واسطہ، جو رو رو کر دعائیں کر رہے ہیں ان کی دعاؤں کا واسطہ، مولا! اُن کی دعاؤں میں ہماری دعائیں بھی شامل کرلے، ان کی پکاروں میں ہماری پکاریں بھی شامل کرلے، ان کی التجاؤں میں ہماری التجائیں بھی شامل کرلے، اور ان پر ہونے والی نوازشات واکرامات میں ہمارا بھی حصہ ڈال۔

مولا! ہمارے دل مردہ ہیں، اپنے ذکر سے زندہ کردے۔ ہماری روحیں تاریک ہیں، اپنی معرفت کے نور سے انھیں روشن کردے۔ مولا! اپنا درد وسوز دے، مولا! اپنی شناسائی دے، مولا! تجھ سے تیرے عشق کی چنگاری مانگتے ہیں، اس عشق کا کوئی ذرہ، اس ذرہ کا کوئی حصہ ہمارے نصیب میں کردے، مولا! تجھ سے تیری معرفت کی روشنی مانگتے

ہیں، مولا! اپنی بندگی کا کیف عطا کر دے، ہماری زندگی کو بندگی میں بدل دے، بے بندگی زندگی شرمندگی ہے مولا، تجھ سے دوری کوئی زندگی نہیں، تجھ سے غفلت کوئی زندگی نہیں، تجھے بھول کر کوئی زندگی نہیں، تیری طاعت سے محروم رہ کر کوئی زندگی نہیں، تیرے عشق ومحبت کے کیف سے محروم رہ کر کوئی زندگی نہیں، تیرے خوف وخشیت سے دور رہ کر کوئی زندگی نہیں، ہماری زندگیوں کو اپنی خشیت سے معمور فرما دے، انھیں شرابِ توحید کے جام عطا کر دے۔

ہمیں تو مانگنا بھی نہیں آتا، ہم پر کرم کر دے، جو بہتر ہے وہ مقدر کر دے، جو شر ہے اس سے ہمیں محفوظ فرما لے، ہماری جبینوں کو سجدوں کی لذت دے، ہمیں غفلتوں کے عذاب سے نجات عطا فرما، ہمیں محرومی کے عذاب سے نجات عطا فرما، ہمیں شقاوت اور بدبختی کے عذاب سے نجات عطا فرما۔

مولا! یہ ہزاروں بندیاں بیٹھی ہیں، میں گنہ گار، کمینی، کم بخت سہی، تیرے کرم کے لائق نہ سہی مولا! پَر تیری ان ہزاروں بندیوں میں کوئی تو تیری پیاری ہوگی، کسی کے آنسو تو تجھے عزیز ہوں گے، کسی کی آہیں تو تیری بارگاہ میں پہنچ رہی ہوں گی بس انھیں کے صدقے ہمیں سنوار دے، سدھار دے۔

مولا! تو ہمارا ہو جا اور ہمیں اپنا بنا لے، اپنا بنا کر رکھ، اپنا بنا کر مار اور اپنا بنا کر اُٹھا۔ مولا! ہمیں اپنے دین کی سربلندی کے لیے جینا مرنا نصیب کر اور ہمیں توفیق دے کہ ہمارا تن من دھن تیری رضا اور تیرے محبوب کی خوشنودی کے لیے تیرے دین پر لٹ جائے۔

مولا! جن کے رزق میں تنگی ہے، آج کی رات ان کے رزق میں وسعت وبرکت عطا فرما، سب کی معاش بہتر کر دے، رزق حلال کی توفیق دے دے۔ مولا جو بیمار ہیں آقا کے نعلین پاک کے صدقے ان سب بیماروں کو شفائے کامل عطا کر دے۔ مولا آج کی رات بیماریاں شفایابی سے بدل جائیں، دُکھ سکھ سے بدل جائیں، تنگ حالی خوش حالی سے بدل دے، قرض داروں کے قرض اُتار دے، آفات وبلیات سے نجات عطا فرما،

شر وفتن سے امان عطا فرما۔

مولا ہماری زندگیوں کو نیکی کے ساتھ دراز فرما، آج تقدیریں بدل دے، ہمارے حق میں اچھی تقدیریں رقم فرما۔ ہماری ساری ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کی جھولیاں بھر دے، انھیں نیک بنادے، حیا کی دیوی اور عفت کی پیکر بنادے، خیر کو ہمارا مقدر بنا۔ آقا کی کل اُمت کی خیر، عالم اسلام پر کرم فرما، امت مسلمہ کا مقدر اچھا کردے، دین مصطفوی کو ہر طرح بلند فرما، مظلوموں کو ظلم سے نجات دے، ظالموں کو انجام تک پہنچا، مولا! جو جو حاجتیں لے کر بیٹھی ہیں سب تیرے حضور پیش ہیں، تو علام الغیوب اور دلوں کی مرادیں جاننے والا ہے سب کی مرادیں پوری کر، مولا! جن بچیوں کی شادیاں نہیں ہوئیں انھیں اچھے رشتوں کی خیرات عطا فرما، ان کے رشتے کی راہ میں جو رکاوٹیں ہیں انھیں اپنے فضل وکرم سے دور فرمادے۔

مولا! تیرے اور تیرے حبیب کے حکم پر یہ بندیاں تیرے انعام، تیری نوازش، اور تیری جود وعطا کی آس پر جاگ رہی ہیں، اور تیرے حضور ہاتھ اُٹھا کر جھولیاں پھیلا کر بیٹھی ہیں، مولا! ہمارے حساب و کتاب اور مقدر میں جو کوتاہیاں ہوں انھیں محض اپنے فضل وکرم سے معاف فرمادے، جو کمیاں ہیں انھیں پوری فرمادے، تنگ دستی کو خوش حالی کردے، بدبختی کو سعادت سے بدل دے، ہماری نافرمانی کو طاعت سے بدل دے، ہماری غفلتوں کو اطاعت وبندگی سے بدل دے، محرومی کو عطا سے بدل دے، تقدیروں کو سنوار دے، سب کی جھولیوں میں لطف وکرم کی بھیک ڈال دے۔

مولا! ہم بڑی گنہ گار ہیں، گناہ کرنا ہمارا کام ہے اور بخش دینا تیری شان ہے۔ مولا! خلوت میں بھی تیرا حیا نہ کیا اور جلوت میں بھی تیرا حیا نہ کیا۔ مولا! تو خالق ہے ہم مخلوق۔ اگر آج کی رات ہماری جھولی میں خیرات نہیں ڈالے گا تو بتا تیری مخلوق پھر کس کے دروازے پر جائے گی۔ مولا! تو عطا کرنے والا ہے ہم بھکارن ہیں اگر آج کی رات تو اپنی ان بھکارنوں کو نہیں دے گا تو بتا یہ اپنا دُکھڑا سنانے کہاں جائیں گی۔ مولا!

تو مددگار رہے ہم محتاج ہیں اگر آج کی رات محتاجوں پر کرم نہیں فرمائے گا تو بتا تری یہ محتاج بندیاں کہاں جائیں گی۔

مولا! گناہوں کے بوجھ سے ہمارے جسم نڈھال ہوگئے، ہڈیاں کمزور ہوگئیں، گناہوں نے ہماری کمر توڑ کر رکھ دی، گناہوں نے ہمارے چہرے سیاہ کردیے، کوتاہیوں اور نافرمانیوں نے ہمارے دل مردہ کردیے، مولا! ہم تجھ سے دور ہوگئے، مولا! تیرے شناسا نہ رہے، تجھ سے بیگانہ ہوگئے، مگر سب کچھ سہی مگر تیری بندگی سے باہر نہیں نکلے، نافرمان سہی بتا کیا تیرے سوا ہمارا کوئی اور بھی مولا ہے، مولا! ہمارے گناہوں کو نہ دیکھ، ہماری سیاہ کاریوں کو نہ دیکھ، ہماری بداعمالیوں کو نہ دیکھ، اپنے کرم کو دیکھ، اپنے شیوۂ عطا کو دیکھ، اپنے فضل وانعام کو دیکھ، اپنے لطف واحسان کو دیکھ، تو نے پہلوں کو بھی تو بخشا ہے تو ہمیں بھی بخش دے؛ کیوں کہ بخشش کو تو پسند کرتا ہے۔

مولا! ہمارا کوئی ایک گناہ بھی ایسا نہ چھوڑ جسے تیری مغفرت نصیب نہ ہوجائے، مولا! کوئی ایک عیب ہمارا ایسا نہ چھوڑ جس پر تیرا پردہ نہ پڑ جائے، مولا! ہمارا کوئی غم ایسا نہ چھوڑ جو ختم نہ ہوجائے، مولا! ہمارا کوئی سوال ایسا نہ چھوڑ جو تیری عطا سے پورا نہ ہوجائے، مولا! کوئی مرض اور کوئی بلا ایسی نہ چھوڑ جسے آج تو اپنے کرم سے دفع نہ فرمادے، مولا! ہماری کوئی تکلیف ایسی نہ چھوڑ جس کو تو ختم نہ فرمادے، مولا! ہم پر کوئی قرض ایسا نہ چھوڑ جو اپنی سخاوت سے تو اَدا نہ فرمادے، مولا! ہمارا کوئی دشمن ایسا نہ چھوڑ جسے تو ہم سے دفع نہ فرمادے، مولا! کوئی مریض ایسی نہ چھوڑ جسے تو شفا نہ دیدے، مولا! کوئی بچی ایسی نہ چھوڑ جس کی تو نیک تربیت نہ فرمادے، مولا! کوئی فاسق وفاجر ایسی نہ چھوڑ جس کو تو صالحہ نہ بنادے، مولا! کوئی حاجت مند ایسی نہ چھوڑ جس کی جھولی تو اپنے خیرات سے نہ بھردے۔

مولا! جو بےاولاد آئی ہیں ان کی جھولیوں میں اولاد کی خیرات ڈال دے، **اِنَّـــا اَعْـطَیْنَاکَ الْکَوثَرْ، فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ، اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرْ** کا صدقہ، **کٰھٰیٰعٓصٓ** کا صدقہ، دعاے زکریا: **رَبِّ لاَ تَـذَرْنِی فَرْداً وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ** کا

صدقہ، انھیں اولاد عطا فرما دے، جنھیں اولاد نرینہ کی تمنا ہے ان کی مرادیں بھی ہری بھری کر دے، جنھیں اولاد کی نعمت سے نوازا ہے ان کو سلامت رکھ، درازی عمر عطا کر انھیں نیک بنا صالح بنا متقی و پرہیز گار بنا، اور سب کے سینے اسلام کے نور کے لیے کھول دے، سب کے گھروں میں دین کو قائم فرما، سب کے گھروں میں ایمان کے اُجالے کر دے، ہم سب کے خاندانوں میں عورتوں میں جوان بیٹے بیٹیوں میں دین کی غیرت پیدا فرما، ایمان کی غیرت پیدا فرما، نوجوان نسل کی آنکھوں میں مولا حیا دے، شرم دے، تقویٰ دے، عصمت دے، طہارت دے، ان کو پاکیزہ کر اور ایمان کو ہم سب کی نسلوں میں باقی رکھ۔

مولا! اس قوم کی بیٹیاں سیدہ فاطمہ کی باندیاں بن جائیں، اس قوم کے بیٹے امام زین العابدین کے غلام بن جائیں ۔ ہمارے مرحوم آباؤ اجداد، بزرگ مشائخ سب کے درجات بلند فرما، ان کی بخشش فرما، ہماری نسلوں کو ہدایت دے، ہمارے گھروں میں دین و ایمان کا اُجالا ہو، اُمت مسلمہ کی خیر، دین کے خدمت گاروں کی خیر، دنیا و آخرت کی راحتیں عطا کر۔ مولا! جو نعمتیں تو نے ہم پر کی ہیں ان کو برقرار رکھ، اور ہمیں مزید نیکیوں کی توفیق عطا فرما۔ آمین یارب العالمین۔

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم فائدہ کیا!
دو بوند ہی بہت ہیں اگر کچھ اَثر کریں

وَ صَلِّ اللّٰهُمَّ عَلىٰ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَنَبِيِّکَ وَ رَسُوْلِکَ النَّبِيِّ الاُمِّيِّ وَعَلىٰ آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا بِقَدْرِ عَظْمَةِ ذَاتِکَ فِیْ کُلِّ وَقْتٍ وَّ حِيْنٍ اِلىٰ يَوْمِ الدِّيْنِ ، آمين يا أرحم الراحمين

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ

وَ سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

کمال بک ڈپو، گھوسی کی فخریہ پیش کش

کاش نوجوانوں کو معلوم ہوتا!

تالیف: محمد افروز قادری چریاکوٹی

نوجوان ہی دراصل کسی معاشرے کا مستقبل اور گراں قدر سرمایہ ہوتے ہیں۔ وہ چاہیں تو اپنے حُسنِ عمل اور جذبۂ خیر وصلاح سے دنیا کو رشکِ فردوس بنادیں، اور چاہیں تو نمونۂ جہنم۔ ملاحظہ فرمائیں ایک چشم کشا اور اِنقلاب آفریں تحریر دل پذیر۔ صفحات: 48۔

یارسول اللہ! آپ سے محبت اور آپ پر درود کیوں؟

ترجمہ وتحقیق: محمد افروز قادری چریاکوٹی

جدہ کے شیخ، محمد حسن بن عبید باحبیشی کی عقیدت ومحبت کی خوشبوئیں لٹاتی، عظمت ِ درود کے نغمات سناتی، اور عشق واَدب کے آداب سکھاتی ایک ایمان اَفروز تحریر، جسے پڑھنا شروع کریں تو پڑھتے ہی چلے جائیں۔ صفحات: 80۔

اور مشکل آسان ہوگئی

ترجمہ وتحقیق: محمد افروز قادری چریاکوٹی

کرب و اِنتشار کے بادل کیسے چھنٹیں؟ غم روزگار کا مداوا کیسے ہو؟، اور غیبی نصرت وفتح کا حصول کیوں کر ہو؟، فتح مشکلات اور کشف مہمات کے لیے ایک تیر بہدف تحریر۔ امام جلال الدین سیوطی کی نایاب کتاب 'الارج بعد الفرج' کا سلیس ترجمہ وتلخیص۔ پڑھیے اور اکتسابِ فیض ونور کیجیے۔ صفحات: 96۔

پیارے بیٹے

ترجمہ وتحقیق: محمد افروز قادری چریاکوٹی

یہ شیخ المشائخ حضرت ابوعبدالرحمٰن السلمی کی نصیحتوں کا روح پرور مجموعہ ہے، جس میں انھوں نے زندگی کی بہت سی حقیقتوں کو بے نقاب کیا ہے۔ اور دنیا وآخرت سنوارنے کے بہت سے زرّیں اصول بتائے ہیں۔ اگر ان نصیحتوں کو رنگ عمل دے دیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ فوز وفلاح ہمارے ہم رکاب نہ ہوجائے۔ صفحات:36۔

چالیس حدیثیں

تالیف: محمد افروز قادری چریاکوٹی

بچے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور چمنستانِ ہستی کے رنگ برنگے پھول ہیں۔ زندگی کے جس موڑ پر وہ کھڑے ہوتے ہیں وہ بڑا ہی نازک موڑ ہوتا ہے۔ عادتیں وہیں سے بنتی اور بگڑتی ہیں۔ اخلاقی تربیت کا یہ بے مثال تحفہ انھیں اسی لیے پیش کیا جارہا ہے تاکہ وہ قوم وملت کے لیے قیمتی سرمایہ بن سکیں۔ صفحات:96۔

وقت ہزار نعمت

تالیف: محمد افروز قادری چریاکوٹی

وقت، ایک عظیم نعمت اور اللہ کی عطا کردہ بیش قیمت دولت ہے؛ لہٰذا وقت کو ضائع کرنا عمر گنوانے کے برابر ہے۔ ہر بڑے آدمی کی بڑائی اور مشہور شخصیات کی شہرت کا راز یہی وقت کی قدر دانی ہے۔ وقت کی قدر وقیمت کا اِحساس جگانے اور زندگی کو نظام الاوقات کا پابند بنادینے والی ایک منفرد کتاب۔ صفحات:184۔

مرنے کے بعد کیا بیتی؟

تالیف: محمد افروز قادری چریاکوٹی

یہ کتاب پس اِنتقال خواب میں دیکھے جانے والوں کے کوائف واَحوال پر مشتمل ایک منفرد المثال مجموعہ ہے۔ اِس کتاب کا ہر ہر واقعہ اور مرنے والوں کی ایک ایک بات' عبرت آموز ونصیحت خیز ہے۔ یہ واقعات جہاں ہمیں اپنی اِصلاح کی دعوت دیتے ہیں وہیں آخرت کی یاد بھی دلاتے ہیں۔ ہر گھر کی ضرورت۔ صفحات:264۔

موت کیا ہے؟

ترجمہ وتحقیق: محمد افروز قادری چریاکوٹی

یہ کتاب آپ کو بتائے گی کہ اِس دنیا سے چل چلاؤ کے وقت مومن کن کن نعمتوں اور انعامات سے بہرہ ور کیا جاتا ہے۔ مرنا چوں کہ ہر ایک کو ہے اِس لیے یہ کتاب ہر کسی کے مطالعہ سے گزرنا چاہیے۔ کائنات کی ہر چیز میں اِختلاف ہوسکتا ہے؛ مگر موت ایک ایسی حقیقت ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ صفحات:88۔

لخت جگر کے لیے

ترجمہ وتحقیق: محمد افروز قادری چریاکوٹی

یہ کتاب 'کوزے میں سمندر' کی جیتی جاگتی مثال ہے۔ علامہ ابن جوزی نے اپنے بیٹے کو کچھ نصیحتیں کی ہیں جو دین ودنیا کی سعادت وبرکات کو محیط ہیں۔ انداز یوں ہے: بیٹے! 'سبحان اللہ وبحمدہٖ' پڑھنے والے کے لیے جنت میں ایک باغ لگادیا جاتا ہے، تو ذرا سوچو کہ وقت برباد کرنے والا کتنے بہشتی باغات کھو بیٹھتا ہے!۔ صفحات:48۔

برکات الترتیل

تالیف: محمد افروز قادری چریاکوٹی

ترتیل وتجوید کے موضوع پر یوں تو بہت سی کتابیں دستیاب ہیں؛ مگر ایک ایسی کتاب جو ترتیل وقراءت کے تقریباً سارے گوشوں پر اطمینان بخش دلائل ومباحث لائے، اُس کے اَسرار ورموز کھول کر رکھ دے، اوراس کی جملہ پیچیدگیوں کا محققانہ حل پیش کرے، یہ خوبی 'برکات الترتیل' کی سطر سطر سے عیاں ہے۔ ہر مسلمان کی ضرورت۔صفحات:216-

انوارِ ساطعہ در بیانِ مولود وفاتحہ

تسہیل وتحقیق: محمد افروز قادری چریاکوٹی

عقائد ومعمولاتِ اہلسنّت خصوصاً میلاد وفاتحہ وغیرہ کے موضوع پر لکھی گئی اپنی نوعیت کی منفرد کتاب۔ یہ وہی کتاب ہے جس کے جواب میں رسوائے زمانہ کتاب 'براہین قاطعہ' وجود میں آئی۔ اہل سنت وجماعت کے جملہ معمولات ومعتقدات پر اس سے جامع اور سہل کتاب ملنا مشکل ہے۔ ہر سنی اسے ضرور زیر مطالعہ رکھے۔ صفحات:820-

رسائل وکلیاتِ حسن

جمع وتحقیق: محمد افروز قادری چریاکوٹی + محمد ثاقب رضا قادری

یہ دراصل برادر اعلیٰ حضرت، اُستاذ زمن علامہ حسن رضا خان بریلوی کی قلمی کاوشوں کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔مولانا کی شعری ونثری خدمات کو بڑے سلیقے سے مرتب کیا گیا ہے۔اہل سنت وجماعت کے لیے ایک عظیم تحفہ۔ رسائل حسن:صفحات:786۔کلیاتِ حسن:450-

بستانُ العارفین

ترجمہ وتحقیق: محمد افروز قادری چریاکوٹی

دینِ اِسلام کے اِعتدال وتوازن (Balance) کی سچی ترجمانی کرنے والی، اور عوام وخواص ہرایک کے لیے یکساں اِفادیت کی حامل ایک لاجواب کتاب۔ایک ایسے وقت میں جبکہ دین کی تعبیر وتشریح-اس کے مزاج وتعلیم کے خلاف-سختی وتنگی کے ساتھ کی جارہی ہو اور مسلمانوں کو ایک منظّم سازش کے تحت شریعت بیزاری اور تنفر دینی کے طوفانِ بدتمیزی کی طرف ڈھکیلا جارہا ہو، اِس قسم کے صالح لٹریچر اور سنجیدہ کتابوں کو فروغ دینے کی اہمیت واِفادیت صدآتشہ ہوجاتی ہے۔ہزار سال کے بعد شائع ہونے والا شاہکار۔صفحات:510-

-: اِن کتابوں کے علاوہ مولانا کی یہ کتب بھی شائع ہوچکی ہیں :-

آئیں دیدارِ مصطفی کرلیں۔ ترجمہ: محمد افروز قادری چریاکوٹی۔ پاکستان

تزکِ مرتضوی۔ تسہیل وتحقیق: محمد افروز قادری چریاکوٹی۔ پاکستان

شیعہ 'آستین کے سانپ'۔ تالیف: محمد افروز قادری چریاکوٹی۔ کیپ ٹاؤن

اربعین مالک بن دینار۔ جمع وترتیب: محمد افروز قادری چریاکوٹی۔ ناسک

تحفہ رفاعیہ۔ تسہیل وتحقیق: محمد افروز قادری چریاکوٹی۔ ناسک

دولت بےزوال...۔ تسہیل وترتیب: محمد افروز قادری چریاکوٹی۔ ناسک

چار بڑے اقطاب۔ ترجمہ: محمد افروز قادری چریاکوٹی۔ ناسک

جامع ازہر کا فتویٰ۔ ترجمہ: محمد افروز قادری چریاکوٹی۔ ناسک

قوم کی بیٹیو! تم سے ملت کا مستقبل وابستہ ہے، تمہاری آغوش سے فلاحِ اُمت کی صبحیں پھوٹ سکتی ہیں، تمہاری شبوں کے رت جگے قوم کا مقدر جگا سکتے ہیں، تم سمٹ جاؤ تو قوم پھیل سکتی ہے، اور تم گھر میں ذمہ داری سنبھالو تو قوم ارض وسما پر چھا سکتی ہے۔

اے میری بہن! تو مغرب کی بیٹی نہیں، مشرق کی عزت ہے، تیرے سر پر فرنگ کا سایہ نہیں، گنبد خضرا کی چھاؤں ہے۔ گھروں کی اونچی اونچی دیواریں تیری قید کی علامت نہیں، تیری عظمت کی دلیل ہیں۔ حیا کی چادر قدامت نہیں، پاکیزگی کی برہان ہے۔ تیری دبی دبی آواز بزدلی نہیں، عصمتوں کا وقار ہے۔ تیری جھکی جھکی پاک نگاہی تہذیبی سرقہ نہیں، تمدن کی اصلاح ہے۔ بچوں میں رہنا تیرا پچھڑا پن نہیں، ملت کی رگِ تقدیر میں خونِ حیات ہے۔

ذرا سوچ تو سہی، تیرے پاس کیا نہیں، کیا یہ کافی نہیں کہ تیرے شجرۂ تربیت میں خدیجۃ الکبریٰ کا نام آتا ہے، عائشہ صدیقہ کی تاریخ آتی ہے، فاطمہ زہرا کا حوالہ ملتا ہے، اور زینب کی شجاعت اُبھرتی ہے۔ یقیناً حوا تو ہے، مریم تیرا نام ہے، تقدیس تو ہے اور سارا نظامِ تربیت تیرے دم سے ہے، لیکن ہائے! کہاں گئی وہ عفت، کہاں گئی وہ عصمت!، کہاں گیا وہ ولولہ تعمیر!، اور کہاں چھوڑا حسنِ حیا!!! معذرت صد معذرت! مجھے تلاش ہے اپنی تاریخ کی اور میری تاریخ تیرے ہاتھ میں ہے!۔